محمود المواعظ

جلد یازدہم

مجموعۂ مواعظ

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

سابق صدر مفتی و حال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

مکتبہ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل

محمود المواعظ

(جلد یازدہم)

مجموعۂ مواعظ

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
سابق صدر مفتی و حال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

مرتب

مولانا عظیم الدین ارنالوی
استاذِ حدیث وتفسیر مدرسہ مفتاح العلوم تراج

ناشر

مکتبہ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل

تفصیلات

کتاب کا نام:.................... محمود المواعظ (جلد یازدہم)

افادات:......... حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

مرتب:...... مولانا عظیم الدین ارنالوی (استاذِ حدیث وتفسیر مدرسہ مفتاح العلوم تراج)

صفحات:.................. ۴۱۷

ناشر:........... مکتبہ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل

حضرت دامت برکاتہم کے مواعظ، کتابیں حاصل کرنے اور ہر سنیچر کو براہِ راست حضرت اقدس کی مجلس سننے کے لیے حسبِ ذیل ویب سائٹ کا استعمال کریں:

www.muftiahmedkhanpuri.com

ملنے کے پتے

- ادارۃ الصدیق، نزد خانقاہِ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل، mo:99133,19190
- مکتبہ انور، ڈابھیل (مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی) mo:99246,93470
- مکتبۂ اتحاد دیوبند، mo:98972,96985
- مکتبۂ ابوہریرہ، کھروڈ (مولانا جاوید صاحب مہاراشٹری) mo:99256,52499
- مفتی صدیق اسلامپوری (جامعہ خیر العلوم اُدگاؤں، کولہاپور) mo:99220,98249

اجمالی فہرست مضامین.......جلد یازدہم

تفصیلی فہرست مضامین........جلد یازدہم

(۲) ایمان جنت میں داخلے کی ضمانت ہے

(۳) غصہ ضبط کرنے کی اہمیت اور فضلیت

(۴) نگاہوں کے صحیح استعمال کے فضائل اور غلط استعمال کا وبال

(۵) اصولِ معاشرت اور امت کی طرف سے اس کی مخالفت

(۶) اسلام میں باہمی مدد اور تعاون کی بنیاد

(۷) سفر نامہ عراق، شام واردن

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ نصیحتیں

(''مَنْ یَأْخُذُ عَنِّي هٰؤُلاَءِ الْكَلِمَاتِ'' کی دل نشیں تشریح)

''۱''بوقت:۱۶/ ۱۲/ ۲۰۱۶ء، بمقام: بنونی (binonee) ''۲''بوقت: ۲۸/ ۱۱/ ۲۰۱۸ء، بمقام: دارِسلام، ٹورنٹو ''۳''بوقت: ۱۸/ ۵/ ۲۰۱۵ء، بمقام: بیت النور، جوہانسبرگ، ''۴''بمقام: بھاگا تلاؤ، گنبدوالی مسجد، سورت، بوقت: ۲/ ۶/ ۲۰۰۶ء، ''۵''بوقت: ۹/ ۶/ ۲۰۰۶ء، بمقام: بھاگا تلاؤ، گنبدوالی مسجد، سورت، ''۶''بوقت: ۲۳/ ۶/ ۲۰۰۶ء، بمقام: سگرام پورا، بڑی مسجد، سورت، ''۷''بمقام: آمباواڈی، کالیپور، اکبرشہید مسجد، ''۸''بمقام: چوک بازار، جمعہ مسجد، سورت، بوقت: ۷/ ۷/ ۲۰۰۶ء، اوردوسرے تین بیانات، کل ۱۱/ بیانات کا مجموعہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادي لہ، ونشھد أن لا إلہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد أن سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ، أرسلہ إلی کافّۃ الناس بشیرا ونذیرا، وداعیا إلی اللّٰہ بإذنہ وسراجا منیرا، صلی اللّٰہ تعالی علیہ وعلی آلہ وأصحابہ وبارك وسلّم تسلیما کثیرا کثیرا، أما بعد:

فَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ يَأْخُذُ عَنِّي هَؤُلاَءِ الكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ أَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ؟ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَقُلْتُ: أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ، فَأَخَذَ بِيَدِي فَعَدَّ خَمْسًا وَقَالَ: اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ، وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا، وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا، وَلاَ تُكْثِرِ الضَّحِكَ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ القَلْبَ[1] ۔

دینی باتیں سننے اور سنانے کے موقع پر نیتیں درست کرلی جائیں

ہمارے بزرگوں نے ہمیں ایک سبق یہ دیا ہے کہ ہر عمل سے پہلے ہم اپنی نیت

---

(۱) سنن الترمذی، بَابٌ: مَنِ اتَّقَى الْمَحَارِمَ فَهُوَ أَعْبَدُ النَّاسِ، رقم الحدیث: ۲۳۰۵۔

کو درست کرلیں اور اس کا مزاج بنائیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کو یہ تعلیم دی ہے: إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ[۱] کہ: اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے، اس لیے نیت کی بڑی اہمیت ہے۔

دین کی باتیں کہنے والا تبلیغ دین کی نیت کرے

اور نیت کیا ہونی چاہیے، یہ چیزیں بھی اہل اللہ کی صحبت میں حاصل ہوتی ہیں، ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب کوئی دینی بات کی جائے تو مجمع ہوتا ہے، ایک آدمی دینی بات پیش کرتا ہے اور دوسرے احباب اس کو سنتے ہیں تو دونوں کی نیت کیا ہونی چاہیے؟ تو بات کرنے والے کی نیت تو یہ ہو کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باتوں کو اللہ تعالیٰ کے بندوں تک پہنچاؤں، اس لیے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔

احادیث میں تبلیغ دین کا حکم

بخاری شریف میں ہے: بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً[۲]: میری طرف سے باتیں لوگوں تک پہنچاؤ، چاہے وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔

---

[۱] صحيح البخاري، عَنْ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رضي الله تعالى عنه، كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟، رقم الحديث: ۱۔

[۲] صحيح البخاري، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رضي الله تعالى عنهما، بَابُ مَا ذُكِرَ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، رقم الحديث: ۳۴۶۱۔

اور فتحِ مکہ کے موقع پر نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم نے جو خطبہ دیا تھا، اس میں یہ جملہ خاص طور پر ارشاد فرمایا تھا: وَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ ① کہ: جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ میری باتوں کو ان لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ گویا اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسولِ پاک صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم کی باتوں کو دوسروں تک پہنچانے کی ہماری ذمہ داری ہے۔ ابھی جو حدیث میں نے پڑھی ہے، اس میں یہ چیز ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

تو وعظ وبیان کرنے والے اور بولنے والے کی نیت تو یہ ہونی چاہیے، اپنا علمی تفوّق اور اپنی بڑائی جتلانا مقصود نہ ہو کہ میں بہت بڑا عالم ہوں، بڑا مقرر ہوں، یہ بڑی خطرناک نیت ہے۔

سننے والوں کی نیت دینی باتوں پر عمل کرنے کی ہو

اور سننے والوں کی نیت یہ ہو کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسولِ پاک صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم کی جن باتوں کو سنیں گے، اس پر عمل کا اہتمام کریں گے، خالی علمی باتیں سن کر چٹخارہ اور مزہ لے لینا اور تبصرے کے طور پر کوئی جملہ کہہ دینا کہ آج تو بہت اچھا بیان ہوا یا آج تو مولوی صاحب نے لوگوں کی خوب خبر لی، ایسا نہیں ہونا چاہیے بلکہ نیت یہ ہو کہ جو کچھ بھی سنیں گے، اس پر عمل کا اہتمام کریں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم

---

① صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا، کِتَابُ الحَجِّ، بَابُ الخُطْبَةِ أَیَّامَ مِنًی، رقم الحدیث: ۱۷۳۹.

دونوں فریق کو اپنی اپنی نیتیں درست کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

کنیت کی عام فہم تعریف

ابھی آپ کے سامنے جو حدیث میں نے پڑھی، وہ ترمذی شریف کی ایک حدیث ہے، جس کے نقل کرنے والے مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔ ابو ہریرہ تو ان کی کنیت ہے۔ عربی زبان کے اندر عام طور پر کسی کو مخاطب کرنے اور بلانے کے لیے اعزاز واکرام کے طور پر نام کے بجائے کنیت استعمال کی جاتی ہے اور کنیت میں نسبت باپ کی طرف یا ماں کی طرف یا بیٹے کی طرف ہوا کرتی ہے، جیسے ابو ہریرہ میں ''اَب'' یعنی باپ کی طرف نسبت کی گئی۔ یہ اعزاز کے طور پر عربوں کے اندر دستور تھا، نام لے کر نہیں پکارا جاتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسمِ گرامی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کا نام کیا ہے، اس میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں، یہ اپنی کنیت سے اتنے زیادہ مشہور ہو گئے کہ ان کا نام لوگ بھول گئے، ویسے راجح قول یہ ہے کہ ان کا نام عبدالرحمٰن ہے۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا تعارف

ہجرت سے پہلے ان کے قبیلے کے ایک بڑے شخص حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالی عنہ -جن کا تعلق قبیلۂ دوس سے تھا- ایمان لے آئے تھے۔ یہ دوس ایک قبیلہ ہے جو یمن کے اندر آباد تھا، اسی قبیلے سے حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ

تعالی عنہ کا تعلق تھا۔

کفارِ مکہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈا

ایک مرتبہ یہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالی عنہ یمن سے مکہ مکرمہ کعبۃ اللہ کی زیارت کے لیے آئے، شاعر بھی تھے اور اپنے قبیلے کے سردار بھی تھے۔ جس وقت یہ مکہ مکرمہ میں آئے، اس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان واسلام کی دعوت شروع فرما چکے تھے اور قریش، مکہ والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بن چکے تھے اور طرح طرح سے آپ کو ایذائیں پہنچاتے تھے، آپؐ کے کام میں رکاوٹیں ڈالتے تھے، چوں کہ وہاں کعبۃ اللہ تھا، اس لیے وہاں آنے جانے والوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا تو آنے والے کو پہلے ہی سے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بدگمان کر دیتے تھے، چنانچہ کوئی بھی نیا آدمی آتا تھا تو آتے ہی اس کو وارننگ (warning) دے دیتے تھے کہ دیکھو! ہمارے یہاں ایک آدمی نمودار ہوئے ہے جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا نبی کہتے ہیں، اس کی بات سنو گے اور مانو گے تو پھر تم مصیبت میں پھنس جاؤ گے، گھر گھر میں لڑائی شروع ہو جائے گی، ہمارے یہاں جن لوگوں نے ان کی باتیں سنیں اور مانیں، وہ بڑی مصیبتوں میں پھنس گئے ہیں، گھر گھر کے اندر آپس میں جھگڑے ہو رہے ہیں، میاں بیوی میں لڑائیاں ہو رہی ہیں، بھائی بھائی کا دشمن بنا ہوا ہے، باپ بیٹے کا دشمن بنا ہوا ہے، بیٹا باپ کا دشمن بنا ہوا ہے اور ان کی باتوں میں جادو کا سا اثر ہے، اس لیے ان کی باتوں کو سننا ہی نہیں۔ اس طرح نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق غلط باتیں کہہ کر اس کا دماغ خراب کر دیتے تھے؛ تاکہ وہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کی باتیں سنے ہی نہیں کہ سنے تو پھر ماننے کی نوبت آوے۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا مذکورہ پروپیگنڈا سے متأثر ہونا

یہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالی عنہ جب آئے تو مکہ والوں نے ان کے بھی خوب کان بھرے، خوب ڈرایا کہ ہمارے یہاں ایک آدمی اس طرح کے ہیں، دیکھنا! ان کی باتوں میں بڑا جادو کا سا اثر ہے، اس لیے ان کی باتیں مت سننا۔ ان کی باتیں سن کے وہ ایسے ڈر گئے کہ دونوں کانوں میں روئی ڈال دی کہ بھولے سے بھی، بے خبری میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات ان کے کان میں نہ پڑے، کانوں میں روئی ڈالے آتے جاتے تھے، اس لیے لوگوں نے ان کا نام رکھا تھا: ذو القطنتين، یعنی روئی والے کہ کانوں میں روئی ڈال رکھی تھی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو تو کچھ اور ہی منظور تھا، ان کی ہدایت منظور تھی، ایک مرتبہ وہ کعبۃ اللہ کے پاس صحن میں بیٹھے ہوئے تھے اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھ رہے تھے اور نماز میں قرآن کی تلاوت کر رہے تھے، چوں کہ قریب تھے، اس لیے کانوں میں روئی ہونے کے باوجود تلاوت کی آواز ان کے کانوں میں پہنچی، ان کو یہ اچھا لگا، مضمون بھی معقول لگا تو وہ سوچنے لگے اور دل ہی دل میں ملامت کرتے ہوئے اپنے آپ کو کہنے لگے کہ طفیل! تو بھی عجیب آدمی ہے، تیرا قبیلہ تو تجھے بڑا سمجھ دار، عقل مند سمجھتا ہے اور تو شاعر بھی ہے، ان لوگوں کی باتوں میں آ کر تو نے کان میں روئی ڈال دی، کون سی بات اچھی ہے اور کون سی بات بری ہے، اس کی سمجھ اللہ تبارک وتعالیٰ تجھے بھی تو دی ہے، تیرے پاس بھی تو عقل ہے، ان کی باتوں

میں آ کر تو نے کانوں میں روئی ٹھونس دی! چنانچہ انھوں نے اسی وقت روئی نکال دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سنی۔

جب حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنے قیام گاہ پر تشریف لے گئے تو پیچھے پیچھے یہ بھی گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر سارا قصہ بیان کیا کہ میں تو یہاں کئی روز سے آیا ہوا تھا لیکن یہاں والوں نے مجھے ایسا ڈرا دیا اور آپ کے متعلق ایسی غلط باتیں میرے دماغ میں ڈال دیں تو میں نے اپنے کانوں میں روئی ڈال دی تھی لیکن اللہ تبارک وتعالی کو مجھے ہدایت سے نوازنا منظور تھا، آج آپ کی زبانِ مبارک سے آپ کی نماز کے دوران جو تلاوت فرما رہے تھے، اس کو میں نے سنا اور بہت اچھا لگا تو آپ مجھے کچھ اور سنائیے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے قرآن کی کچھ اور آیتیں سنا کر ان کو اسلام کی دعوت دی، چنانچہ وہ اسی وقت ایمان لے آئے۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام کے بعد قوم کی ہدایت کے لیے کسی علامت کا مطالبہ

اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اپنے قبیلے میں جا کر ایمان کی دعوت دیتا ہوں، البتہ آپ مجھے کوئی نشانی عطا فرمائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ یا اللہ! ان کو کوئی نشانی عطا فرما دیجیے۔ اس دعا کے نتیجے میں ان کی پیشانی پر ایک نور چمکنے لگا۔ پیشانی پر جب نور چمکنے لگا تو کہنے لگے کہ اے اللہ کے

رسول! میری قوم کہیں اپنی حماقت اور بت پرستی کی وجہ سے اس کو یوں نہ سمجھے کہ ہمارے بتوں کو ماننا چھوڑ دیا، اس لیے عیب لگ گیا، سفیدی آ گئی، اس لیے آپ دعا کیجیے کہ یہ نور کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ نور ان کے کوڑے میں منتقل کر دیا۔ وہ کوڑا اب رات میں اندھیرے کے وقت چمکتا تھا۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کی اپنے قبیلے میں ایمان کی دعوت

وہ اپنے قبیلے میں گئے، لوگوں نے ان کے کوڑے کو دیکھا کہ عجیب انداز میں چمک رہا ہے، وہ اس کوڑے کو ہاتھ میں لیتے تھے اور پکڑ کر دیکھتے تھے۔ انھوں نے اسلام کی دعوت دینا شروع کیا تو صرف چار آدمی ایمان لائے: (۱، ۲) حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالی عنہ کے والدین (۳) ان کی بیوی (۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ۔ پورے قبیلے میں بہت محنت کی لیکن چار سے پانچواں کوئی ایمان نہیں لایا۔

مایوس ہو کر دوبارہ مکہ مکرمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف نہیں لے گئے تھے اور آ کر کے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! قبیلۂ دوس کے لیے بددعا کر دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے، میں نے اتنی محنت کی لیکن کوئی ایمان نہیں لاتا۔

قبیلۂ دوس کی ہدایت کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا اور اس کی قبولیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، وہ یہ سمجھے کہ بددعا

کریں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: **اللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا، وَأْتِ بِهِمْ**: اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس بھیج۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب جاؤ اور محنت کرو۔

اس کے بعد تو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالی عنہ اپنے قبیلے میں گئے اور لوگوں کو دوبارہ ایمان و اسلام کی دعوت دی، اس مرتبہ قبیلے کے اکثر خاندان ایمان لے آئے، ہجرت کو کئی سال گذر جانے کے بعد ۷ھ میں محرم کے مہینے میں خیبر جو یہودیوں کی بہت بڑی آبادی تھی اور کئی قلعوں پر مشتمل تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد سے فتح ہوا تو وہ اپنے قبیلے کے ستّر کے ستّر خاندانوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے[۱]۔

اسلام کے عظیم سپوت اور اولین حافظِ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کے مختصر احوال

اسی قافلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی والدہ حضرت اُمیمہ رضی اللہ تعالی عنہا بھی ان کے ساتھ تھیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا، بچپن

---

(۱) الاستيعاب في معرفة الأصحاب [الناشر: دار الجيل، بيروت]: ۲/۷۵۸، في ترجمة الطفيل بن عمرو الدوسي، رقم الترجمة: ۱۲۷۴.

ہی میں وہ یتیم ہو گئے تھے، ان کی ماں نے ان کی پرورش بڑی تکلیفیں اٹھا کر کے کی تھی، وہ تو اتنے سالوں سے ایمان لے آئے تھے لیکن ان کی ماں اب تک ایمان نہیں لائی تھیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ چوں کہ اپنی ماں کی بڑی خدمت کرتے تھے، اس لیے اس قافلے میں ان کو بھی اپنے ساتھ لائے تھے اور مدینہ منورہ آ کر بھی برابر ان کی خدمت میں مشغول رہے، ماں کبھی کبھار نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے الفاظ بھی بول دیتی تھی، اس سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کو بڑا دُکھ پہنچتا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کا قبولِ اسلام

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ان کی ماں نے گستاخی کے کچھ ایسے الفاظ کہہ دیے جس سے ان کو بڑی تکلیف ہوئی، دل بھر آیا، فوراً نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ دعا کر دیجیے کہ میری ماں کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اور وہ ایمان لے آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھایا اور دعا کی: **اللَّهُمَّ اهْدِ أُمَّ أَبِي هُرَيْرَةَ** کہ یا اللہ! ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔

بس یہ دعا سنی اور خوشی خوشی اپنے گھر پہنچے، گھر میں ماں اکیلی تھیں، دروازہ کھولنا چاہا تو ماں نے کہا کہ ابھی رک جاؤ، میں غسل کر رہی ہوں۔ غسل سے فارغ ہوئیں پھر دروازہ کھولا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے سامنے کلمہ پڑھ لیا، اس طرح نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی دعا قبول ہوئی اور وہ ایمان لے آئیں[1]۔

---

(۱) صحیح مسلم [الناشر: دار الجیل - بیروت]، کتاب فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ، بَابُ فَضَائِلِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، رقم الحدیث: ۶۳۹۶۔

حضرت ابو ہریرہؓ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر باش خادم

مدینہ منورہ آنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں برابر بلکہ یوں کہیے کہ چوبیس گھنٹے حاضری دینے لگے۔ حضراتِ انصار رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین تو کھیتی باڑی والے تھے، اس لیے وہ اپنی کھیتی باڑی کے کاموں میں بھی مشغول ہوتے تھے، حضراتِ مہاجرین رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین تجارت پیشہ لوگ تھے، وہ تجارت کیا کرتے تھے لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ تو رات دن نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چمٹے رہتے تھے، آپ ہی کی خدمت میں لگے رہتے تھے اور جو باتیں آپؐ ارشاد فرماتے تھے، ان کو محفوظ کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔

آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ۷ھ میں محرم میں آئے تھے اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ۱۱ھ میں ربیع الاول کے مہینے میں انتقال ہوا، چار سال وہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے لیکن ان چار سالوں میں انھوں نے اتنا حاصل کیا، اتنا حاصل کیا کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین میں سب سے زیادہ حدیثیں نقل کرنے والے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ ہی ہیں، ذخیرۂ حدیث میں پانچ ہزار سے زیادہ روایتیں ان سے منقول ہیں۔

یہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ اس روایت کو نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ يَأْخُذُ عَنِّي هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ: کون ہے جو مجھ سے ان باتوں کو سیکھے؟ حاصل کرے؟۔

دین کی باتوں کو حضراتِ صحابہؓ کے سامنے پیش کرنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک عادتِ شریفہ اور اس کی حکمت

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کا یہ بھی ایک خاص انداز تھا، چوں کہ آپؐ تو امت کی، انسانیت کی تعلیم وتربیت کے واسطے ہی بھیجے گئے تھے تو کبھی آپؐ سننے والوں کے دلوں میں دین کی بات کی قدر و قیمت اور طلب پیدا کرنے کے واسطے یوں فرمایا کرتے تھے: **أَلَا أُنَبِّئُكُمْ**: کیا میں تمھیں یہ بات نہ بتلاؤں؟، حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللّٰہ تعالی علیہم أجمعین اس کے جواب میں عرض کرتے تھے: **بَلَىٰ يَا رَسُولَ اللّٰهِ**[1]: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! ضرور بتلائیے۔

دراصل دین کی بات کو کسی کے سامنے پیش کرنے سے پہلے اس کے دل میں اس کی قدر و قیمت پیدا کرنا ضروری ہے، بغیر طلب کے اور بغیر قدر و قیمت کے جو بات کہی جاتی ہے تو سننے والوں کے دلوں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللّٰہ تعالی علیہم أجمعین کی مختلف طریقوں سے تربیت فرمایا کرتے تھے تو یہ بھی آپ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا ایک انداز تھا کہ دین کی کوئی بات بتلانے سے پہلے آپؐ اپنی طرف سے یا تو سوال کرتے تھے یا اپنی طرف سے فرمائش پیش کرتے تھے، جیسے یہاں فرمایا: **مَنْ يَأْخُذُ عَنِّي**

---

① مثلاً بخاری شریف میں ہے، دیکھیے: (صحیح البخاری، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ: عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ مِنَ الْكَبَائِرِ، رقم الحدیث: ۵۹۷۶)

هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ: کون ہے جو مجھ سے ان کلمات کو سیکھے، حاصل کرے؟۔

آب کم جو تشنگی آور بدست، تا بجوشد آب از بالا و پست

اس لیے کہ طلب ہی وہ چیز ہے جو آدمی کو دین کی بات کی قدر و قیمت اور اس پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کیا کرتی ہے، ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آب از بالا و پست

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پانی کم تلاش کرو اور اپنے اندر پیاس پیدا کرو، جب پیاس پیدا کرو گے تو اوپر اور نیچے ہر طرف سے پانی جوش مارے گا۔

جو طالب صادق ہوا کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی بڑی قدر و قیمت ہوا کرتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ طالب صادق کو کبھی محروم نہیں کرتے۔ بچے کی طبیعت میں جب دودھ کی طلب پیدا ہوتی ہے اور روتا ہے تو ماں کی چھاتیوں میں دودھ جوش مارتا ہے، اِدھر طلب پیدا ہوئی، اُدھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے انتظام ہوا، یہ قدرت کا ایک قانون ہے۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں: ؎ تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن کہ بچہ جب تک روئے گا نہیں، ماں کی چھاتی میں دودھ جوش نہیں مارے گا، اِدھر طلب پیدا ہوئی کہ اُدھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کا انتظام کیا گیا۔

حضراتِ صحابہؓ اور ان کی طلب کا نتیجہ

اس طلب کے نتیجے میں حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعين کا یہ

مزاج بنا ہوا تھا کہ وہ اپنی ذات کے متعلق چھوٹی چھوٹی چیزوں کے بارے میں بھی اس بات کو جاننے کی کوشش کرتے تھے کہ اللہ اور رسول اس سلسلے میں کیا ہدایت دیتے ہیں، کیا حکم دے رہے ہیں، ہر وقت ان کو یہ فکر لگی رہتی تھی اور ہر وقت ان کو اس بات کا خیال لگا رہتا تھا کہ کل کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، موت کے بعد جب میری پیشی ہوگی، جنت اور جہنم سامنے ہوگی تو میرے لیے کس کا فیصلہ ہوگا؟ جنت کا فیصلہ ہوگا یا جہنم کا فیصلہ ہوگا؟، گویا اپنے اوپر طاری ہونے والے حالات کی وجہ سے وہ بے چین رہتے تھے۔

یہ طلب آدمی کے اندر ایک بے چینی پیدا کرتی ہے۔ یہ پیاس کیا ہے؟ پیاس نام ہے پانی کی طلب کا، آپ کے اندر پیاس پیدا ہوئی تو گویا آپ کی طبیعت کے اندر پانی کی طلب پیدا ہوئی اور جوں جوں وہ پیاس شدّت اختیار کرے گی، وہ طلب بھی بڑھتی رہے گی۔ بھوک کیا ہے؟ کھانے کی طلب کا نام ہے، جوں جوں وہ بھوک شدّت اختیار کرے گی، کھانے کی وہ طلب بھی بڑھتی رہے گی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضراتِ صحابہؓ کی بے مثال تربیت

حضورِ اکرم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم نے جو حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللّٰہ تعالی علیہم أجمعین کی تربیت فرمائی تھی، وہ ایسی تھی کہ ہر لمحہ، ہر گھڑی ان حضرات کو یہ خیال اور یہ احساس بیدار رہتا تھا کہ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اور جواب دینا ہے، آخرت کی جواب دہی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور پیش ہونے کا استحضار ہمیشہ ان کے دلوں میں رہتا تھا۔

تو جنت اس کا ٹھکانہ ہے

جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے: ﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٤٠﴾ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿٤١﴾﴾ [النازعات] کہ: جو آدمی کل کو میدانِ حشر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے جواب دینے کے لیے کھڑا ہونا ہے، اس تصور سے ڈرا، اس کے دل میں اس کا خوف پیدا ہوا اور اس کی وجہ سے اپنے نفس کو خواہشات پر عمل کرنے سے روکا تو جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔

حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کے دلوں میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنی جامع اور کامل تربیت کے ذریعہ ایسا احساس بیدار کر دیا تھا کہ ان کے اوپر طاری ہونے والے حالات اور لمحہ بہ لمحہ بدلنے والی دل کی کیفیتوں پر بھی وہ حضرات ہمیشہ سوچا کرتے تھے کہ کہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس پر گرفت تو نہیں ہوگی! مجھے اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دینا ہے۔

حضرت حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ کو اپنے بارے میں نفاق کا شبہ

حضرت حنظلہ بن ربیع رضی اللہ تعالی عنہ صحابیٔ رسول ہیں، ان کو بڑا اونچا مقام حاصل ہے، کاتبینِ وحی میں سے ہیں۔ ایک تو حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیلِ ملائکہ، جن کو فرشتوں نے غسل دیا ہے، وہ اور ہیں اور یہ حضرت حنظلہ بن ربیع رضی اللہ تعالی عنہ اور ہیں اور بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔

ایک مرتبہ ان کے دل میں خیال آیا کہ جس وقت ہم نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی

علیہ وسلم کی بابرکت مجلس میں ہوتے ہیں، اس وقت ہمارے دلوں کی کیفیت عجیب ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور جہنم ہماری نگاہوں کے سامنے اور آخرت کا پورا استحضار ہوتا ہے اور دل دنیا کی طرف سے سرد ہو جاتا ہے لیکن جب ہم حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مجلس سے رخصت ہو کے اپنے گھر آتے ہیں، اپنے کام کاج میں، کھیتی باڑی میں، کاروبار میں لگتے ہیں، اہل وعیال میں، بال بچوں میں مشغول ہوتے ہیں تو دل کی وہ کیفیت جو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مجلسِ مبارک میں ہوا کرتی تھی، باقی نہیں رہتی، ظاہر ہمارا نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سامنے کچھ اور ہے اور اپنے گھروں میں جا کر ہم کچھ اور ہو جاتے ہیں، ہماری حالت بدل جاتی ہے، یہ نفاق نہیں تو اور کیا ہے!۔

دیکھیے! ان کی یہ سوچ ہے، ان پر ایک فکر سوار ہے، بڑے پریشان ہیں اور اسی پریشانی میں ان کی زبان پر یہ جملہ آ گیا: نَافَقَ حَنْظَلَةُ: حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ بس دوڑے ہوئے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے اس مسئلے کو پوچھنے اور اپنی پریشانی کا حل دریافت کرنے کے لیے کے لیے نکل پڑے، راستہ میں سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے ملاقات ہو گئی، ان کی کیفیت دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے پوچھا: حنظلہ! کہاں جا رہے ہو؟ کیا بات ہے؟ بڑے پریشان معلوم ہوتے ہو، کہیں عجلت میں جا رہے ہو۔ انھوں نے کہا: نَافَقَ حَنْظَلَةُ: حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے پوچھا: کیا بات ہوئی؟ یہ کیسے کہہ رہے ہو؟۔

نفاق اور منافق کی حقیقت

منافق شریعت کی ایک مخصوص اصطلاح ہے کہ جولوگ اپنے آپ کو ظاہری طور پر مسلمان ظاہر کرتے تھے لیکن حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہوتے تھے، مؤمن نہیں ہوتے تھے، بعض اپنی جان مال کو بچانے کے لیے بلکہ اندرونی طور پر اسلام کو کھوکھلا کرنے کے لیے وہ یہ روِش اپنائے ہوئے تھے، یہ ایک مستقل فرقہ اور بڑی خطرناک قسم ہے جس کے متعلق قرآن میں ہے: ﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [النساء:۱۴۵] فرمایا کہ: منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ علماء جہاں کفر کی قسمیں بیان کرتے ہیں تو وہاں نفاق کو بھی ایک قسم شمار کرتے ہیں: کفرِ نفاق یعنی نفاق والا کفر۔ تو بہر حال! نفاق یہی ہے کہ ظاہر میں کچھ ہو، ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان بتلا رہا ہو اور اندر ایمان نہیں ہے۔

حضرت حنظلہؓ اور حضرت صدیقِ اکبرؓ کی اصلاحِ نفس کی فکر

تو انھوں نے کہا: نَافَقَ حَنْظَلَةُ: حنظلہ تو منافق ہو گیا تو حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ ایسا کیوں آپ کہہ رہے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ: بھائی! دیکھو! جب ہم نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مبارک مجلس میں موجود ہوتے ہیں تو اس وقت آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کچھ فرما رہے ہوتے ہیں تو ہماری کیفیت ایسی ہوتی ہے، جیسے کہ جنت اور جہنم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو اور اولاد کی طرف سے، جائیداد کی طرف سے، مال ومتاع کی طرف سے ہمارے دل متنفر ہو جاتے ہیں، اس

وقت ہماری کیفیت کچھ اور ہوتی ہے لیکن جب ہم مجلسِ نبوی سے رخصت ہو کے اپنے گھر آتے ہیں، اپنے کام کاج میں، کھیتی باڑی میں، بال بچوں میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ کیفیت جو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مجلسِ مبارک میں ہوا کرتی تھی، وہ باقی نہیں رہتی، ہمارا ظاہر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سامنے کچھ اور ہے اور اپنے گھروں میں جا کر ہم کچھ اور ہو جاتے ہیں، یہ نفاق نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ فرمانے لگے کہ: بھائی! یہ تو ہماری بھی کیفیت ہے، میرا بھی یہی معاملہ ہے، آپ جو کہہ رہے ہیں: نَافَقَ حَنْظَلَةُ تو مجھے اب تو اپنے ایمان کا فکر لاحق ہو گیا، جو تمھاری مشکل ہے، وہی ہماری مشکل ہے، مجھے بھی تمھارے ساتھ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں چلنا چاہیے۔

دل کی حالت بدلتی رہتی ہے

چنانچہ حضرت حنظلہ بن ربیع رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئے اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سامنے اپنا حال بیان کیا تو آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً کہ بھائی! وقت وقت اور گھڑی گھڑی کی بات ہے۔

دل کو قلب کہنے کی وجہ

یہ آدمی کا جو دل ہے نا، اس کے لیے عربی زبان میں قلب کا لفظ استعمال ہوتا

ہے،وَسُمِّيَ الْقَلْبُ قَلْبًا لِتَقَلُّبِهِ فِي الْأُمُورِ ①: قلب کا معنیٰ ہے الٹنا، پلٹنا، دل کی کیفیت اور حالت بدلتی رہتی ہے، دل ایک حالت پر کبھی باقی نہیں رہتا، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جب قسم کھاتے تھے تو کبھی فرماتے تھے: وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ: قسم ہے اس ذات کی جو دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والی ہے ②۔

انسان کو اپنی اچھی حالت پر غرور نہیں ہونا چاہیے

اور اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ، حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیهم أجمعین عرض کرتے تھے کہ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ آمَنَّا بِكَ وَبِمَاجِئْتَ بِهِ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا؟: اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر اور آپ کی لائی ہوئی باتوں پر ایمان لے آئے، پھر بھی آپ کو ہم پر اندیشہ ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نَعَمْ، إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ: ہاں! کیوں کہ انسانوں کے دل اللہ تبارک وتعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہیں، اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتے ہیں، اس کو اُلٹ پُلٹ کرتے رہتے ہیں ③۔ اس لیے

---

① فتح الباري شرح صحيح البخاري [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۱۲۸/۱، بَابُ فَضْلِ مَنِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ.

② صحيح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللّٰه تعالی عنهما، بَابٌ: كَيْفَ كَانَتْ يَمِينُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم الحديث: ۶۶۲۸.

③ سنن الترمذی، عَنْ أَنَسٍ رضی اللّٰه تعالی عنه، بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أُصْبُعَيِ الرَّحْمَنِ، رقم الحديث: ۲۱۴۰.

آدمی اس دھوکے میں نہ رہے کہ میں بہت اچھی حالت میں ہوں، کب حالت کیسے بدل سکتی ہے، کچھ گارنٹی نہیں دی جاسکتی۔

تو فرشتے راستوں میں تم سے مصافحہ کرنے لگیں

بہر حال! نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اطمینان دلایا اور فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ تَدُومُونَ عَلَى مَا تَكُونُونَ عِنْدِي وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَى فُرُشِكُمْ وَفِي طُرُقِكُمْ کہ معاملہ ویسا ہی رہے جو یہاں رہتا ہے اور میری مجلس میں تمہاری جو کیفیت ہوتی ہے، وہی کیفیت یہاں سے جانے کے بعد بھی باقی رہے تو فرشتے تم سے راستوں میں ملاقات اور مصافحہ کریں گے[۱]۔

انسان کی دلی کیفیت دنیا سے آخرت اور آخرت سے دنیا کی طرف کا بدلتے رہنا ضروری ہے

ہر وقت آدمی کی حالت یکساں نہیں رہا کرتی، اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، کبھی یہ حال رہتا ہے، کبھی وہ حال رہتا ہے اور یہ ضروری بھی ہے، اس لیے کہ اگر ایسا نہ ہو تو آدمی اپنے گھر والوں کے حقوق ادا نہیں کرسکتا، حالاں کہ گھر جا کر اسے اپنے بیوی بچوں کا خیال بھی رکھنا ہے، ان کے حقوق بھی ادا کرنا ہے، کاروبار بھی کرنا ہے۔

---

[۱] صحیح مسلم، عَنْ حَنْظَلَةَ الأُسَيِّدِيِّ رضی اللہ تعالی عنہ، باب فَضْلِ دَوَامِ الذِّكْرِ وَالْفِكْرِ فِي أُمُورِ الآخِرَةِ وَالْمُرَاقَبَةِ وَجَوَازِ تَرْكِ ذَلِكَ فِي بَعْضِ الأَوْقَاتِ وَالاشْتِغَالِ بِالدُّنْيَا۔

ارے بھائی! جب ہم گھر جائیں اور وہاں جا کر بھی ہماری نگاہیں عرش و کرسی پر ہی رہیں اور ہمارا دل اسی میں مشغول ہو تو اس بے چاری کو کون سلام کرے گا؟ ان بچوں کا حال کون پوچھے گا؟ ان کی خیریت کون دریافت کرے گا، یہ کھیتی باڑی کون کرے گا؟ یہ دکان داری کون کرے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ بھی منظور ہے کہ بیوی بچوں کے حقوق بھی ادا کیے جائیں، دکانیں بھی چلتی رہیں، جب تک کائنات چلتی رہے گی، یہ سارا سلسلہ جاری رہے گا۔ اب اگر وہی ایک بات رہے جو تم کہتے ہو اور وہی ایک کیفیت باقی رہے تو پھر یہ سلسلہ باقی نہیں رہ سکتا تو یہ قدرت کا ایک نظام ہے کہ آدمی کے دل کی کیفیت میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔

بزرگوں کے احوال مختلف اوقات میں مختلف ہوتے ہیں

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستاں میں واقعہ لکھا ہے کہ ملک مغرب کے رہنے والے ایک بزرگ ایک مرتبہ بغداد آئے اور وہاں جامع مسجد میں وضو کر رہے تھے، ان کا پاؤں پھسلا اور حوض میں گر گئے، بس جان جانے میں تھوڑی سی کسر رہ گئی، بڑی مشکل سے لوگوں نے ان کو باہر نکالا، جب باہر نکالے گئے تو ان کے کسی مرید نے کہا کہ حضرت! ایک بات سمجھ میں نہیں آتی، پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو کہا کہ ایک مرتبہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنے ملک مغرب میں دریا کے اوپر چلے، پانی کے اوپر سے چل کر آپ نے پورا دریا پار کر لیا اور اس دوران آپ کے پاؤں بھی نہ بھیگے اور آج یہ تھوڑا سا پانی تھا اور اس میں جان جانے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی تو کیا بات ہے، اس

کی کیا وجہ ہے؟۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ بزرگ تھوڑی دیر سر جھکائے رہے اور پھر بعد میں انھوں نے کہا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لِي مَعَ اللهِ وَقْتٌ لا يَسَعُ فِيهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ، وَلا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ [۱] کہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ میری ایک گھڑی، ایک وقت وہ بھی ہوتا ہے کہ اس وقت میں کسی مقرب فرشتے اور کسی نبی کو بھی پر مارنے کی گنجائش نہیں ہوتی اور دوسرا وقت وہ ہوتا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امہات المؤمنین، ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالی علیہن، حضرتِ عائشہ اور حضرتِ حفصہ رضی اللہ تعالی عنہما کے ساتھ باتوں میں مشغول ہوتے ہیں، کہاں وہ کیفیت اور کہاں یہ کیفیت!۔

حضرت یعقوبؑ کا واقعہ شیخ سعدیؒ کے اشعار کی روشنی میں

اور پھر شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے چند بڑے عجیب وغریب اشعار ذکر کیے، وہ اصل میں سنانا چاہتا ہوں:

---

(۱) حديث: لِي مَعَ اللهِ وَقْتٌ لا يَسَعُ فِيهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ، وَلا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ، يذكره المتصوفة كثيرا، وهو في رسالة القشيري لكن بلفظ: لي وقت لا يسعني فيه غير ربي، ويشبه أن يكون معنى ما للترمذي في الشمائل، ولابن راهويه في مسنده، عن علي في حديث طويل: كان صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا أتى منزله جزأ دخوله ثلاثة أجزاء: جزءا لله تعالى، وجزءا لأهله، وجزءا لنفسه، ثم جزأ جزأه بينه وبين الناس.(المقاصد الحسنة [الناشر: دار الكتاب العرب] ص:۵۲۵، رقم الحديث:۹۲۶)

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند	❁	کہ اے روشن گہر پیرِ خردمند
زمصرش بوئے پیراہن شنیدی	❁	چرا در چاہِ کنعانش ندیدی
بگفت احوالِ ما برقِ جہان ست	❁	دمے پیدا و دیگر دم نہان ست
گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم	❁	گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند: ایک آدمی نے ان حضرت سے یعنی حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے کہ جن کے بیٹے حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام گم ہو گئے تھے، پوچھا کہ اے روشن گہر پیرِ خردمند کہ اے روشن ضمیر اور عقل مند بڑے میاں! ایک بات سمجھ میں نہیں آئی:

زمصرش بوئے پیراہن شنیدی	❁	چرا در چاہِ کنعانش ندیدی

آپ کو معلوم ہے کہ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو جب وہ چھوٹے تھے تو ان کے بھائی اپنے والد صاحب حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے اجازت لے کر کے اپنے ساتھ بکریاں چرانے کے لیے لے گئے تھے کہ وہاں ہمارے ساتھ کھیلیں گے تو ان کا جی خوش ہوگا، حالاں کہ انھوں نے پہلے سے ایک پلان بنا رکھا تھا اور اسی کے مطابق جب لے گئے تو وہاں ان کو کنویں میں ڈال دیا اور اس کے بعد شام کو واپس آ کر ابّا سے یوں کہتے ہیں کہ یوسف کو تو بھیڑیا کھا گیا، ان کا پھٹا ہوا خون آلود کرتہ بھی ان کے سامنے پیش کیا۔ حالاں کہ جس شہر میں حضرت یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام رہتے تھے، اسی کے جنگل میں، اسی کے کھیت میں وہ کنواں تھا، اسی میں ڈالے گئے تھے لیکن ان کو اس وقت اس کا پتہ نہیں چلا۔

اور دوسرا موقع وہ تھا کہ جب اخیر میں حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ بیٹو! جاؤنا، یوسف اور اس کے بھائی کی کچھ خبر نکالو، ﴿يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ ﴾[یوسف:۸۷]۔ چنانچہ وہ گئے اور ان کو پتہ مل گیا کہ وہی شخصیت جو مصر کے تخت پر براجمان تھی اور جو وزیر خزانہ ووزیر غذائیات تھے، پتہ چل گیا کہ یہی حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام ہیں۔

تو حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ ﴾[یوسف:۹۳] کہ میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور ابّا کے چہرے پر ڈال دینا، ان کی بینائی جو میری فرقت کے غم کی وجہ سے رو رو کر ختم ہوگئی ہے، لوٹ آئے گی۔

قرآن ہی میں ہے کہ جب وہ اس کرتے کو لے کر چلے، ابھی تو وہاں سے چلے تھے اور وہاں سے ان کا یہ شہر کنعان تو بہت دور ہے، پھر بھی حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے یہاں لوگوں سے کہنا شروع کیا:﴿اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ۝۹۴﴾[یوسف] کہ: مجھے تو اپنے بیٹے یوسف کی خوشبو آرہی ہے، اگر تم مجھے سٹھیایا ہوا نہ سمجھو یعنی تم یہ نہ کہنے لگو کہ بڑھاپے کے اندر بڑے میاں کی عقل ماری گئی ہے۔

تو کسی نے پوچھا کہ حضرت! حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کے کرتے کی خوشبو، جب اس کو مصر سے لے کر چلے تو آپ نے محسوس کرلی اور جب بھائیوں نے ان

کو کنعان کے، آپ ہی کے شہر کے کنویں میں ڈال دیا تھا تو آپ کو اس کا پتہ بھی نہیں چلا؟ تو حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے یہی تو فرمایا تھا: ؎

بگفت احوالِ ما برقِ جہان ست	❁	دمے پیدا و دیگر دم نہان ست

کہ ہمارے احوال تو چمکنے والی، کوندنے والی بجلی کی طرح ہیں کہ کبھی تو نمایاں ہو کر چمکتی ہے۔ بارش کے زمانے میں اندھیری رات میں کبھی بجلی چمکتی ہے تو پوری دنیا اور فضا ایسی روشن ہو جاتی ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیز نظر آنے لگتی ہے لیکن اس کا یہ کوندنا اور چمک ایک لمحے کے لیے ہوتا ہے، اس کے بعد ایسا گھپ اندھیرا چھا جاتا ہے کہ آدمی کو اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا۔

تو فرمایا: ؎

بگفت احوالِ ما برقِ جہان ست	❁	دمے پیدا و دیگر دم نہان ست

ہمارے حالات تو اسی کوندنے والی بجلی کی طرح ہیں اور اس بجلی کا حال تو ایسا ہے کہ کبھی چمکتی ہے اور کبھی چھپی رہتی ہے۔

اور اس کے بعد فرمایا:

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم	❁	گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

کبھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو ہم **ملأِ اعلیٰ** تک پہنچ جاتے ہیں، اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت پر کیا چیز ہے، اس کا پتہ بھی نہیں چلتا، یہ تو اللہ تعالیٰ کا نظام ہے۔

آگے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اگر سالک بر حالے بماندے		سرِ دست از دو عالم بر فشاندے

کہ: اگر اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والا اور اللہ تعالیٰ کے راستے کے سلوک کو طے کرنے والا آدمی ایک ہی حالت پر رہتا تو دونوں جہان سے ہاتھ دھو دیتا لیکن ایسا نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی حالت بدلتے رہتے ہیں۔

الغرض! حضرت حنظلہ رضی اللّٰہ تعالی عنہ کو جو یہ خیال آیا کہ دل کی یہ کیفیت کیوں ہے؟ اور بے چین ہو گئے۔ کیوں؟ کیوں کہ نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی جو تربیت فرمائی تھی اور ان کے دلوں میں آخرت کا جو فکر پیدا کیا تھا، یہ اس کا نتیجہ ہے۔

ہمارے اوپر تو پتہ نہیں کیا کیا آتا ہے اور گذر جاتا ہے اور یہ احساسات اور حالات تو اپنی جگہ! ہم کیسے کیسے اعمال سے گذر جاتے ہیں تو بھی بھولے سے خیال نہیں آتا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

حضرت عمرؓ کے کچھ فضائل ومناقب

سیدنا حضرت عمر رضی اللّٰہ تعالی عنہ جن کو نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت سنائی تھی اور جن کے بارے میں نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے [۱]۔ بلکہ ایک اور قدم آگے روایتوں میں ہے، بخاری شریف کی روایت

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللّٰہ تعالی عنہ، باب فِي مَنَاقِبِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: ۳۶۸۶.

ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر! تم جس گلی سے گذرتے ہو، شیطان بھی اپنا راستہ چھوڑ دیتا ہے①۔

امام بخاری نے جہاں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہنسنے اور تبسم فرمانے کا تذکرہ کیا ہے: بَابُ التَّبَسُّمِ وَالضَّحِكِ، وہاں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ ویسے ان کی عادت تو یہ ہے کہ کوئی باب لاتے ہیں تو ایک دو روایت پر اس کو ختم کر دیتے ہیں لیکن اس باب میں انھوں نے بہت ساری روایتیں ڈیڑھ دو صفحے تک بیان کی ہیں، اس میں ایک واقعہ بیان کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امہات المؤمنین کے مطالبات

وہ واقعہ یہ ہے کہ کہ ایک مرتبہ ازواجِ مطہرات، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیبیاں، حضراتِ امہات المؤمنین رضوان اللہ تعالی علیھن نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو گھیرے ہوئے بیٹھی تھیں اور اپنے مطالبات پیش کر رہی تھیں، بیویوں کے پاس شوہروں سے کچھ مطالبات ہوتے ہی ہیں تو مطالبوں کا دور چل رہا تھا اور اس میں ان کی آوازیں بھی بلند ہو رہی تھیں، یہ سلسلہ جاری تھا کہ اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی غرض سے آئے، ان کو معلوم نہیں تھا کہ اندر کیا گفتگو اور کیا سلسلہ جاری ہے؛ کیوں کہ کوئی آدمی باہر سے

---

① صحیح البخاری، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رضی اللہ تعالی عنہ، كِتَابُ الأَدَبِ، بَابُ التَّبَسُّمِ وَالضَّحِكِ، رقم الحدیث: ۳۶۸۳.

آئے گا تو اندر میاں بیوی میں کیا بات چل رہی ہے، وہ اس کو کیا معلوم؟ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے گھر کے دروازے پر پہنچ کر سلام کر کے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے گھر کے اندر آنے کی اجازت چاہی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رعب و ہیبت کا عالم

بخاری ہی کی روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی آواز سنی کہ وہ اندر آنے کے لیے اجازت مانگ رہے ہیں تو حضراتِ امہات المؤمنین رضوان اللہ تعالی علیھن ایک دم سے اندر کی طرف بھاگ کھڑی ہوئیں اور پردے کے پیچھے ہو گئیں، حالاں کہ ابھی تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت بھی نہیں دی تھی، ظاہر کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت نہ ملتی، وہ اندر نہیں آسکتے تھے، کھلی ہوئی بات تھی لیکن اس کے باوجود ان کی ہیبت ایسی تھی کہ ان کی آواز سنتے ہی وہ سب اندر چلی گئیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یہ منظر دیکھ کر مسکرائے، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو اندر آنے کی اجازت دی۔ جس وقت وہ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا رہے ہیں، ہنس رہے ہیں۔ اب کوئی آدمی جب کسی کو ہنستے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ ہنسنے کا سبب بھی پوچھتا ہے، اگر وہ سبب اس کے سامنے پایا نہیں گیا، اگر پایا گیا تب تو وہ دیکھ رہا ہے کہ اس کی وجہ سے ہنس رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے ہنسنے کا سبب دریافت کیا۔

وہ آئے جب تو عظمت بڑھ گئی دنیا میں انسان کی

لیکن اس کا بھی ایک ادب ہے۔ اسلام نے ہمیں ایسے عجیب وغریب آداب سکھلائے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعلیمات پر قربان جایئے! حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے پہلے تو دعا دی: أَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ: اے اللہ کے رسول! اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اور ہنسائے، مَا يُضْحِكُكَ؟: آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ دیکھئے! ہمیں ایک ادب سکھلایا گیا کہ اگر کوئی آدمی ہنس رہا ہو اور ہم اس سے اس کے ہنسنے کی وجہ دریافت کرنا چاہتے ہیں تو آپ پہلے اس کو دعا دیجیے کہ اللہ آپ کو اور ہنسائے! اللہ ایسے مواقع بار بار عطا فرمائے کہ آپ مسکراتے رہیں، ہنستے رہیں دیکھو! کتنی عجیب وغریب تعلیم ہے!۔

قوّتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے- پردے کی طرف اشارہ کر کے جہاں حضراتِ امہات المؤمنین رضوان اللہ تعالی علیہن موجود تھیں- ارشاد فرمایا کہ مجھے ان پر تعجب ہوتا ہے کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے، آپ کی آواز سننے سے پہلے مجھ سے بلند آواز سے بات چیت کر رہی تھیں اور اپنے مطالبات پیش کر رہی تھیں اور جہاں تمھاری آواز سنی، بھاگ کر کے اندر چلی گئیں۔ اس پر مجھے ہنسی آ رہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے جب یہ سنا تو تعجب ہوا اور بایں معنی ناگواری ہوئی کہ خود نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات اس لائق تھی کہ آپ کا ادب کیا جاتا، آپ سے ڈرا جاتا

اور آپ کے سامنے اس طرح بلند آواز سے گفتگو نہ کی جاتی ۔ میں کیا ہوں! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے حق دار تھے کہ آپ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا۔ ان کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوا اور میری آواز سن کر پیچھے کی طرف بھاگ کھڑی ہوئیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے پردے کی طرف اشارہ کر کے جہاں حضراتِ امہات المؤمنین تھیں۔فرمایا: يَا عَدُوَّاتِ أَنْفُسِهِنَّ، أَتَهَبْنَنِي وَلَمْ تَهَبْنَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟: اے اپنی ذات کی دشمنو! تم مجھ سے ڈرتی ہو اور اللہ کے رسول سے نہیں ڈرتیں؟۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا ہی حق ہے

حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ہی کا حق ہے کہ حضراتِ امہات المؤمنین رضوان اللہ تعالی علیہن کو ان الفاظ کے ساتھ پکاریں یعنی يَا عَدُوَّاتِ أَنْفُسِهِنَّ: اے اپنی ذات کی دشمنو! تم مجھ سے ڈرتی ہو اور اللہ کے رسول سے نہیں ڈرتیں؟۔ یہاں بھی وہی بات کہ حضراتِ امہات المؤمنین رضوان اللہ تعالی علیہن کو ان الفاظ کے ساتھ خطاب کرنا یہ حضرت عمر کے لیے تو ٹھیک ہے، ورنہ خدانخواستہ حضراتِ امہات المؤمنین رضوان اللہ تعالی علیہن کے حق میں دوسرا کوئی ایسے الفاظ کہے گا تو مفتی لوگ اس کے بارے میں کیسا سخت حکم جاری کریں گے!۔

بہر حال! حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان سے کہا کہ تم مجھ سے ڈرتی ہو اور اللہ کے رسول سے نہیں ڈرتیں؟ تو اس پر اندر سے حضراتِ امہات المؤمنین رضوان اللہ تعالی علیہن نے جواب میں فرمایا: نَعَمْ أَنْتَ أَفَظُّ وَأَغْلَظُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلى

اللہ علیہ وسلم: آپ تو بڑے سخت اور اکھڑ قسم کے آدمی ہیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو بڑے نرم مزاج اور خوش خلق آدمی ہیں۔

بارگاہِ رسالت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دل جوئی

ظاہر ہے، یہ ایک ایسا جواب تھا جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں دیا جانا چاہیے تھا؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دل جوئی فرمائی۔ جیسے ہمارے گھر کوئی مہمان آیا ہوا ہو اور ہمارے گھر کے کسی آدمی کی طرف سے اس کے ساتھ اس قسم کی بات ہو جائے تو بڑا آدمی اس کو سنبھالنے کی کوشش کرتا ہے۔

اسی طرح اس موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دل جوئی کرتے ہوئے فرمایا: إِيهًا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ: اے خطاب کے بیٹے! اور کہو، کیا کہتے ہو؟ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ: آپ کا حال تو یہ ہے کہ آپ جس راستے سے گذرتے ہیں، شیطان بھی اپنا راستہ بدل لیتا ہے یعنی جب آپ کے رعب کا یہ حال ہے کہ شیطان جیسا شیطان جو کسی کی رو، رعایت کرتا نہیں ہے، وہ بھی آپ سے ڈرتا ہے تو بھلا یہ عورتیں کیوں نہیں ڈریں گی!۔

بہر حال! میں تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام وہ بتلایا کہ وہ جس گلی سے جاتے ہیں، اگر شیطان آرہا ہو تو وہ بھی آپ کے ڈر کی وجہ سے اپنا راستہ بدل لیتا ہے، شیطان بھی ان سے اتنا

ڈرتا تھا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ جن کو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منہ درمنہ، بالمشافہہ جنت کی بشارت سنائی، جن کے متعلق یہ فرمایا کہ: لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رازدار صحابی حضرت حذیفہؓ

ان حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا کیا حال تھا؟ روایتوں میں آتا ہے، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالی عنہ جو صاحب سرّ الرسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے رازدار سمجھے جاتے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان کو منافقین کے نام کی فہرست بتلادی تھی کہ فلاں فلاں حضرات منافقین ہیں، کسی اور کو یہ بات معلوم نہیں تھی؛ اس لیے ان کو صاحب سرّ الرسول کہا جاتا ہے یعنی حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بھیدی یعنی حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے انھیں راز اور بھید کی بات بتلائی تھی۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی نمازِ جنازہ پڑھانے پر حضرت عمرؓ کا اشکال اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب

غزوۂ تبوک کے بعد عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین، جو منافقین کا سردار تھا، اس کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ جو مخلص مؤمن تھے، وہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے باپ کا انتقال ہوگیا، آپ ان کے جنازے کی نماز پڑھائیں اور اپنا

کرتہ ان کے کفن کے لیے عنایت فرمائیں، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ بھی عنایت فرمایا اور جنازے کی نماز پڑھانے کے لیے بھی تشریف لے گئے۔

جنازہ لایا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازے کی نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھے اور ابھی تو نیت باندھ ہی رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے چھلانگ لگا کر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرتہ پکڑلیا اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! آپ اس کی جنازے کی نماز پڑھاتے ہیں!، اس نے آپ کے بارے میں فلاں دن یوں کہا، فلاں دن یوں کہا، پوری زندگی اس نے جو کارنامے انجام دیے تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ایک ایک کر کے گنوار ہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسکرا رہے ہیں، اخیر میں کہا: ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْلَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ﴾ [التوبة:۸۰]: باری تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں، ۷۰ ؍مرتبہ بھی آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کریں گے تو بھی اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے منع تو نہیں فرمایا نا؟ مجھے اختیار دیا ہے کہ دعائے مغفرت کریں کہ نہ کریں، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ۷۰ ؍مرتبہ سے زیادہ دعائے مغفرت کرنے سے اس کی مغفرت ہوجائے گی تو وہ بھی میں کرتا، آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔

قرآن میں منافقین کی نماز پڑھانے کے حکمِ امتناعی کا نزول

خیر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنازے کی نماز پڑھائی لیکن ابھی آپ وہاں سے ہٹے بھی نہیں تھے، وہیں کھڑے ہیں اور وحی نازل ہوئی: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ [التوبة:۸۴]: اے نبی! ان منافقین میں سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو آپ آئندہ ان کی جنازے کی نماز نہ پڑھائیں اور ان کی قبر پر بھی نہ جائیں؛ کیوں کہ انھوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور اسی کفر کی حالت میں یہ لوگ مرے ہیں [1]۔

تحویل قبلہ کی آیت کے نزول کا واقعہ

یہ وحی کا معاملہ بھی عجیب ہے، بس موقع ہونا چاہیے، کہیں کھڑے ہیں، کبھی نماز کا سلام پھیرا اور وحی شروع ہوگئی۔ تحویل قبلہ کی آیت کب نازل ہوئی؟ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی نماز پڑھا رہے ہیں، تیسری رکعت کے رکوع میں ہیں کہ تحویل قبلہ کی آیت نازل ہوئی اور نماز کی حالت ہی میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبلہ بدلا [2]۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر [الناشر: دار الكتب العلمية، منشورات محمد علي بيضون - بيروت]: ۱۷۰/۴۔

(۲) تفسير القرطبي [الناشر: دار الكتب المصرية - القاهرة]: ۱۴۸/۲، في تفسير قوله تعالى: "تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ" الآية [البقرة: ۱۴۱]۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روح کے متعلق یہودیوں کا سوال اور جواب میں وحی کا نزول

بخاری شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں کسی کھیت میں تشریف لے جارہے تھے اور چند یہودی گذر رہے تھے، ان کو شرارت سوجھی، وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے تو کسی نہ کسی شرارت کا ارتکاب کرتے تھے، انھوں نے آپس میں کہا کہ چلو ان سے کچھ پوچھیں، وہ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا پتہ چلے، بعض یہودیوں نے کہا کہ کیوں پوچھ کر خواہ مخواہ شرمندہ ہونا چاہتے ہو، تمھیں معلوم تو ہے کہ یہ اللہ کے نبی ہیں، تمھاری بات کا جواب دے دیں گے لیکن دوسرے بعض نہیں مانے اور کہا کہ روح کے متعلق پوچھ ہی لیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ اس واقعے کے راوی ہیں، بخاری شریف کے اندر واقعہ موجود ہے بہر حال! انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کر ہی لیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کھجور کی ایک لکڑی تھی، آپ اس پر ٹیک لگائے کھڑے ہیں اور اسی حالت میں وحی نازل ہوئی: ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [الإسراء]، اسی حالت میں وحی نازل ہوئی[1]۔

---

(۱) صحيح البخاري، كِتَابُ العِلْمِ، بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: {وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ العِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا} [الإسراء: ۸۵]، رقم الحديث: ۱۲۵.

میں تو یہ بتلانا چاہتا ہوں کے وحی کے نزول کے عجیب عجیب واقعات ہیں، بس موقع ہوا کہ وحی کسی بھی حالت میں نازل ہونی شروع ہو جاتی تھی۔

بات یہ چل رہی تھی کہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن اُبی کی نمازِ جنازہ پڑھا کر فارغ ہوئے تو آیتِ کریمہ ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ [التوبۃ:۸۴] نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے روک دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نفاق پر مرنے والوں کے نام بتادیے تھے

اس وحی کے نزول کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان تمام منافقین کے ناموں سے آگاہ فرما دیا تھا جن کی موت نفاق پر ہونے والی تھی۔ دیکھو! ہم احادیث میں منافقین کے قصے پڑھتے ہیں لیکن منافقین کی بڑی تعداد تو وہ تھی جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے موت سے پہلے توبہ کی توفیق عطا فرمائی تھی، اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی، کچھ ہی ہیں جن کی موت نفاق پر ہوئی تھی۔ الغرض! جن کی موت نفاق پر ہونے والی تھی، ان کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ بتادیا تھا اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے نام حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کو بتادیے تھے، حضرت حذیفہؓ کے علاوہ کسی کو بتائے نہیں تھے، اسی لیے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالی عنہ کو صاحب سِرّ الرسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کہا جاتا تھا: نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رازدار یعنی

بھید کی جو بات کسی اور کو نہیں بتلائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتلائی۔

مرنے والے کے منافق ہونے نہ ہونے کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا فاروقی طریقہ

اب جب تک حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حیات تھے تو آپ کے نماز نہ پڑھانے سے لوگوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ یہ منافق ہے لیکن آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیسے پتہ چلے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کو معلوم کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا کہ آپ فرماتے کہ جا کر دیکھو! اس جنازے میں حذیفہ شریک ہیں یا نہیں؟ اگر شریک ہوتے تو فرماتے کہ مرنے والا منافق نہیں ہے اور آپؓ بھی جنازے میں شریک ہوتے اور اگر نہیں ہیں تو سمجھ جاتے کہ ضرور کچھ بات ہے اور آپؓ شریک نہ ہوتے۔

حضرت عمرؓ کا اپنی ذات کے بارے میں حضرت حذیفہؓ سے سوال

میں جو بات سنانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا: اے حذیفہ! تم کو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے منافقین کے نام بتلائے ہیں، ذرا بتلا دو کہ ان میں عمر بن خطاب کا نام تو نہیں ہے؟[1]

---

(۱) وَرَوَيْنَا عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّه قَالَ لِحُذَيْفَةَ: أَقْسَمْتُ عَلَيْكَ بِاللهِ أَنَا مِنْهُمْ؟ قَالَ لَا. (البداية والنهاية [الناشر: دار إحياء التراث العربي]:) ۲۵/۵.

وہ کیا نظر تھی، جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

دیکھئے! جس حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منہ درمنہ، بالمشافہہ جنت کی بشارت سنائی، جن کا مقام وہ بتلایا کہ وہ جس گلی سے جاتے ہیں، اگر شیطان آرہا ہو تو وہ بھی آپ کے ڈر کی وجہ سے اپنا راستہ بدل لیتا ہے، شیطان بھی ان سے اتنا ڈرتا تھا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ جن کے متعلق یہ فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے، ان کو اپنے متعلق یہ ڈر ہے۔ یہ تربیت تھی نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔

اور ایک ہم ہیں، ہمارا حال کیا ہے؟ کوئی آدمی ہمیں آکر کہہ دے کہ حضرت! آج تو میں نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ جنت میں تخت کے اوپر بیٹھے ہیں تو پھر کیا کہنے!، بس!، میں طے کرلوں گا کہ میں جنتی ہوگیا، گویا اپنے متعلق وحی نازل ہوگئی۔ کہیں دو چار رکعت زیادہ نماز پڑھ لیتے ہیں تو کہاں کہاں چھلانگیں لگانے لگتے ہیں اور یہ وہ حضرات ہیں جن کو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے دنیا ہی میں جنت کی بشارت سنادی تھی، وہ اپنی ذات کے اوپر مطمئن نہیں ہیں اور وہ اپنے متعلق یہ ڈر محسوس کررہے ہیں کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہوگیا! کہیں میرا نام تو منافقین کی فہرست میں نہیں!۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی تمنا

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ جن کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا

عقیدہ ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کی مقدس جماعت کے بعد انسانوں میں سب سے افضل ہیں، وہ کیا فرماتے ہیں، فرماتے ہیں: **ليتني كنت شجرة تعضد ثم تؤكل**: کاش کہ میں گھاس کا کوئی تنکا ہوتا جس کو کوئی جانور کھا جاتا، حساب کتاب کی نوبت ہی نہ آتی ①۔

یہ اتنے بڑے صحابی ہیں کہ جن کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت سنا دی گئی اور ان کا یہ حال ہے اور ہمارا حال دیکھو کہ ہم کیسے بے فکر گھومتے پھرتے ہیں، آخرت اور موت کے بعد کی زندگی کا کوئی خیال ہی نہیں۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کی تربیت اس انداز سے فرماتے تھے کہ ان کے اندر فکر پیدا ہو، دین کی طلب پیدا ہو۔

طلب علم پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگیخت

حضرت ابوہریرہ کی رضی اللہ تعالی عنہ جو یہ روایت کر رہے ہیں، ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: **مَنْ يَأْخُذُ عَنِّي هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ أَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ؟** : کون ہے جو مجھ سے ان کلمات کو سیکھے اور مجھ سے ان کلمات کو سیکھ کر کے اس پر عمل کرے یا کسی آدمی کو سکھلائے جو اس پر عمل کرنے

---

① المنتظم في تاريخ الأمم والملوك لابن الجوزى [الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت]: ۲۳/۴، ذكر فضله على جميع الصحابة رضي الله عنهم.

والا ہو۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم طلب پیدا فرما رہے ہیں۔

علم دین کے حصول کے دو بنیادی مقاصد

اس جملے میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم کو حاصل کرنے کے دو بنیادی مقصد بھی بتلا دیے کہ آدمی جو علم دین سیکھتا ہے تو اس کا اول مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خود اس پر عمل کرے اور ثانوی حق اس کا یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوسرے بندوں کو بتلا کر کے ان کو اس پر عمل کے لیے آمادہ کرے۔

قبیلۂ عبدالقیس کے قبولِ اسلام کا پس منظر

بخاری شریف میں قبیلۂ عبدالقیس کے وفد کا تذکرہ ہے، بحرین میں عبدالقیس نامی ایک قبیلہ آباد تھا، ان کا ایک وفد نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ واقعہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے کئی جگہوں پر نقل کیا ہے۔

یہ قبیلۂ عبدالقیس وہ قبیلہ ہے جو از خود ایمان لایا تھا، ان کے پاس لڑائی کے لیے کوئی لشکر نہیں پہنچا تھا، کوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ایمان واسلام کی توفیق عطا فرمائی اور اپنے طور پر اسلام کی خوبیوں سے متأثر ہو کر ایمان لائے۔

اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اس قبیلے کے ایک آدمی تھے جن کا نام منقذ تھا، تاجر پیشہ آدمی تھے اور تجارت کی غرض سے مدینہ منورہ کا سفر کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ اسی

غرض سے مدینہ منورہ آئے ہوئے تھے اور اس وقت حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لا چکے تھے۔

اس سفر میں یہ منقذ ایک جگہ راستے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں سے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گذر ہوا، انھوں نے آپ ؐ کو دیکھا تو احترام میں کھڑے ہو گئے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے بتلایا کہ بحرین کا رہنے والا ہوں اور قبیلۂ عبدالقیس کا ایک فرد ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلے کے بعض سرداروں کے نام لے کر ان کے احوال دریافت کیے، ان کو تعجب ہوا کہ آپ ؐ ان لوگوں کو کیسے جانتے ہیں! پھر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو ایمان کی دعوت دی، انھوں نے ایمان قبول کر لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے نماز اور وضو اور قرآن کی کچھ سورتیں سیکھیں۔

جب وہ جانے لگے تو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے قبیلے کے ذمہ داروں کے نام خطوط لکھ کر ان کے حوالے کیے۔

ان کے خسر بھی ان کے قبیلے کے سردار تھے۔ منقذ یہاں سے اپنے گھر جانے کے بعد کشمکش میں مبتلا ہیں کہ ایمان و اسلام کا تذکرہ ان کے سامنے کروں یا نہ کروں اور کروں تو کیسے کروں، البتہ خود چوں کہ ایمان لا چکے تھے، اس لیے گھر میں چپکے سے نماز کا اہتمام کر لیتے تھے، ان کی بیوی نے دیکھا کہ مدینہ کے سفر سے واپسی کے بعد ان کے اندر کچھ تبدیلی آئی ہوئی ہے تو ان کی بیوی نے اپنے والد یعنی ان کے خسر سے اس کا ذکر کیا کہ میں ان کے اندر اس مرتبہ کے سفر سے واپسی کے بعد کچھ عجیب سی تبدیلی دیکھ

رہی ہوں کہ دن رات میں کم از کم پانچ مرتبہ پہلے اپنا ہاتھ منہ دھوتے ہیں پھر مکہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوتے ہیں پھر جھک جاتے ہیں پھر زمین پر گر پڑتے ہیں اور سر رکھ دیتے ہیں۔

خسر نے موقع دیکھ کر ایک مرتبہ ان سے پوچھا کہ آپ کی بیوی، میری بیٹی مجھ سے آپ کے بارے میں کچھ ایسی باتیں کر رہی تھی، کیا بات ہے؟ تب منقذ نے نبیٔ کریم ص لی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت اور آپؐ کی تعلیمات اور اپنے ایمان قبول کر لینے کا تذکرہ کیا، ان کی باتوں سے خسر بھی متأثر ہوئے اور منقذ نے ان کو وہ خط بھی پیش کیا جو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے نام لکھا تھا، انھوں نے وہ خط پڑھا اور ایمان لے آئے پھر اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دی تو پوری قوم ایمان لے آئی۔

چوں کہ ایمان واسلام کی زیادہ معلومات ان کو نہیں تھی تو احکامِ اسلام کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے انھوں نے ایک وفد تشکیل دیا اور یہ وفد نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا[۱]۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں وفدِ عبد القیس کی حاضری اور ان کی زبانی علم کے دو بنیادی مقاصد کا بیان

یہ وفد جب نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا تو نبیٔ کریم

---

(۱) بهجة المحافل وبغية الأماثل في تلخيص المعجزات والسير والشمائل [الناشر: دار صادر - بيروت]: ۱/۳۸۱، مطلب في الكلام على وفد عبد القيس وخبر سيدهم الأشج العصري.

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا استقبال کرتے ہوئے، خوش آمدید کہتے ہوئے فرمایا: غَيْرَ خَزَايَا وَلاَ نَدَامَى: یعنی ایسا آنا آئے کہ اس میں کوئی پشیمانی اور رسوائی نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہوا کہ ان کی طرف کوئی لشکر بھیجا گیا ہو اور جنگ کی نوبت آ گئی ہو اور شکست اور قید ہونے کی رسوائی اٹھانی پڑی ہو بلکہ از خود اپنی رضا و رغبت سے ایمان لائے۔

بہر حال! جب یہ وفد نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک درخواست کی، چوں کہ یہ لوگ بحرین میں رہتے تھے اور وہاں سے مدینہ منورہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے آتے تھے تو بحرین سے مدینہ منورہ آتے ہوئے راستے میں قبیلۂ مضر کا علاقہ پڑتا ہے، مکہ مکرمہ درمیان میں پڑتا ہے تو انھوں نے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا لاَ نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الحَرَامِ، وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هَذَا الحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ کہ اللہ کے رسول! ہمارے اور آپ کے درمیان یہ کفارِ مضر یعنی مشرکین مکہ آباد ہیں اور چوں کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، اس لیے ان کی اس دشمنی کی وجہ سے ہم آپ کی خدمت میں جب چاہیں، حاضری نہیں دے سکتے۔ البتہ یہ جو اشہرِ حرم ہیں، حرمت والے مہینے ہیں، ان میں یہ مشرکین بھی کسی کی جان، مال وغیرہ پر ہاتھ اٹھاتے نہیں ہیں، یہ مشرکین ان مہینوں کا احترام کرتے ہیں، اس لیے ان ہی مہینوں میں ہم آپ کے پاس آ سکتے ہیں۔

فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصْلٍ، نُخْبِرْ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا، وَنَدْخُلْ بِهِ الجَنَّةَ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں آپ کی خدمت میں آنے کا یہ موقع دیا ہے تو آپ ہمیں کوئی ایسی دوٹوک

بات بتادیجیے کہ جن کو ہم پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں، ان کو اس کی اطلاع دیں اور ہم سب اس پر عمل کر کے جنت میں داخل ہو جائیں۔[۱]

دیکھیے! یہاں بھی دو ہی باتیں ہیں: ایک تو خود عمل کرنا اور عمل کر کے جنت میں داخل ہونا اور دوسری غرض: دوسروں کو بتلانا۔

قیامت کے دن علم پر عمل کے متعلق سوال ہوگا

حصولِ علم کا یہی اصل مقصد ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لاَ تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ، عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلاَهُ، وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ[۲]: قیامت کے دن انسان کے قدم اللہ تبارک وتعالی کے حضور سے ہٹ نہیں سکیں گے، یہاں تک کہ پانچ چیزوں کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا۔ فضائل صدقات میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے اس روایت کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، ان پانچ چیزوں میں اخیری چیز ہے: وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ: آپ نے جو علم حاصل کیا،

---

(۱) صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالی عنهما، بَابٌ: أَدَاءُ الخُمُسِ مِنَ الإِيمَانِ، رقم الحدیث: ۵۳.

(۲) سنن الترمذی، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ تعالی عنه، بَابٌ فِي الْقِيَامَةِ، رقم الحدیث: ۲۴۱۶، لفظه: لاَ تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ.

اس پر کیا عمل کیا؟۔

قرآن تمھارے لیے حجت ہے یا تمھارے خلاف حجت ہے

گویا ہم اور آپ جو سیکھ رہے ہیں، سن رہے ہیں، یہ درحقیقت ہم پر حجت ہے، اسی لیے قرآنِ کریم کے متعلق حدیث میں آیا ہے: وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ [1] کہ: قرآن یا تو تمھارے حق میں حجت ہوگا یعنی قرآن سیکھ کر، اس کا علم حاصل کر کے اس پر عمل کرو گے تو تمھارے لیے سفارشی بنے گا اور تم کو جنت میں داخل کروائے گا یا پھر تمھارے خلاف حجت بنے گا کہ قرآن سیکھا، اس کے علوم حاصل کیے، احکام معلوم کیے لیکن اس پر عمل نہیں کیا تو اس پر تمھاری گرفت ہوگی۔

موبائل کا فتنہ

(مجلس وعظ میں کسی صاحب کے موبائل کی رِنگ بجنے پر حضرت دامت برکاتہم نے تنبیہ کے انداز میں یہ باتیں ارشاد فرمائیں:)

جب آپ اس طرح کی علمی اور دینی مجالس میں حاضر ہوں، خاص طور پر مسجد میں حاضری پر یہ موبائل گھر چھوڑ کر آیا کریں یا اس کو بند کرنے کا اہتمام کریں، مسجد میں حاضری کا مقصد محض اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنا ہے۔

آپ جب دنیا کے چھوٹے چھوٹے حکمران کے یہاں جاتے ہیں تو موبائل بند کرنے کا اہتمام کرتے ہیں بلکہ بہت سی جگہوں پر تو باہر ہی آپ کے موبائل پر قبضہ کر

---

[1] صحيح مسلم، عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ فَضْلِ الْوُضُوءِ، رقم: ۲۲۳.

لیا جاتا ہے کہ یہاں موبائل رکھ کر جاؤ، اندر لے جانے کی اجازت نہیں، کسی سفارت خانے میں آپ جاتے ہیں تو اندر موبائل لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔

یہاں مسجد میں آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لیے آئے ہیں، اس لیے اس کو گھر ہی چھوڑ کر آیا کریں، اس موبائل نے تو ہمارا کباڑا کردیا ہے، یہ ایک اچھی اور مفید چیز ہے لیکن اس کے نقصانات بھی کچھ کم نہیں ہے، ان نقصانات سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جب مسجد میں آوے تو موبائل اپنے ساتھ لاوے ہی نہیں لیکن اس میں بھی کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں، مثلاً آدمی دکان سے یا کاروبار سے سیدھا مسجد میں نماز کے لیے آیا ہے تو اس کو کہاں گھر چھوڑنے کے لیے جائے؟ تو ضرورت کی وجہ سے اگر جیب میں رکھا ہے تو مسجد آنے سے پہلے کم از کم اس کو بند کردے؛ تاکہ اس طرح اچانک بج اٹھنے سے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ ہو اور مسجد کا ادب واحترام بھی اس کی وجہ سے محفوظ رہے اور وعظ کی مجلس میں واعظ جو باتیں کہہ رہا ہے تو اس کا دل ودماغ بھی منتشر نہ ہوجائے۔ اس موبائل کو مفید کاموں میں استعمال کیجیے، اس سے جو اچھے کام لینے چاہئیں، وہ لیتے نہیں ہیں۔

یہ باتیں سب کے لیے ہیں، سب ہی اس پر عمل کریں۔

شانِ نزول کی عام فہم توضیح

قرآنِ پاک کی جو آیتیں نازل ہوتی تھیں تو بہت سی آیات وہ ہیں جو خاص خاص واقعات کے پیش آنے پر نازل ہوئی ہیں، ان کو مفسرین کی اصطلاح میں شانِ

نزول کہتے ہیں یعنی یہ آیت اس لیے اتری کہ فلاں واقعہ پیش آیا تھا یا فلاں نے یہ پوچھا تھا یا کسی یہودی نے یہ سوال کیا تھا، کسی مشرک نے فلاں سوال کیا تھا، اس کے جواب میں نازل ہوئی۔

لیکن علماء نے یہ اصول بھی بیان کیا ہے: إن العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب[1] کہ: یہ آیتیں اگر چہ خاص واقعے میں نازل ہوئی ہیں لیکن ان کا حکم سب کے لیے عام ہے۔ گویا یہ خاص واقعہ ذریعہ بنا لوگوں کے حق میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ایک حکم کے معلوم ہونے کا۔ اس طرح ان کے موبائل کا بجنا بھی گویا ان باتوں کے لیے شانِ نزول بن گیا۔

موبائل دوسروں کی نماز خراب کرنے کا بھی ذریعہ بنتا ہے

موبائل کے سلسلے میں لوگ بہت زیادہ بے خبر ہیں، اس کے غلط استعمال میں مبتلا ہیں، عرض کرنے کا منشا یہ ہے کہ مسجد میں آئیں تو موبائل بند کر کے آئیں۔ اس کی وجہ سے ہمارے ساتھ ساتھ دوسروں کی نمازیں بھی خراب ہوتی ہیں، نماز میں ہمارا دل اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور موبائل کی رنگ ایک لمحے میں سارا دھیان اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے، ہم شکایت کرتے ہیں کہ نماز میں ہمارا دل نہیں لگتا، ارے بھائی! ہم دل لگانا ہی نہیں چاہتے۔

---

① روح المعاني [الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت]: ۱/۴۲۵، في تفسير قوله: تعالىٰ: "إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى الآية" [البقرة: ۱۵۹.]

دین کی باتیں سیکھنے کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ترغیب

بہر حال! یہاں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان باتوں کے سیکھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: **فَيَعْمَلُ بِهِنَّ أَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ؟** : کون ہے جو مجھ سے ان باتوں کو سیکھے؟ حاصل کرے؟ پھر خود عمل کرے یا کسی عمل کرنے والے کو بتلائے اور وہ اس پر عمل کرے۔

جیسے اسکول کے اندر ٹیچر پڑھاتے ہوئے کبھی کہتا ہے: کون ہے جو میرے سوال کا جواب دے گا؟ تو بچے ہاتھ اونچا کرتے ہیں، آگے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں دوں گا، میں دوں گا، میں دوں گا، مقصد علم کا شوق اور ذوق بڑھانا اور تعلیم و تربیت ہوتا ہے۔ اسی طرح حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ سوال فرمایا کہ کون ہے جو مجھ سے ان باتوں کو حاصل کرے؟ پھر خود عمل کرے یا کسی ایسے آدمی کو بتلائے جو اس پر عمل کرنے والا ہو۔

دین کی باتیں سکھانے کا نبوی طریقہ

جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیش کش فرمائی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: **فَقُلْتُ: أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ**: اے اللہ کے رسول! میں اس کے لیے تیار ہوں، آپ جو بات بیان کریں گے، میں اس کو سیکھوں گا، یاد کروں گا، اس پر عمل کروں گا اور دوسروں کو بھی سکھلاؤں گا۔

فَأَخَذَ بِيَدِي فَعَدَّ خَمْسًا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرا جواب سن کر کے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

اس کو بھی دیکھیے! جیسے استاذ کسی بچے کو سمجھانے کے لیے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے اور پھر ایک دو تین کر کے پانچ چیزیں پانچ انگلیوں پر گنوائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پانچ چیزیں میری انگلیوں پر گنوائیں۔

پہلی بات: اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے خود کو بچانا

ان میں سے پہلی بات یہ ارشاد فرمائی: اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ: اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے، ان سے بچو، تم سب سے بڑے عبادت گزار کہلاؤ گے۔

احکامِ شرع کی دو قسمیں

شریعت کی جتنی بھی تعلیمات ہیں، اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: (۱) کچھ باتیں تو وہ ہیں جن کا شریعت کی طرف سے حکم دیا گیا ہے جن کو اوامر کہا جاتا ہے یعنی کرنے کے کام، کرنے کی چیزیں یعنی طاعات وعبادات۔ (۲) کچھ چیزیں وہ ہیں جن سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کو نواہی اور محارم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ جو محارم والا حصہ ہے، وہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس کے لیے آدمی کو زیادہ مشقت اٹھانی پڑتی ہے، نفس کے اوپر خوب زور پڑتا ہے، اس لیے شریعت میں اس کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔

اسی وجہ سے دیکھئے! یہاں سب سے بڑی عبادت نبئ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا بتاتے ہیں؟، اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اپنے آپ کو بچانا، اسی کا نام تقویٰ ہے۔

تقویٰ کا معنیٰ ومفہوم

تقویٰ کا کیا مطلب ہے؟ اس کا معنیٰ ہے بچنا، پرہیز کرنا، ڈرنا، اس کے دو معنیٰ ہوتے ہیں: بچنا اور ڈرنا، متقی یعنی پرہیز گار، اللہ سے ڈرنے والا اور بچنا یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا اور ڈرنا یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنا۔ ڈرنے کا کیا مطلب ہے؟ جب یہ ڈر کا لفظ بولا جاتا ہے تو ڈر کا ایک مفہوم تو وہ ہے کہ آدمی کسی تکلیف دینے والی چیز، نقصان پہنچانے والی چیز سے ڈرے، یہاں وہ ڈر مراد نہیں ہے بلکہ وہ ڈر جو کسی کی محبت، عظمت اور عقیدت کے نتیجے میں دل میں اس کے متعلق ہوتا ہے۔

جیسے ایک بیٹے کا باپ بڑا عالم ہے، فاضل ہے اور بڑے اونچے مقام پر فائز ہے تو ایسے باپ کے بیٹے کے دل میں اپنے باپ کے لیے محبت بھی ہوگی، عظمت بھی ہوگی اور عقیدت بھی ہوگی، وہ دل میں سوچے گا کہ کوئی ایسا کام جو میرے باپ کو ناپسند ہو، مجھ سے ہرگز صادر نہیں ہونا چاہیے، میں کوئی ایسی حرکت ہرگز نہیں کروں گا جو میرے باپ کو پتہ چل جائے اور اس کی وجہ سے میرے باپ کو تکلیف پہنچے۔

یا ایک شاگرد کے دل میں اس کے استاذ کی محبت، عظمت اور عقیدت ہے، ایک سالک کے دل میں اس کے شیخ کی محبت، عظمت اور عقیدت ہے، وہ دل میں سوچتا ہے کہ میرا کوئی ایسا کام، میری کوئی ایسی حرکت جو نامناسب ہو، میرے استاذ یا میرے شیخ

کے علم میں نہیں آنی چاہیے تو وہ ایسی حرکتوں اور کاموں سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرتا ہے۔ اس طرح کے ڈر کو تقویٰ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس لیے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت اور عقیدت اور محبت کی وجہ سے ایسا ڈر پیدا ہو جائے جس کے نتیجے میں آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچاوے، یہ تقویٰ اللہ ہے۔

تقویٰ کا حکم

یہ تقویٰ فرض ہے، قرآنِ پاک میں مختلف انداز سے اور مختلف صیغوں میں دو سو سے زیادہ مقام میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ہمیں اس کی تاکید کی گئی ہے، باری تعالیٰ جگہ جگہ فرماتے ہیں: ﴿يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ﴾: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، تقویٰ اختیار کرو۔

تقویٰ کے متعلق ایک عام غلط فہمی

یہ تقوی جو ہے، اس کے متعلق ہمارے اندر بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے، ہم اور آپ جب لفظِ تقویٰ سنتے ہیں تو عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ تقوی یہ تو اللہ کے خاص بندوں کا کام ہے، یہ بڑے لوگوں کی باتیں ہیں، کہاں میں اور کہاں تقوی والا کام! گویا اللہ تعالیٰ کے خاص خاص بندے تقویٰ اختیار کریں گے، حالاں کہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے اہلِ ایمان کو تقوی اختیار کرنے کی بڑی تاکید فرمائی، بعض آیتیں تو ایسی ہیں کہ جس میں ایک آیت میں دو دو مرتبہ تقوی کا حکم دیا گیا: ﴿يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا

اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ [الحشر:۱۸]: اے ایمان والو! تقوی اختیار کرو اور کل کے لیے اس نے کیا اعمال بھیجے ہیں، وہ بھی ذرا سوچ لیں اور اللہ کا تقوی اختیار کرو۔

تقوی فرض ہے

تو تقوی اختیار کرنے کا حکم جگہ جگہ دیا گیا، یہ کوئی ایسی مستحب اور فضیلت کی چیز نہیں ہے کہ جس کے معاملے میں اختیار ہو بلکہ اس کو ہر ہر مؤمن پر فرض اور ضروری قرار دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تقوے کا مطلب ہی یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے، اللہ کی معصیت سے بچانے کا اہتمام کرے، حضرت ابوہریرہ رضی اللّٰہ تعالی عنہ کی اس روایت میں نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم نے اسی کو عبادت کا سب سے اونچا مقام بتایا ہے۔

تقویٰ کے بارے میں ایک اور غلط فہمی

ہم نے تقویٰ کا مطلب کیا سمجھا؟ ہم نے سمجھا کہ تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی رات بھر خوب تہجد پڑھے اور دن بھر روزے رکھے، ہمیشہ ہاتھ میں تسبیح ہو اور انگلیاں اس پر گردش کر رہی ہوں، ہم نے سمجھ لیا کہ اسی کا نام تقویٰ ہے، جب اسی کو تقویٰ سمجھ لیا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بس کا نہیں ہے، اس طرح ہم اول لمحے ہی میں اپنے ہاتھ جھاڑ لیتے ہیں، تقویٰ کا مطلب یہ نہیں جو ہم سمجھے ہیں۔

ان ہی حضرت عمر رضی اللّٰہ تعالی عنہ کا واقعہ ہے جن کے فضائل آپ کو ابھی

بتائے گئے، انھوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا۔

حضرت ابی بن کعبؓ کا مقام

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ یہ بھی بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، انصاری ہیں اور ان کا لقب تھا سید الانصار یعنی انصار کے سردار۔ یہ لقب بھی ان کو بارگاہِ نبوت سے عطا ہوا تھا، لوگ سید الانصار ہی کہتے تھے۔ بڑے زبردست عالم تھے اور علمِ قرأت کے ایسے ماہر تھے کہ بارگاہِ نبوت سے، خود نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ان کو "أَقْرَؤُهُمْ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ" کا لقب عطا کیا گیا تھا[۱] کہ: حضراتِ صحابہ رضوان اللہ تعالی علیھم أجمعین میں قرآنِ پاک کے سب سے بہتر اور زیادہ پڑھنے والے اور علمِ قرأت کے سب سے زیادہ ماہر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ ہیں، بڑا اونچا مقام تھا۔

بارگاہِ رسالت سے عطا کیے جانے والے القابات شاہی تمغوں سے بھی اعلی ہیں

ویسے تو بہت سے حضراتِ صحابہؓ تھے جو ماہر تھے لیکن کسی کے اندر کوئی وصف کسی کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہوتا ہے تو ان کی اس صفت اور خوبی کو ظاہر کرنے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف سے حضراتِ صحابہ کو خطابات دیے جاتے

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ مَنَاقِبِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَأُبَيٍّ، وَأَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الجَرَّاحِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، رقم الحدیث: ۳۷۹۰.

تھے۔ یہ شاہی اعزاز اور تمغے تھے جو بارگاہِ رسالت سے ملتے تھے، کسی کو کہا جاتا تھا: لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ وَأَمِينُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ کہ: ہر امت کے اندر ایک امانت دار ہوتا ہے جس کے اندر یہ صفتِ امانت خصوصیت کے ساتھ پائی جاتی ہے اور میری امت کے اندر یہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں ①۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو قرآن سنانے کا
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکمِ الٰہی اور اس کی حکمت

بہر حال! نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف سے ایسے خطابات دیے جاتے تھے تو ایسے ہی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ کو یہ خطاب ملا تھا۔ علمائے صحابہ، فقہائے صحابہ اور قرائے صحابہ میں شمار ہوتے تھے، چنانچہ ان کے اس مقام کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بخاری شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت اُبی سے فرمایا: اُبی! اللہ تعالی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں سورۂ "لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا" پڑھ کر سناؤں۔

کبھی استاذ بھی شاگرد کے سامنے تعلیم کے لیے پڑھتا ہے، استاذ کا شاگرد کے سامنے پڑھنا بغرضِ تعلیم ہوتا ہے؛ چوں کہ ان کے ذریعہ سے یہ سلسلہ امت میں جاری ہونے والا تھا اور ان کو بارگاہِ نبوت سے "أَقْرَؤُهُمْ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ" کا خطاب ملا تھا؛ اس

---

① صحيح البخاری، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، كِتَابُ المَغَازِي، بَابُ قِصَّةِ أَهْلِ نَجْرَانَ، رقم الحديث: ۴۳۸۰.

لیے اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے یہ خاص عنایت ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم ہوا کہ آپ ان کو سورۂ ''لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' پڑھ کر کے سنایئے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تو حضرت اُبَی رضی اللہ تعالی عنه نے عرض کیا: وَسَمَّانِي: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالی نے میرا نام آپ کے سامنے لے کر کہا کہ سورۂ ''لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' پڑھ کر کے مجھے سنائیں؟ میرا نام لے کر کے!۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیوں کیا؟

کوئی آدمی سوال کرسکتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالی نے مجھے حکم دیا کہ میں تمھیں سورۂ ''لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' پڑھ کر کے سناؤں، پھر یہ سوال کرنے کا کیا مطلب ہے؟ حدیث کی تشریح کرنے والے علماء نے اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالی کی طرف سے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو ایک عام انداز میں حکم دیا گیا ہو اور یہ بات کہی گئی ہوگی کہ آپ اپنے صحابہ میں سے کسی کو یہ سورت سنایئے اور حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنے طور پر حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے تجویز کیا ہو، تب بھی یہ کہا جاسکتا تھا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں سورۂ ''لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' پڑھ کر کے سناؤں۔ حالاں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف سے ان کے نام کی تجویز بھی ان کے لیے بہت بڑی سعادت تھی۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

لیکن یہاں بات کو زیادہ صاف اور پکا کرنے کے لیے حضرت ابی بن کعب

رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالی نے میرا نام لے کر آپ کو یہ حکم دیا؟ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: جی ہاں! اللہ تبارک وتعالی نے آپ کا نام لے کر یہ حکم فرمایا، بخاری شریف میں ہے کہ یہ سن کر حضرت ابی بن کعبؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے[1]، شرّاحِ حدیث نے لکھا ہے کہ یہ آنسو خوشی کے آنسو تھے کہ اللہ تعالی نے میرا نام لیا" ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے"

تقویٰ کی حقیقت حضرت اُبی بن کعبؓ کے الفاظ میں

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ موقع بموقع مسائل کو سلجھانے اور مسائل کو حل کرنے کے سلسلے میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے مدد حاصل کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان سے پوچھا: اے اُبی! تقوی کیا ہے؟ تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب میں فرمایا کہ: أَمَا سَلَكْتَ طَرِيقًا ذَا شَوْكٍ؟: اے امیر المؤمنین! آپ کبھی کسی کانٹے والے راستے سے گذرے ہیں؟ یعنی کوئی ایسا راستہ جس کے دونوں طرف کانٹے کی باڑ ہو اور بیچ میں سے پگڈنڈی ہے، اس پر سے گذرنا ہوا؟ کیا کبھی ایسا موقع پیش آیا؟ تو اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: بَلَى: جی ہاں! تو اس پر حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ نے پوچھا: فَمَا عَمِلْتَ؟ اس موقع پر آپ نے کیا کیا؟ تو اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب مَنَاقِبُ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، رقم الحدیث: ۳۸۹۰۔

تعالی عنہ نے فرمایا: شَمَّرْتُ وَاجْتَهَدْتُ: میں نے اپنے کپڑوں کو سمیٹا اور بڑی کوشش اوراہتمام سے، ایسے انداز سے کہ کپڑے کانٹوں میں پھنس نہ جائیں، جسم کو بھی کانٹا لگنے نہ پائے۔ اس طرح اپنے آپ کو وہاں سے بچا کر لے گیا۔

جولوگ دیہات میں رہتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ جب دو کھیتوں کے بیچ میں چھوٹی سی پگڈنڈی ہوتی ہے اور دونوں ہی طرف کانٹے کی باڑ لگی ہو تو آدمی بہت بچ بچ کر چلتا ہے کہ کہیں کانٹا اِدھر سے نہ پکڑ لے، کہیں اُدھر سے نہ کپڑے میں پھنس جائے۔

یہ جواب سن کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: فَذَلِكَ التَّقْوٰى کہ بس! یہی تو تقویٰ ہے[①]۔

گناہوں سے لبریز دنیا

یہ دنیا گناہوں کے کانٹوں سے بھری ہوئی ہے: کہیں آنکھ کے گناہ ہیں، کہیں کان کے گناہ ہیں، کہیں زبان کے گناہ ہیں، گناہوں کی مختلف شکلیں ہیں، راستے میں گناہوں کے کانٹے بکھرے ہوئے ہیں، چاروں طرف لگے ہوئے ہیں اور آدمی کو الجھانے کی کوشش کررہے ہیں۔ ایسی صورت میں آدمی کو چاہیے کہ بڑی احتیاط کے ساتھ، بچ بچا کر، اپنے آپ کو ان کانٹوں میں الجھنے اور کانٹوں کے لگنے سے بچا کر نکل جائے، اسی کا نام تقوی ہے۔

---

① تفسير ابن كثير [الناشر: دار الكتب العلمية، منشورات محمد علي بيضون - بيروت]: ۱/ ۷۵، فی تفسیر قولہ تعالی: "ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" [البقرة: ۲]

اسی موقع پر صاحبِ تفسیرِ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی شاعر کا یہ قول نقل کیا ہے: ؎

وَكَبِيرَهَا ذَاكَ التُّقَى	۞	خَلِّ الذُّنُوبَ صَغِيرَهَا

کہ: گناہ چھوٹے ہوں یا بڑے، ان کو چھوڑ دو، اپنے آپ کو چھوٹے بڑے ہر قسم کے گناہوں سے بچا کر زندگی گذارنا، اسی کا نام تقویٰ ہے[1]۔

بعض اکابر علماء کی رائے: ہر گناہ کبیرہ ہے

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ علماء نے جس مقام پر چھوٹے اور بڑے گناہ، صغیرہ اور کبیرہ گناہ کی بحث کی ہے تو بعض بڑے علماء نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ سارے ہی گناہ کبیرہ اور بڑے ہیں، کوئی صغیرہ نہیں ہے، اس لیے کہ نافرمانی کس کی کی جارہی ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہورہی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت اور کبریائی اور بڑائی کے اعتبار سے کسی گناہ کو کیسے چھوٹا کہا جاسکتا ہے[1]۔ کوئی بڑا آدمی ہو، کسی ملک

---

(۱) تفسیر القرطبی، ج ۱ ص ۱۶۲، تحت قوله تعالى: ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ.
اور شعر ابن المعتز کا ہے۔

(۱) اختلف العلماء في تقسيم الذنوب إلى كبائر وصغائر، فقال بعضهم: لا صغيرة، والذنوب كلها كبائر من حيث النظر إلى عظمة من يعصى بها، ويخالف أمره. روى أبو نعيم بسند ضعيف، عن عمرو بن العاص رضي الله تعالى عنه قال: سمعت النبي – صلى الله عليه وسلم – يقول: "لا تَنْظُرُوا إِلَى صَغِيرِ الذُّنُوبِ، وَلَكِنِ انْظُرُوا إِلَى مَنِ اجْتَرَأْتُمْ". قال أبو نعيم: وهو مشهور من قول بلال بن سعد. (حسن التنبه لما ورد في التشبه لنجم الدين الغزي الشافعي [الناشر: دار النوادر، سوريا]: ۹/۴۷۲)

کا پریسیڈنٹ ہو، اس کے سامنے اگر کوئی ادنیٰ سی گستاخی بھی کرے گا تو بھی وہ بہت بڑی سمجھی جائے گی اور وہ آدمی قابل گردن زدنی سمجھا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اللہ تعالیٰ کے مقام اور اس کے بے شمار احسنات اور انعامات کو دیکھتے ہوئے اس کی معمولی سی نافرمانی بھی بہت بڑی سمجھی جائے گی۔

گناہ گناہ ہے۔ بہت سے لوگ یوں سوچتے ہیں کہ چھوٹا گناہ ہے، کر لینے میں کوئی زیادہ حرج نہیں ہے۔

صغیرہ وکبیرہ کی تقسیم کے سلسلے میں محقق قول

جب کہ حضراتِ علمائے محققین نے قرآن وحدیث کی نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے گناہ کی دو قسمیں: صغیرہ اور کبیرہ بیان کی ہیں [1] لیکن بہر حال! صغیرہ کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ آدمی اس کو کرے۔

چھوٹا سا گناہ مؤمن کے خرمنِ ایمان کی تباہی کے لیے کافی ہے

ایک مرید نے اپنے شیخ سے پوچھا کہ یہ جو بدنگاہی ہے یعنی نامحرم عورت کو لذت لیتے ہوئے دیکھنا، یہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے؟ تو شیخ نے جواب دیا کہ دیکھو! چنگاری چھوٹی ہو تو چھوٹی سمجھ کر کوئی آدمی اس کو اپنے کپڑے کے بکسے میں نہیں رکھتا، چھوٹی چنگاری ہو یا بڑا انگارہ ہو، آگ لگانے کے لیے دونوں کافی ہیں، آدمی کے خرمنِ ایمان کو تباہ کرنے کے لیے چھوٹا سا گناہ بھی کافی ہے۔

---

(۱) والأصح أن من الذنوب كبائر، ومنها صغائر. (المرجع السابق)

بدنظری کی وجہ سے ایمان سے محرومی

بعض مرتبہ چھوٹے چھوٹے گناہ بھی ایک مؤمن کے ایمان کو تباہ کر دیتے ہیں، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ایک آدمی مؤذن تھا، اذان دینے کے لیے منارے پر چڑھا، قریب میں کسی مجوسی یا نصرانی کا مکان تھا، اس میں اس کی لڑکی پر نظر پڑی، اس پر دل آ گیا اور اس کے یہاں جا کر پیغامِ نکاح دیا، اس کے باپ نے کہا کہ تو مسلمان ہے اور ہم تو مجوسی یا نصرانی ہیں تو اس مؤذن نے کہا کہ میں اسلام چھوڑ دیتا ہوں اور پھر نکاح کی نوبت بھی نہیں آئی، دوسرے وقت کی اذان کے لیے اوپر چڑھا اور گرا اور موت آ گئی۔

کسی گناہ کو حقیر اور کسی نیکی کو معمولی مت سمجھو

اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں: کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر کرو مت، پتہ نہیں کون سا گناہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ بن جاوے اور کسی نیکی کو چھوٹا سمجھ کر چھوڑنا مت، پتہ نہیں کون سی نیکی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ بن جاوے[1]۔

---

(۱) اس طرح کے قریب المعنی اقوال بہت سے صحابہ سے منقول ہیں اور حدیث مرفوع بھی وارد ہے لیکن حضرت عائشہؓ کے اس اثر پر میں مطلع نہیں ہو سکا، البتہ حضرت ابو الدرداءؓ کا ایسا ہی قول کتابوں میں پایا جاتا ہے: تَمَامُ التَّقْوَى أَنْ يَتَّقِيَ اللهَ الْعَبْدُ حَتَّى يَتَّقِيَهُ فِي مِثْقَالِ ذَرَّةٍ، حَتَّى يَتْرُكَ بَعْضَ مَا يَرَى أَنَّهُ حَلَالٌ خَشْيَةَ أَنْ يَكُونَ حَرَامًا يَكُونُ حِجَابًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْحَرَامِ فَإِنَّ اللهَ قَدْ بَيَّنَ لِلْعِبَادِ الَّذِي يُصَيِّرُهُمْ إِلَيْهِ قَالَ اللهُ {فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ}[الزلزلة: ۷] فَلَا تَحْقِرَنَّ شَيْئًا مِنَ الشَّرِّ أَنْ تَتَّقِيَهُ، وَلَا شَيْئًا مِنَ الْخَيْرِ أَنْ تَفْعَلَهُ. (حسن التنبه لما ورد في التشبه لنجم الدين الغزي الشافعي [الناشر: دار النوادر، سوريا]: ۱۱/۳۶۷)

دودھ والی رات یاد ہے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں واقعہ موجود ہے: ایک بزرگ کا انتقال ہوا، انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا ہوا؟ جواب دیا کہ اللہ کے حضور میں پیشی ہوئی، مجھے پوچھا گیا کہ ہمارے دربار میں کیا لے کے آئے ہو؟ انھوں نے نماز، روزہ وغیرہ اعمال کے بارے میں سوچا لیکن کسی عمل کے بارے میں یہ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ یہ عمل لے کر کے آیا ہوں؛ کیوں کہ ہر عمل میں ریا، سمعہ وغیرہ کی آمیزش ہوتی ہی ہے، بہت سوچنے کے بعد کہا کہ توحید لے کر آیا ہوں۔ توحید کا مطلب کیا ہے؟ اللہ کو ایک سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ نفع اور نقصان سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے، اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، وہی ہر چیز کا مالک ہے، وہی ہر چیز کرتا ہے۔

اس کے جواب میں باری تعالی کی طرف سے کہا گیا کہ دودھ والی رات یاد ہے؟ کیا ہوا تھا؟ ایک رات ان کے پیٹ میں درد پیدا ہوا تو زبان سے یہ نکلا کہ آج دودھ پی لیا تھا، اس کی وجہ سے یہ درد ہو رہا ہے۔ تو گویا تم نے پیٹ میں درد کا سبب دودھ کو سمجھا، یہی توحید ہے! یہ سن کر ڈر گئے کہ اب تو میں مارا گیا۔

ہم اس کی رحمتوں کے سہارے چلے گئے

اس کے بعد اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے کہا گیا کہ ایک روز سردی کی رات میں بلّی کا ایک بچہ سردی اور ٹھنڈی کی وجہ سے ٹھٹھر رہا تھا، تم نے اس کو اپنی کمبل میں جگہ

دی، یہاں تک کہ اس کی سردی دور ہوئی تھی اور اس کو راحت پہنچائی تھی، اسی پر ہم تمھاری مغفرت کرتے ہیں۔

پیاسے کتے کو پانی پلانے پر مغفرت

بخاری شریف میں واقعہ ہے کہ ایک آدمی جا رہا تھا، جنگل کے اندر سے گذر رہا تھا، پیاس لگی، وہاں ایک کچا کنواں تھا، جنگل کا کنواں جہاں ڈول اور رسی بھی نہیں ہوتی تو وہ پیاس بجھانے کے لیے اندر اترا، کنویں کی دیوار میں خانے بنے ہوئے ہوتے ہیں، ہاتھ اور پاؤں کے ذریعہ سے سہارا لے کر ان خانوں کے راستے اترا، اپنی پیاس بجھائی اور باہر آیا، دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے بے چین ہے، تڑپ رہا ہے، گیلی مٹی کو چاٹ رہا ہے، اس منظر کو دیکھ کر اس نے دل میں سوچا کہ پیاس کی جو تکلیف اور اذیت میں نے اٹھائی، وہی یہ کتا بھی محسوس کر رہا ہے، اس کو رحم آ گیا۔ اب پانی نکالنے کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ہے، نہ ڈول رسی ہے، نہ کوئی اور چیز، خود اس نے اندر اتر کر پانی پیا تھا تو اس نے سوچا کہ اس کی پیاس کیسے بجھاؤں، اس کے پاس چمڑے کے موزے تھے، وہ اتارے، کنویں میں اترا اور اس موزے کے اندر پانی بھر کر کے اپنے دانتوں میں دبایا؛ اس لیے کہ ہاتھ اور پاؤں تو چڑھنے کے لیے استعمال کرنا ہے، ہاتھ سے پکڑ نہیں سکتا تھا، دانتوں میں موزہ دبا کر باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

بخاری شریف کی روایت ہے، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے اسی بات پر اس کی مغفرت فرمادی اور یہ عمل اس کے لیے دخولِ جنت کا سبب بنا، یہ سن کر حضراتِ صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین نے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لَأَجْرًا: اے اللہ کے رسول! کیا جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں بھی ہمیں ثواب ملے گا تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ[1]: ہر تر جگر والے کے ساتھ بھلائی کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب ملتا ہے۔ کتے جیسے جانور کی پیاس بجھانے پر اللہ کے یہاں جنت کا فیصلہ ہو رہا ہے تو انسانوں کی پیاس بجھانے پر اللہ تعالیٰ کیا کچھ اجر عطا فرمائیں گے، ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر کرو مت اور کسی نیکی کو بھی چھوٹا سمجھ کر چھوڑو مت اور تقوی کا مطلب ہی یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کرے۔ روایتوں میں ہے: إِيَّاكُمْ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ، فَإِنَّهُنَّ يَجْتَمِعْنَ عَلَى الرَّجُلِ حَتَّى يُهْلِكْنَهُ[2] کہ: چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی بچو؛ کیوں کہ یہ چھوٹے چھوٹے گناہ جب کسی آدمی کے کھاتے میں زیادہ جمع ہو جاتے ہیں تو اس کی ہلاکت کا باعث بن جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی بھی پوچھ ہوگی۔

الغرض! چھوٹے گناہوں سے بھی اپنے آپ کو بچانا نہایت ہی ضروری ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، كِتَاب الْمَظَالِمِ وَالْغَصْبِ، باب الآبَارِ عَلَى الطُّرُقِ إِذَا لَمْ يُتَأَذَّ بِهَا، رقم الحدیث: ۲۴۶۶.

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ تعالی عنہ، رقم: ۳۸۱۸.

مؤمن کی یہ شان ہی نہیں ہے کہ وہ کسی گناہ کا ارتکاب کرے، صغیرہ گناہوں کو تو یوں سمجھئے کہ بلا ارادہ غیر اختیاری طور پر ہوگئے، اسی لیے صغیرہ گناہوں کی معافی کے لیے شریعت نے توبہ شرط قرار نہیں دیا، نیک اعمال اس کے لیے کفّارہ بن جاتے ہیں۔

اعمالِ صالحہ کے صغائر کے لیے کفّارہ ہونے کی حکمت

اور بڑا گناہ! اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی مؤمن اس کا ارتکاب کرے۔ فضائل نماز میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے حوالے سے- جہاں نماز اور وضو سے اور دوسرے اعمال سے چھوٹے چھوٹے گناہوں کے معاف ہونے اور بڑے گناہوں کے بغیر توبہ کے معاف نہ ہونے کا مسئلہ آتا ہے- اس کی وجہ یہ نقل کی ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد فرماتے تھے کہ مؤمن سے بڑے گناہ صادر ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں صغیرہ اور چھوٹے گناہ نادانستہ طور پر، بھول سے بے خبری میں صادر ہوجاتے ہیں تو ان کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے معافی کا راستہ رکھ دیا کہ نماز پڑھو تو یہ معاف ہوجائیں گے، وضو کر رہے ہوں تو زبان سے جو گناہ ہوئے وہ، آنکھ سے جو گناہ ہوئے وہ، کان سے جو گناہ ہوئے، وہ معاف ہوجاتے ہیں، وغیرہ لیکن بڑا گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتا اور بڑا گناہ تو مؤمن کرتا ہی نہیں، جب کرلے گا تو توبہ کیے بغیر اس کو چین نہیں آئے گا۔

بہرحال! اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا یہ تقویٰ کی حقیقت ہے اور یہ بہت ضروری ہے، اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچو، تم سب سے بڑے عبادت

گزار بن جاؤ گے۔

مذکورہ جملے میں فرائض اور واجبات بھی داخل ہیں

دیکھو! سب سے بڑی عبادت گناہوں سے بچنے کو فرمایا۔ اب اگر کوئی سوال کرے کہ ایک آدمی اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہے لیکن کوئی عبادت نہیں کرتا تو کیا وہ سب سے بڑا عبادت گزار کہلائے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نیکی کے جو کام ضروری قرار دیے گئے ہیں، وہ تو فرائض اور واجبات ہیں، جیسے فرض نماز ہے، فرض روزے ہیں، فرض زکوۃ ہے، وہ بھی اس میں آ گئے، اس لیے کہ فرض نماز کو چھوڑنا بھی حرام ہے، فرض روزے کو چھوڑنا بھی حرام ہے تو جب وہ حرام سے بچے گا تو فرض نماز پڑھے گا، واجب کا چھوڑنا بھی حرام ہے، جب حرام سے بچے گا تو واجب کو ادا کرے گا، یہ بھی اس جملے میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ہمارا ایک مرض

آدمی کا مزاج اور اس کی نفسیات کیا ہے؟ نفسیات یہ ہے کہ جب ہم میں اور آپ میں دین پر عمل کا جذبہ بیدار ہوتا ہے کہ ہم بھی سب سے بڑے عبادت گزار بن جائیں تو ہماری مشکل اور پروبلم یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے خود ہی اس کی شکل تجویز کر لیتے ہیں کہ ایسا کریں گے تو سب سے بڑے عبادت گزار بن جائیں گے۔

جیسے نکاح کے سلسلے میں ہمیں خیال آتا ہے کہ نکاح میں برکت کیسے ہوگی؟ تو ہم اپنی طرف سے تجویز کر لیتے ہیں کہ بہت سارے مولویوں کو اور بزرگوں کو دعوت

دے دیں گے تو نکاح میں برکت ہوئے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهَا مَئُونَةً[1]: سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں کم خرچ ہو بلکہ بالکل خرچ نہ ہو۔

تو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیصلہ کچھ اور ہوتا ہے اور ہم اپنی طرف سے کچھ اور تجویز کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے، یہ دین کا معاملہ ہے، اس میں تو اللہ اور اس کے رسولؐ جو بتلائیں گے، اس کے مطابق ہی عمل کریں گے۔

دین داری کے معاملے میں انسانی مزاج ونفسیات

یہی حال یہاں بھی ہے کہ جب سوچتے ہیں کہ ہم سب سے بڑے عبادت گزار بن جائیں تو نوافل کی طرف بہت بڑھتے ہیں: اشراق، چاشت، اوّابین، تسبیحات، تلاوت وغیرہ۔ یہ سارے اعمال اپنی جگہ پر باعث قدر وقیمت ہیں، باعث اجر وثواب ہیں، اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث ہیں، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن ہیں نفل اور نفل کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کرے تو ثواب، نہیں کرے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ مطالبہ اور سوال نہیں ہوگا کہ تم نے اشراق نہیں پڑھی، کیوں نہیں پڑھی؟ یہ سوال نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف یہ جو گناہ ہیں، اگر چھوٹا بھی کیا تو اس کی باز پرس ہوگی اور اگر باز پرس ہوگئی تو پھر گارنٹی نہیں دی جاسکتی کہ بچ کر کے نکل سکتے ہیں یا نہیں نکل سکتے

---

[1] مسند الإمام أحمد بن حنبل، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالی عنها، رقم الحديث: ۲۴۵۲۹.

اور جہنم کا ایندھن بننا پڑتا ہے①۔

عبادات کے ساتھ گناہوں کا ارتکاب مقویات کے ساتھ زہر کھانے جیسا ہے

ہمارے بزرگوں نے اس کو ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ کسی آدمی کو حکیم صاحب نے اچھے اچھے خمیرے لکھ دیے: خمیرہ گاؤزبان اور یہ اور فلانا، وہ اس کو استعمال کرتا ہے لیکن ساتھ میں ذرا سا سنکھیا بھی کھالیتا ہے تو یہ خمیرے سنکھیا کی ہلاکت خیزیوں سے بچا نہیں سکتے اور ایک غریب آدمی ہے، دال روٹی پر اکتفا کرتا ہے اور جسم کو نقصان پہنچانے والی چیزوں سے اپنے آپ کو بچاتا ہے تو اس کی حفاظت کی گارنٹی دی جاسکتی ہے۔

یہی حال ہے کہ جو آدمی بھلے نوافل کا اہتمام نہیں کرتا، فرائض وواجبات پر اکتفا کرتا ہے اور گناہوں سے اپنے آپ کو بچاتا ہے تو جہنم سے اس کی حفاظت کی گارنٹی دی جاسکتی ہے۔

فرائض وواجبات پر اکتفا کر کے گناہوں سے بچنے والا افضل ہے یا فرائض ونوافل کے اہتمام کے ساتھ گناہوں کا ارتکاب کرنے والا؟

---

① چنانچہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: »مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ« قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ أَوَلَيْسَ يَقُولُ اللهُ تَعَالَى: {فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا} [الانشقاق: ٨] قَالَتْ: فَقَالَ: " إِنَّمَا ذَلِكِ العَرْضُ، وَلَكِنْ: مَنْ نُوقِشَ الحِسَابَ يَهْلِكْ ".(صحیح البخاری، بَابُ مَنْ سَمِعَ شَيْئًا فَلَمْ يَفْهَمْهُ فَرَاجَعَ فِيهِ حَتَّى يَعْرِفَهُ، رقم الحدیث: ۱۰۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما جو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی: اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ وَفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ[1]: اے اللہ! انھیں قرآن کا علم اور دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما۔ حبر الامہ: ''امت کے بڑے زبردست عالم'' ان کا لقب تھا، آج بھی ان کو رئیس المفسرین کہا جاتا ہے، قرآنِ کریم کی تفسیر اور تشریح کے سلسلے میں اگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کی کوئی بات موجود ہو تو وہ بڑی مستند سمجھی جاتی ہے، اتنا اونچا ان کا علمی مقام ہے۔

ویسے جب حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کی عمر دس، بارہ سال کی تھی لیکن انھوں نے محض اس پر کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں، اکتفا نہیں کیا بلکہ حصولِ علم کے لیے خوب محنتیں کی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی علمی لگن

چنانچہ صاحبِ روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے اپنے دوسرے ہم عمر ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو! نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

---

[1] المستدرك على الصحيحين، ذِكْرُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، رقم الحديث: ٦٢٨٣.

تو دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں، اب براہِ راست آپ سے فیض حاصل کرنا تو ممکن نہیں رہا لیکن آپ کے بڑے بڑے صحابہؓ ابھی موجود ہیں اور اللہ تبارک تعالی نے ہمیں موقع عطا فرمایا ہے کہ ہم ان سے فیض حاصل کریں، ہم سے جتنا علم حاصل کرنا ان سے ممکن ہوسکتا ہے، اس میں کمی نہیں کرنی چاہیے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنھما نے اپنے آپ کو اس میں لگا دیا اور اس زمانے کے جو بڑے بڑے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین تھے: حضرت ابوبکر ہیں، حضرت عمر ہیں، حضرت عثمان ہیں، حضرت علی ہیں، اسی طرح دوسرے بڑے بڑے صحابہ سے خوب علم حاصل کیا، رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین۔ اور اس علم کو حاصل کرنے میں اس بات کی ذرّہ برابر بھی پروا نہیں کی کہ میں کس بڑے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ میری کیا رشتہ داری ہے۔

آدمی علم حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو جتنا زیادہ ذلیل کرے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اتنی ہی زیادہ عزت اور رفعت اور سربلندی عطا فرمائیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ اور اساتذہ کا ادب

ان کا حال یہ تھا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ جو سید الانصار ہیں اور جن کو بارگاہِ رسالت سے أَقْرَأُهُمْ أُبَيٌّ ''صحابہ میں سب سے بڑے قاری'' کا خطاب ملا ہے، جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنھما ان کے پاس جاتے تھے تو روایتوں میں ہے کہ باہر دروازے کے پاس بیٹھ جاتے تھے اور ان کے باہر نکلنے کا انتظار کرتے تھے، دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے کہ از خود وہ گھر سے باہر آئیں گے تو پوچھوں گا،

ان کو دروازہ کھٹکھٹا کر گھر سے باہر نکلنے کے لیے مجبور نہ کیا جائے، جب حضرت ابی رضی اللہ تعالی عنہ باہر تشریف لاتے اور دیکھتے کہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالی عنہما باہر بیٹھے ہوئے ہیں تو چوں کہ ان کی نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے رشتہ داری تھی، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے تو ان کو دیکھتے تو فرماتے کہ تم نے دروازہ کیوں نہیں کھٹکھٹایا؟ ہم کو آواز دے لیتے، کیوں آئے؟ تو فرماتے کہ فلاں مسئلہ پوچھنا ہے تو فرماتے کہ آواز دے لیتے، میں حاضر ہوجاتا تو فرماتے ہیں کہ نہیں! ہمیں اسی طرح علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، عالم کا حق ہے کہ اس کو نکلنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آدھا آدھا دن انتظار میں گذر جاتا تھا لیکن دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے، ان کے انتظار میں بیٹھے رہتے تھے (۱)۔

پھر انھوں نے وہ آیت پیش کی جس میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس قبیلۂ بنو تمیم کا وفد آیا اور عین دوپہر کے وقت آیا، جب نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرمارہے تھے اور باہر ہی سے انھوں نے چلانا شروع کیا کہ اے محمد! باہر تشریف لائیے۔

آواز اندر پہنچی، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بڑی ناگواری ہوئی لیکن باہر تشریف لائے اور وہاں آپس میں کچھ گفتگو ہوئی، اسی پر قرآنِ کریم میں سورۂ حجرات

---

(۱) روح المعانی [الناشر: دار الکتب العلمیة - بیروت]: ۹/ ۳۳۱، فی تفسیر قوله تعالیٰ: "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا" (سورة النور، [۲۷])

کی آیتیں نازل ہوئیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝﴾ کہ: جولوگ باہر ہی سے آپ کو آواز دے کر باہر بلاتے ہیں، ان میں سے اکثر سمجھ نہیں رکھتے، عقل نہیں ہے، کم عقل ہیں۔ اگر وہ انتظار کرتے، آپ کو آواز دے کر باہر نکلنے پر مجبور نہ کرتے بلکہ بیٹھے رہتے اور آپ کے باہر تشریف لانے تک انتظار کرتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔

یہ آیت تلاوت کر کے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے عرض کیا کہ عالم کا مقام اپنی قوم میں ایسا ہی ہے، جیسا کہ نبی کا مقام ہوتا ہے، اس لیے میں آپ کو باہر نکلنے پر مجبور نہیں کروں گا، میں تو جب بھی ضرورت ہوگی، اسی طرح آپ کے دروازے پر آ کر پڑ جاؤں گا، جب آپ ازخود باہر تشریف لائیں گے تو پوچھوں گا۔ یہ وہ ادب تھا کہ جس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ایسا عالی مقام عطا فرمایا۔

کثیر النوافل قلیل الذنوب آدمی افضل ہے یا کثیر الذنوب قلیل العبادت؟

ان ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے کسی نے پوچھا: رَجُلٌ قَلِيلُ الْعَمَلِ قَلِيلُ الذُّنُوبِ أَعْجَبُ إِلَيْكَ أَوْ رَجُلٌ كَثِيرُ الْعَمَلِ كَثِيرُ الذُّنُوبِ؟: ایک آدمی وہ ہے جو اعمال زیادہ نہیں کرتا، فرائض اور واجبات کا اہتمام کرتا ہے، نوافل

کا زیادہ اہتمام نہیں کرتا لیکن گناہ نہیں کرتا، گناہوں سے اپنے آپ کو بچاتا ہے، گناہوں کی مقدار بہت کم ہے۔ أَعْجَبُ إِلَيْكَ؟: ایسا آدمی آپ کی نگاہوں میں اچھا ہے، پسندیدہ ہے؟۔

ایک دوسرا آدمی ہے: رَجُلٌ كَثِيرُ الْعَمَلِ كَثِيرُ الذُّنُوبِ: نیکی کے کام بھی بہت کرتا ہے: تہجد پڑھتا ہے، اشراق پڑھتا ہے، چاشت پڑھتا ہے، اوّابین پڑھتا ہے، باجماعت نماز ادا کرتا ہے لیکن گناہ بھی کثرت سے کرتا ہے: غیبت بھی کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، حلال اور حرام میں تمیز نہیں کرتا، پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتا ہے، لوگوں کے متعلق بدگمانی میں مبتلا ہے، لوگ اس کی ایذ ارسانی سے مامون اور محفوظ نہیں ہیں، اس کو گالی دے دی، اس کا حق مار لیا، گھر میں بھی اس سے سب پریشان رہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کے ساتھ ساتھ گناہوں کا بھی سلسلہ ہے۔ نیکیاں زیادہ مقدار میں کرتا ہے، گناہوں سے بھی نہیں بچتا۔ یہ اچھا ہے یا وہ اچھا ہے؟۔

اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا سب سے بڑی نیکی ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے جواب میں ارشاد فرمایا: لاَ أَعْدِلُ بِالسَّلاَمَةِ[1]: جو آدمی اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا رہے، اس کے اس وصف کا میں کسی اور چیز سے مقابلہ نہیں کرتا، اس کی یہ خوبی وہ ہے جو سب سے عمدہ اور اچھی ہے، یہی اصل ہے۔

---

(۱) السنن الکبری للنسائی، عَنْ قَيْسِ بْنِ حَبْتَرٍ، كِتَابُ الْمَوَاعِظِ، رقم الحدیث: ۱۱۸۳۹۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خواہش

حضرت حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے "جامع العلوم والحکم" اس میں انھوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ- جو خلفائے راشدین میں شمار کیے گئے ہیں اور جو پہلی صدی کے مجدد مانے جاتے ہیں، ان- کا جملہ نقل فرمایا ہے: لَيْسَ تَقْوَى اللهِ بِصِيَامِ النَّهَارِ، وَلَا بِقِيَامِ اللَّيْلِ، وَالتَّخْلِيطِ فِيمَا بَيْنَ ذٰلِكَ، وَلٰكِنَّ تَقْوَى اللهِ تَرْكُ مَا حَرَّمَ اللهُ وَأَدَاءُ مَا افْتَرَضَ اللهُ کہ: تقوی دن بھر روزے رکھنے اور رات بھر نماز پڑھنے کا نام نہیں ہے، تقوی تو جن چیزوں کو اللہ تبارک وتعالی نے حرام فرمایا ہے، ان کو چھوڑ دینے اور جن چیزوں کو فرض فرمایا ہے، ان کو ادا کرنے کا نام ہے[1]۔

گویا حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ میں فرض اور وتر کے علاوہ نماز نہ پڑھوں اور زکوۃ کے علاوہ کوئی صدقہ نہ نکالوں، رمضان کے روزوں کے علاوہ کوئی روزہ نہ رکھوں، فرض حج کے علاوہ کوئی حج نہ کروں اور میں اپنی ساری طاقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانے میں استعمال کروں۔ اس لیے یہ گناہوں سے بچنا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

دن کی بیداری نے تم کو ہلاک کر دیا

---

[1] جامع العلوم والحكم في شرح خمسين حديثا من جوامع الكلم[الناشر : دار المعرفة - بيروت]: ۱/ ۱۵۹، الْحَدِيثُ الثَّامِنَ عَشَرَ اتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا.

ایک آدمی اپنی قوم کو، اپنے گروپ کو نصیحت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا، دراصل وہ انھیں قیام اللیل یعنی تہجد کی ترغیب دے رہا تھا کہ نیند نے تم کو ہلاک کر دیا یعنی رات کو اٹھتے نہیں، تہجد پڑھتے نہیں۔ ایک بزرگ نے سنا تو کہنے لگے کہ نیند نے نہیں، بیداری نے ان کو ہلاک کر دیا (۱)۔ دن میں بیدار رہتے ہیں اور گناہ کرتے ہیں، اس نے ان کو ہلاک کر دیا۔

دن میں گناہوں سے بچو اور رات میں سوتے رہو

ایک اور شخص نے کسی بزرگ سے قیام اللیل، رات کی نماز، تہجد کے متعلق پوچھا تو وہ جواب میں فرماتے ہیں کہ دن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ڈرتے ہوئے اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتے رہو اور رات کو سو جاؤ (۲)۔ مطلب یہ کہ اگر رات میں تہجد نہیں پڑھتے لیکن دن میں اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کرتے ہو تو یہ چیز اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

جو صاحبِ ریاضت و مجاہدہ سے آگے بڑھنا چاہے

حضرت عائشہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتی ہیں: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَسْبِقَ الدَّائِبَ الْمُجْتَهِدَ فَلْيَكُفَّ عَنِ الذُّنُوبِ (۳): جو آدمی یہ بات پسند کرتا

---

(۱) أدب الدنیا والدین للماوردی [الناشر: دار مکتبة الحیاة]، ص: ۹۸، الْبَابُ الثَّالِثُ أَدَبُ الدِّینِ.

(۲) أدب الدنیا والدین للماوردی [الناشر: دار مکتبة الحیاة]، ص: ۹۸، الْبَابُ الثَّالِثُ أَدَبُ الدِّینِ.

(۳) الترغیب والترہیب للمنذری [الناشر: دار الکتب العلمیة - بیروت]: ۴/۶۲، کتاب التَّوْبَة والزهد التَّرْغِیب فِي التَّوْبَة والمبادرة بهَا وإتباع، رقم الحدیث: ۴۷۴۷.

ہو، یہ چاہتا ہو کہ وہ ایسے آدمی سے جو عبادات کے اندر خوب مجاہدے اور ریاضتیں کر رہا ہے، آگے نکل جائے تو اسے چاہیے کہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے۔

گناہوں سے بچنا بہت اہم ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنْ أَوْلِيَآؤُهٗٓ إِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ [الأنفال: ۳۴]: ولایت کا تاج اس آدمی کے سر پر نہیں رکھا جاتا جو کسی گناہ کا مرتکب ہو، وہی آدمی اللہ تعالیٰ کا ولی بن سکتا ہے جو ہر قسم کے گناہوں کو چھوڑے ہوئے ہو، گناہوں کے ساتھ ولایت حاصل نہیں ہوسکتی، ولایت کو متقیوں کے ساتھ خاص کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے ولی وہی لوگ ہیں جو اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مَا عَبَدَ الْعَابِدُوْنَ بِشَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ تَرْكِ مَا نَهَاهُمُ اللهُ عَنْهُ [1]: اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے، ان چیزوں کو چھوڑنے سے بڑھ کر کوئی عبادت عبادت کرنے والوں نے نہیں کی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ گناہوں کو چھوڑنا بہت بڑی عبادت ہے۔

نیک کاموں کی انجام دہی سے زیادہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنا ضروری ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا اس کی شریعت میں بہت

---

(۱) جامع العلوم والحكم في شرح خمسين حديثا من جوامع الكلم [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۱/۹۶، الْحَدِيثُ التَّاسِعُ مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوهُ وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ.

زیادہ اہمیت ہے اور نیک کام کرنے کے لیے آپ جتنی زیادہ محنت کرتے ہیں، جتنی کوشش کرتے ہیں، گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے اس سے کئی گنا زیادہ کوشش کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ یہ گناہ نیک اعمال کے اثرات کو ختم کردیتے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ اس کو سمجھانے کے لیے ایک بڑی عمدہ مثال بیان فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! آپ نے اپنے کمرے میں راے سی (a|c) لگایا، ایرکنڈیشنر (air conditioner) لگایا جس کے ذریعہ سے کمرہ ٹھنڈا ہوتا ہے لیکن خالی ایرکنڈیشنر لگالینا کمرے کے ٹھنڈا ہونے کے لیے کافی نہیں ہے، یہ بات ضروری ہے کہ باہر کی ہوا اندر نہ آوے، تمام کھڑکیاں، دروازے سب کو بند کرنا ضروری ہے، حتّٰی کہ سوراخوں کو بھی بند کرنا ضروری ہے، یہ سب بند کرے گا، باہر کی ہوا اندر نہیں آنے دے گا تو اس ایرکنڈیشنر کے نتیجے میں اس کا کمرہ ٹھنڈا ہوگا اور جو مقصد ہے، وہ حاصل ہوگا۔

اور اگر اس نے ایرکنڈیشنر تو لگایا اور اس کو چالو بھی کیا اور پوری طاقت سے چالو کیا لیکن دروازے اور کھڑکیاں بند نہیں کیں، کھلی ہوئی ہیں تو یہ اے سی ۲۴ر گھنٹے بھی چلتی رہے تو بھی اس سے نکلنے والی ٹھنڈک آپ کے کمرے کو ٹھنڈا نہیں کرے گی، دروازوں اور کھڑکیوں کے ذریعہ باہر سے جو گرمی آرہی ہے، وہ کمرے کو کبھی بھی ٹھنڈا ہونے نہیں دے گی۔ آپ اے سی کی ٹھنڈک چاہتے ہیں تو پہلے کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں بند کرو، تب کمرہ ٹھنڈا ہوگا۔

اسی طرح ہم عبادات کے ساتھ ساتھ گناہ کیے چلے جارہے ہیں، گناہوں کے

دروازے اور کھڑکیاں کھلے ہوئے ہیں، چوپٹ ہیں، کوئی گناہ ایسا نہیں جو ہم نہیں کرتے، اس کے ساتھ اگر تہجد بھی پڑھ رہے ہیں، تلاوت بھی کرر ہے ہیں، تسبیحات کا سلسلہ بھی جاری ہے تو اس سے جو فائدہ ہونا چاہیے، وہ ہوگا نہیں اور کبھی بھی اللہ کا قرب حاصل نہیں ہوگا۔ ہم جو نیک اعمال کرتے ہیں اور ان نیک اعمال کا اثر اپنے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کریں، ایک کھڑکی بھی گناہ کی ہم نے کھلی رکھی تو ان نیک کاموں کا اثر ظاہر نہیں ہوگا۔

بدنگاہی اور دوسرے گناہ انسان کی نیکیوں کے نور کو ختم کر دیتے ہیں

بدنگاہی یعنی اپنی آنکھ کو غلط استعمال کرنا: نامحرم عورتوں کو دیکھنا، ان کی تصویروں کو دیکھنا، چاہے وہ اخبارات کے اندر ہو، چاہے ٹی وی کے اندر ہو، چاہے موبائل کے اندر ہو، اس کو بدنگاہی کہتے ہیں۔

اس بدنگاہی کے متعلق کسی نے حکیم الامت حضرت شاہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی **نور اللہ مرقدہٗ** سے سوال کیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بدنگاہی کی وجہ سے آدمی کی طاعات میں سے نور ختم ہو جاتا ہے، طاعات کے نور کو یہ سلب کر لیتی ہے یعنی نیکیوں کے نتیجے میں جو نور قلب میں پیدا ہونا چاہیے، بدنگاہی کی وجہ سے وہ نور ختم ہو جاتا ہے۔

ہم اور آپ کوئی بھی نیکی کا کام کریں گے تو ایک تو اس پر اس کا ثواب ملتا ہے اور دوسرا اس نیک عمل کا اثر نیکی کرنے والے کے باطن پر ہوتا ہے، اس کے دل کے اندر نور پیدا ہوتا ہے، اُدھر نامۂ اعمال میں ثواب لکھا جاتا رہتا ہے اور دل میں نور پیدا

ہوتا جاتا ہے۔ ہم اور آپ نمازیں پڑھیں گے اور قرآنِ پاک کی تلاوت کریں گے، تسبیحات پڑھیں گے تو ثواب تو ملے گا، اس نماز پر جو ثواب ہے، پورا ملے گا، اس تلاوت پر جو ثواب ہے، وہ پورا ملے گا اور نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔

اب اگر نماز اور تلاوت اور تسبیحات وغیرہ نیکیاں کر رہے ہیں اور ساتھ میں کوئی گناہ نہیں کر رہے ہیں، بدنگاہی بھی نہیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ثواب بھی لکھا جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ دل میں نور بھی پیدا ہوتا جائے گا، دل منوّر ہوتا جائے گا۔

لیکن اگر ایک آدمی ایک طرف تو یہ عبادتیں کرتا ہے، دوسری طرف عورتوں کو تاکتا جھانکتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کی تمام عبادتوں کا نور سلب ہوجاتا ہے، اس نماز اور تلاوت کی وجہ سے اس کے قلب کے اندر جو کیفیت پیدا ہونی چاہیے، بدنگاہی کی وجہ سے وہ پیدا نہیں ہوگی۔

یہ گناہ اتنی خطرناک چیز ہے، اس لیے ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ آدمی نیک کام کرنے کے لیے جتنی محنت کرتا ہے، اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کے لیے اس سے ڈبل محنت کرے، اس سے کئی گنا زیادہ محنت کرے، ورنہ ایک طرف آپ نیکیاں کر رہے ہیں اور دوسری طرف گناہوں کا سلسلہ بھی جاری ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ نیک کاموں کے جو فوائد اور اثرات مرتب ہونے چاہئیں، وہ مرتب نہیں ہوں گے۔

محرمات کا ارتکاب کرنے والا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا نافرمان بناتا ہے

الغرض! گناہوں سے بچنا بہت زیادہ ضروری ہے، جن کاموں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، جن کاموں کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے،

ان کاموں کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی - خدا نہ کرے - کرلے تو وہ ایسا کام کرکے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا نافرمان بنا رہا ہے، اس لیے کہ جن کاموں سے روکا ہے، وہ گناہ کے کام ہیں، حرام کام ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے، جو ان کاموں کو کرے گا، گویا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے اپنے آپ کو گنہگار بنا رہا ہے اور گنہگار بنا تو اب وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آ گیا، اس پر اللہ تعالیٰ کیا گرفت فرمائیں گے، ہم اس کو نہیں بتلا سکتے، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کیا سزا دیں گے، کچھ کہہ نہیں سکتے۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ اگر وہ مؤمن ہے اور ان گناہوں کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو سزا دینا تجویز فرمالیا تو جہنم میں سزا بھگتنے کے لیے جائے گا اور سزا پوری کرکے جنت میں ضرور جائے گا لیکن جہنم ایسی خطرناک جگہ ہے کہ ایک لمحے کے لیے بھی، ایک سیکنڈ کے لیے بھی اس میں جانا کسی کے بس کا نہیں ہے، بڑا خطرناک ہے۔

تو یہ حرام کام ایسے ہیں کہ ان کا ارتکاب کرے، ان کو انجام دے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ گیا، نقصان پہنچے گا۔

نیکی کرنا آسان ہے اور گناہوں سے خود کو بچانا بہت مشکل ہے

گناہوں سے بچنا بہت اہم کام ہے۔ دیکھو! جب شبِ برأت آتی ہے تو جو بڑے بڑے گنہگار ہیں، وہ سب سے پہلے نہا دھو کر، نئے نئے کپڑے پہن کر پہلی صف میں آکر بیٹھ جائیں گے اور روزانہ پہلی صف میں نمازوں کی پابندی کرنے والوں سے بھول سے بھی ذرا تاخیر ہوگئی تو گئے کام سے! معلوم ہوا کہ نیکی کرلینا تو بہت آسان ہے لیکن گناہوں سے اپنے آپ کو بچانا بہت مشکل ہے اور بہت اہم ہے۔ یہ بڑی راتیں

آتی ہیں تو آدمی نیکی کر لیتا ہے۔

بزرگوں کے پاس جاتے ہیں تو ہم لوگوں کا عام ذہن کیسا ہوتا ہے؟ ہم بھی بزرگوں کو اپنے ذہن سے جانچتے ہیں، کسی بزرگ کی خدمت میں گئے تو ہم دیکھیں گے اور سوچیں گے کہ میں تو روزانہ اشراق پابندی سے پڑھتا ہوں اور یہ بزرگ تو اشراق نہیں پڑھتے۔ میں اوّابین دس رکعات پڑھتا ہوں اور یہ تو چار ہی رکعت پڑھتے ہیں، میں تہجد بارہ رکعات پڑھتا ہوں اور یہ تو آٹھ ہی رکعت پڑھتے ہیں، میں تو روزانہ پانچ پاروں کی تلاوت کرتا ہوں اور ان کو برابر دیکھا تو یہ تو ایک ہی پارہ پڑھتے ہیں، اس طرح یہ اپنی عبادات اور اس بزرگ کی عبادات کا مقابلہ اور موازنہ کرتا ہے۔

یہ نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ کے یہ بندے اپنے آپ کو ہر چھوٹی بڑی معصیت سے بچاتے ہیں، یہی تو سب سے بڑا اور اہم کام ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ٘ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ۝۱ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ۝۲﴾: [الملك] وہ ذات جس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا؛ تاکہ آزمائے کہ کس کا عمل اچھا ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ نہیں فرمایا ''اَیُّكُمْ اَكْثَرُ عَمَلًا'' کہ کس کے اعمال زیادہ ہیں بلکہ فرمایا: ''اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا''[1]۔

---

(۱) وَقَوْلُهُ تَعَالَى: لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا أَيْ خَيْرٌ عَمَلًا كَمَا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ، وَلَمْ يَقُلْ أكثر عملا. (تفسير ابن كثير [الناشر: دار الكتب العلمية، منشورات محمد علي بيضون - بيروت]: ۱۹۷/۸)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادات کی تحقیقِ حال کے لیے تین صحابہؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں

بخاری شریف میں واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ تین صحابیؓ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالی علیھن میں سے کسی کے پاس حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کے متعلق پوچھا تو بتائے گئے اور ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا ہیں اور وہ تین صحابی حضرت علی، حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین ہیں۔ انھوں نے آ کر ان سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات پوچھے کہ آپ کے معمولات کیا ہیں؟ نماز اور رات میں سونے کا اور روزے اور دوسرے معمولات کیا ہیں؟۔

کہاں ہم اور کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

انھوں نے معمولات بتلائے کہ رات میں اتنا سوتے ہیں اور اتنی عبادت کرتے ہیں، مہینے میں اتنے دن روزے رکھتے ہیں، اتنے دن افطار کرتے ہیں، بیویوں کے ساتھ اختلاط بھی فرماتے ہیں۔ اس کوسُن کر بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں: **كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا**– یہ بخاری شریف کے الفاظ ہیں، یاد رکھنا– کہ: گویا ان حضرات کو یہ معمولات کم معلوم ہوئے۔

صحابہؓ کا ادب

چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ تھا۔ آدمی کو جب کسی سے محبت ہوتی ہے اور اس کے کسی عمل پر دل میں کوئی دوسرا خیال آتا ہے تو بھی محبت کی وجہ سے اس کی تاویل کر لیتا ہے، محبت ہوتی ہے تو اعتراض نہیں کرتا بلکہ تاویل کر لیتا ہے۔

چنانچہ انھوں نے تاویل کی اور انھوں نے یوں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بخشے بخشائے ہیں، قرآن میں باری تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ [الفتح: ۲]، آپ تو اتنی عبادت بھی نہ کریں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور ہم کہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرص کر سکتے ہیں۔ ہم تو ہلاکت کے کگار اور کنارے کھڑے ہیں۔ اس لیے ہمیں ضرورت ہے کہ ہم بہت زیادہ اہتمام کے ساتھ مجاہدے اور محنتیں کریں۔

ان حضراتِ صحابہؓ کا باہم عہد و پیمان

چنانچہ ان میں سے ایک نے وہیں یہ طے کیا اور اپنے فیصلے کا اعلان کر دیا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ کبھی افطار نہیں کروں گا، مسلسل روزے رکھوں گا۔ افطار نہیں کرنے کا مطلب یہ کہ کوئی دن خالی نہیں جانے دوں گا۔

دوسرے نے یوں کہا کہ میں ہمیشہ رات بھر عبادت کروں گا، کبھی سوؤں گا نہیں اور تیسرے نے یوں کہا کہ میں کبھی نکاح نہیں کروں گا۔

یہ باتیں اور عہد و پیمان ان ہی زوجۂ مطہرہ کے سامنے آپس میں طے کیں جن

سے انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے معمولات دریافت کیے تھے۔ اس کا اظہار بھی کیا اور وہاں سے رُخصت ہوئے۔

جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سب ماجرا بیان کیا کہ ایسا ایسا ہوا کہ آپ کے رفقاء میں سے تین آدمی آئے تھے، انھوں نے ایسی ایسی باتیں کیں اور ان میں سے ہر ایک نے ایک عہد کیا ہے اور کہا کہ میں ایسا کروں گا، میں ایسا کروں گا۔

کون دعوی کرسکتا ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ تقوے کا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا، خطبہ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسوس کیا اور ضروری سمجھا کہ یہ نظریاتی کمزوری ہے اور اس نظریے کے اصلاح کی ضرورت ہے۔ -بخاری شریف کی روایت ہے- اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً صحابہ کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے خطبہ دیا اور اپنے اس خطبے میں قسم کھا کر ارشاد فرمایا: **أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ** کہ: اللہ کی قسم! میں تم سب لوگوں میں اللہ تعالی کا سب سے زیادہ تقوی رکھنے والا اور اللہ تعالی کی سب سے زیادہ خشیت رکھنے والا اور ڈرنے والا آدمی ہوں۔ ظاہر ہے کہ تقوی کا جو مقام نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل تھا، کون ہے جو اس مقام پر پہنچ سکتا ہے اور اللہ تعالی کا خوف اور اللہ تعالی کی خشیت جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک میں تھی، کون اس کا دعوی کرسکتا ہے!۔

محبت جس نے کی تم سے، خدا کو پالیا اس نے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ متقی تو میں ہوں، سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا میں ہی ہوں، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ: اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں یعنی مہینے کے کچھ دنوں میں روزے بھی رکھتا ہوں اور باقی دنوں میں افطار بھی کرتا ہوں، ایسا نہیں کہ پورا مہینہ روزے رکھتا رہوں اور رات کے کچھ حصے میں سوتا ہوں اور کچھ حصے میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔

مطلب یہ کہ رات کو نہ سونا یہ اگر خشیت اور تقوے کا تقاضا ہوتا تو میں اس کو کرتا، اگر زیادہ تقویٰ والا ہونے کی علامت یہ ہوتی کہ رات بھر آدمی سوئے ہی نہیں، بس عبادت ہی کرتا رہے، کبھی افطار نہ کرے تو یہ کام میں کرتا لیکن میں تو یہ کر رہا ہوں، کبھی روزہ رکھتا ہوں، کبھی افطار کرتا ہوں، رات کے کچھ حصے میں سوتا ہوں اور کچھ حصے میں عبادت کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ تقویٰ اور خشیت کا تقاضا وہ نہیں جس کا تم نے فیصلہ کیا، تقویٰ اور خشیت کا تقاضا وہ ہے جو میں کر رہا ہوں، میرے طریقے پر چلو۔

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي [1]: یہ میرا طریقہ ہے، جو میرے طریقے سے ہٹے گا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ گویا نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتلادیا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب تو میرے بتلائے ہوئے طریقے سے حاصل ہوگا، تم اس کے

---

(۱) صحیح البخاری، عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُ، باب التَّرْغِيبِ فِي النِّكَاحِ، رقم الحديث: ۵۰۶۳.

لیے اپنے ذہن سے کچھ تجویز کرو، اس سے بات بنتی نہیں ہے۔

سب سے زیادہ تقویٰ اور خشیت نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہے، مطلب یہ ہے کہ تم نے جو فیصلے کیے، وہ تقویٰ اور خشیت کا تقاضا نہیں، تقویٰ اور خشیت کا تقاضا وہ ہے جو میں کر رہا ہوں، اس لیے میرے طریقے کو اختیار کرو۔

عبادت اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کی وجہ سے ہی عبادت بنتی ہے

عبادت بھی عبادت بنتی ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کی وجہ سے، اس کو یاد رکھنا، میرے اور آپ کے ذہن سے عبادت نہیں بنا کرتی، اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام عبادتوں میں، نماز روزہ وغیرہ میں بعض اوقات ایسے رکھے کہ جن میں وہ عبادت ادا نہیں کر سکتے: اوقاتِ مکروہہ میں نماز سے منع کیا کہ جب سورج نکل رہا ہو اور سورج جب بالکل سر کے اوپر ہو اور سورج جب ڈوب رہا ہو تو نماز پڑھنا گناہ ہے، نماز جیسا افضل عمل لیکن گناہ ہے۔

روزے کو لے لیجیے کہ عید کے دن روزہ رکھنا گناہ ہے، ایّامِ تشریق میں روزہ رکھنا گناہ ہے۔

گویا اللہ تبارک وتعالیٰ نے بتلا دیا کہ نماز ہو یا روزہ، یہ عبادت عبادت بنتی ہے اور اس میں کمال آتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم پورا کرنے کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کرو گے تو عبادت ہے، ورنہ نہیں، سیدھی بات ہے۔

اسی لیے آپ یاد رکھئے کہ بدعت جو ہوتی ہے تو بدعتی کے اخلاص میں کوئی کمی نہیں ہوتی، اس کی نیت تو درست اور اچھی ہوتی ہے لیکن عمل سنت سے ہٹ کر کرتا ہے،

دو چیزیں ضروری ہیں: اخلاص بھی ضروری ہے اور اتباع بھی ضروری ہے، اخلاص ہے، اتباع نہیں ہے تو بھی ناکام، اتباع ہے، اخلاص نہیں ہے تو بھی جہنم میں جائے گا۔

الغرض! حدیث میں یہ بتلادیا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو طریقہ ہے، وہی اصل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح کردی۔

تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ کہ: اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچو، تم سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے، اس لیے اگر کوئی لوگوں میں سب سے بڑا عبادت گزار بننا چاہتا ہے تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جن چیزوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے منع فرمایا ہے، ان سے اپنے آپ کو بچالے۔

حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں گناہوں کی بے انتہا قباحت

آج ہمارے اس دور میں لوگوں کے قلوب میں گناہوں کی قباحت اور برائی جیسی ہونی چاہیے، ویسی باقی نہیں رہی، ختم ہوگئی، عبادتیں بہت کرتے ہیں لیکن گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ آپ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کی زندگیوں اور ان کی سیرت کا مطالعہ کیجیے، ایک ایک صحابی چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو، ایک چھوٹے سے گناہ کا بھی اگر صدور ہوجاتا تو بے چین ہوجاتے تھے اور بے چین ہوکر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کے آپ سے درخواست کرتا تھا کہ اے اللہ کے رسول! اس گناہ کی جو سزا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے، وہ میرے اوپر جاری کرکے آپ مجھے اس گناہ سے پاک صاف کردیجیے، ان کی

نیند اڑ جاتی تھی، چین اور سکون چھین جاتا تھا۔

ایک اجنبیہ عورت کو بوسہ دینے پر ایک صحابیؓ کی بے چینی اور حد جاری کرنے کا مطالبہ

ایک صحابیؓ ہیں، کھجوریں بیچا کرتے تھے۔ ایک عورت کھجور خریدنے کے لیے آئی، اس کو دیکھا، نفس کا تقاضا ہوا تو جھٹ سے بوسہ لے لیا۔ بوسہ لینے کو تو لے لیا لیکن فوراً دل میں احساس ہوا کہ میں نے بڑا جرم کیا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھ پر حد جاری کیجیے۔

حد جاری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس گناہ کی جو سزا مقرر کی گئی ہے، جیسے زنا کے لیے سزا مقرر کی گئی ہے کہ اگر شادی شدہ نہیں ہے تو سو کوڑے اور شادی شدہ تو پتھر مار کر ختم کر دیا جائے۔

تو ان صحابیؓ نے عرض کیا کہ میرے اس گناہ کی بھی کوئی حد اور سزا ہے تو مجھ پر جاری کر کے اس گناہ سے مجھے پاک کیجیے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ تو انھوں نے قصہ بیان کیا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ نماز کا وقت آ گیا، اذان ہوئی، جماعت کے ساتھ نماز پڑھی گئی، اس کے بعد ان صحابیؓ نے دوبارہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وہی درخواست کی کہ اس گناہ کی جو بھی سزا ہے، وہ مجھ پر جاری کر کے اس گناہ سے مجھے پاک کیجیے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نے میرے ساتھ نماز پڑھی یا نہیں؟ کہا کہ ہاں! پڑھی تو فرمایا کہ قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ﴾ [هود]، چوں کہ تم نے ہمارے ساتھ یہ نماز پڑھی ہے، اس کی وجہ سے تمھارا یہ گناہ معاف ہوگیا۔ اس آدمی نے پوچھا: أَلِيَ هَذِهِ؟ کہ یہ میرے لیے خاص ہے یا تمام لوگوں کے لیے ہے؟ - یہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جو بخاری شریف میں موجود ہے- تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ أُمَّتِي کہ ان تمام لوگوں کے لیے ہے جو اس پر عمل کریں [1]۔

نیکیوں سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، کبیرہ نہیں

یعنی جو گناہ صغیرہ اور چھوٹے ہیں، وہ اس طرح کی نیکیوں سے بھی معاف ہو جاتے ہیں لیکن کبیرہ اور بڑے گناہ نیکیوں سے معاف نہیں ہوتے، اس کے لیے توبہ شرط اور ضروری ہے۔

---

(۱) واقعہ کا ابتدائی حصہ بخاری شریف میں نہیں ملا، علامہ عینیؒ نے شرحِ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے اس کو اسی حدیث کے ذیل میں نقل کیا ہے لیکن اُس میں اور اِس واقعے میں قدرے فرق نظر آتا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے: (عمدة القاري شرح صحيح البخاري [الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت]: ۲۹۸/۱۸، (بابُ قَوْلِهِ: {وأَقِمِ الصَّلاَةَ طَرَفَيِ النَّهارِ وزُلَفاً مِنَ اللَّيْلِ إنَّ الحَسَناتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئاتِ ذالِكَ ذِكْرَي لِلذَّاكِرِينَ} (هود: ۱۱۴))

فضائل نماز کے اندر آپ نے سنا ہوگا، جہاں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کی مثال دی ہے: أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا، مَا تَقُولُ: ذَلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ کہ کسی آدمی کے مکان کے سامنے نہر بہہ رہی ہو اور دن میں پانچ مرتبہ اس میں غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کوئی میل باقی رہے گا؟ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین نے عرض کیا کہ ہرگز نہیں! تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فَذَلِكَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الخَمْسِ، يَمْحُو اللَّهُ بِهِ الخَطَايَا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھنے والے کی یہی مثال ہے کہ اس کے جسم پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ مٹا دیتے ہیں [1]۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

بات یہ چل رہی تھی کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین سے اگر گناہ صادر ہو جاتا تو ان کی حالت اس طرح ہو جاتی تھی کہ گناہ معاف کرائے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ آج ہم بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور دلوں میں ندامت کا ذرّہ برابر احساس نہیں ہوتا، یہ ایک بہت خطرناک چیز ہے جو آج ہماری سوسائٹی میں تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے، اپنے آپ کو اس سے دور کرنے کی ضرورت ہے۔

تقویٰ کیسے حاصل ہوگا؟

---

(۱) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله تعالى عنه، كِتَابُ مَوَاقِيتِ الصَّلاَةِ، بَابٌ: الصَّلَوَاتُ الخَمْسُ كَفَّارَةٌ، رقم: ۵۲۸.

اور گناہوں سے بچنے اور تقویٰ حاصل کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان بندوں کی صحبت اختیار کرنی پڑے گی جو اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کرتے ہیں، قرآن میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَاۤيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [التوبة]: اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو یعنی گناہوں کو چھوڑ دو۔

اور گناہ کیسے چھوٹیں گے؟ آپ عالمیت کا پورا نصاب پڑھ لیں، ساری کتابیں حفظ کرلیں، اول نمبر حاصل کرلیں، اس سے تقویٰ نہیں آئے گا، تقویٰ تو اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کی صحبت میں رہنے سے حاصل ہوگا جو اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ہر چیز کے لیے وہی طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس چیز کو حاصل کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے، دنیا دارالاسباب ہے، یہاں ہر چیز کے حصول کے لیے اس کے مناسب سبب اختیار کرنا پڑتا ہے تو تقویٰ یعنی گناہوں سے بچنے کے لیے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان نیک بندوں کی صحبت اختیار کرنی پڑے گی جو اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

سو آدمیوں کے قاتل کی محض توبہ کا ارادہ کرنے پر معافی

بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے ننانوے قتل کیے تھے پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ میں نے تو بہت خطرناک کام کیا ہے، میرا کیا ہوگا؟ میری توبہ قبول ہوسکتی ہے یا نہیں؟، کچھ لوگوں سے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے کہ جس سے میں معلوم کروں۔ اس نے تو لوگوں سے "عَنْ أَعْلَمِ أَهْلِ الْأَرْضِ" اس وقت کے

سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا تھا [۱] لیکن لوگوں نے ایک عابد کا پتہ بتلا دیا، بہ جائے عالم کے عابد کا پتہ دے دیا۔

سو (۱۰۰) واں قتل

یہ آدمی اس عابد کے پاس پہنچا اور کہا کہ میں نے ننانوے قتل کیے ہیں، میرے لیے توبہ کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اس عابد نے کہا کہ ننانوے قتل کیے ہیں اور توبہ کی بات کرتا ہے؟ تیرے لیے توبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس کو غصہ آیا اور کہا کہ اچھا! ننانوے قتل ہیں، ایک اور سہی، یہ کہہ کر اس کو بھی قتل کر دیا۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

ایک عالم کا مشورہ

اس کے بعد پھر اپنے گناہوں کا خیال آیا اور لوگوں سے اعلم الناس یعنی بڑے عالم اور جانکار کے بارے میں پوچھا تو اس مرتبہ لوگوں نے بہ جائے عابد کے ایک عالم کا پتہ بتلایا، وہ اس عالم کے پاس پہنچا اور حقیقت بتلائی اور پوچھا کہ میرے لیے توبہ ہے؟ اس عالم نے کہا کہ ہاں! توبہ کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے، کس نے بند کیا ہے؟ اچھا تو ایک کام کر، جس بستی میں تو رہتا ہے، اس بستی میں تیرے ہی جیسے سب گنہگار ہیں، اس بستی کو چھوڑ کر فلاں جگہ نیک لوگوں کی ایک بستی ہے، وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتے ہیں، گناہ نہیں کرتے، اپنے آپ کو گناہوں سے بچا رہے ہیں، تم وہاں پہنچ جاؤ اور

---

[۱] یہ اضافہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے۔ (صحیح مسلم، عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ قَبُولِ تَوْبَةِ الْقَاتِلِ، رقم الحدیث: ۷۱۰۸)

ان کے درمیان میں رہو، ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس رہنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمھاری توبہ قبول فرمائے۔

چنانچہ یہ آدمی اس عالم کے مشورے کے مطابق اس بستی کی طرف جانے کے لیے روانہ ہوا، وہ ابھی راستے ہی میں تھا، آدھا راستہ طے کیا تھا کہ اس کی موت کا وقت قریب آ گیا، فرشتوں نے اس کی روح قبض کر لی۔

راستے میں موت اور ملائکۂ رحمت وعذاب میں نزاع

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ اس کی موت کا وقت قریب ہوا تو فرشتے روح قبض کرنے کے لیے آئے۔ اب اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں نیک لوگوں کی روح قبض کرنے والے فرشتے الگ ہیں اور گنہگاروں کی روح قبض کرنے والے فرشتے الگ ہیں۔ اب یہاں دونوں قسم کے فرشتے پہنچ گئے، دونوں میں سے ہر ایک دعوے دار ہے کہ اس کی روح پر ہم قبضہ کریں گے، نیک لوگوں کی روح قبض کرنے والے فرشتوں نے کہا کہ بھائی! یہ توبہ کے ارادے سے چلا ہے اور گنہگاروں کی روح قبض کرنے والے فرشتوں نے کہا کہ ابھی توبہ تھوڑی کی ہے، ابھی تو صرف توبہ کے ارادے سے نکلا ہے، اس لیے ہم اس کی روح پر قبضہ کریں گے

اور بخاری شریف کے مطابق فرشتوں میں یہ اختلاف اس کی موت بعد ہوا کہ اس روح کو جنت میں لے جائیں یا جہنم میں؟ ملائکۂ رحمت اور ملائکۂ عذاب میں اس سلسلے میں نزاع اور جھگڑا ہو گیا۔ رحمت کے فرشتے کہنے لگے کہ وہ تو توبہ کے ارادے سے جا رہا تھا یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو چکا ہے اور عذاب والے فرشتے کہنے

لگے کہ وہ ابھی اس بستی میں پہنچا تھوڑی ہے، ابھی تو راستے میں ہے، اس لیے وہ رحمت کا مستحق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت

اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے ہی کو ان کے پاس انسانی شکل میں بھیجا، انھوں نے اس کو اپنے اس نزاع میں حکم بنایا اور اس کے سامنے اپنا یہ کیس رکھا کہ ہمارے اس جھگڑے کا آپ فیصلہ کر دیں تو اس فرشتے نے یہ فیصلہ سنایا کہ مسافت کو ناپ لو: جہاں سے نکلا ہے یعنی گنہگاروں کی بستی، وہاں سے لے کر اس جگہ تک کی مسافت اور یہاں سے لے کر جس بستی کی طرف جا رہا تھا یعنی نیک لوگوں کی بستی، اس کی مسافت ناپ لو، یہ آدمی جس جگہ کے قریب ہو، اس کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

ویسے تو وہ بالکل بیچ ہی میں تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہو چکی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو-جس کی طرف وہ جا رہا تھا، اس کو-حکم دیا کہ تو ذرا اس آدمی کے ایک بالشت قریب ہو جا، کیوں کہ مقربین کی بستی تھی اور جس بستی سے نکلا تھا، اس کو حکم دیا کہ تو ذرا دور ہو جا، جب ناپا گیا تو اس بستی سے تھوڑا سا قریب تھا، جس کی طرف جا رہا تھا، اس لیے جنت کا فیصلہ کر دیا[۱]۔

---

[۱] اس واقعے میں کچھ باتیں بخاری شریف سے لی گئی ہیں اور کچھ باتیں مسلم شریف سے لی گئی ہیں: صحیح البخاری، عَنْ أَبِي سَعِيدِ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تعالى عَنْهُ، بَابُ حَدِيثِ الغَارِ، رقم الحدیث: ۳۴۷۰، صحیح مسلم، عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ تعالى عنه، بَابُ قَبُولِ تَوْبَةِ الْقَاتِلِ، رقم الحدیث: ۷۱۰۸.

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ صرف توبہ کا ارادہ کرنے اور توبہ کے لیے ایک بستی کی طرف جانے ہی پر سو آدمیوں کے قاتل کو معاف فرما دیا اور جنت میں داخل فرما دیا۔

گناہوں سے بچنے کا عادی بننے کا صحیح طریقہ قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی بہت اہمیت ہے کہ آدمی اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کی محنت کرے لیکن ہم لوگ اس کے لیے جو تدبیریں اختیار کرتے ہیں، وہ صحیح نہیں ہوتیں، کتابیں پڑھ لینے سے یا مطالعہ کر لینے سے یہ چیز حاصل نہیں ہوتی، یہ تو اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرتے ہیں، قرآن میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [التوبة]: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، تقویٰ اختیار کرو یعنی گناہوں کو چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ نے اس کا طریقہ بھی بتلا دیا کہ سچوں کے ساتھ رہو۔

صحبت اپنا اثر رکھتی ہے، بے جان چیز کی صحبت بھی اپنا اثر رکھتی ہے، آپ نے اردو کا محاورہ سنا ہوگا کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کپڑے دھو کر کے اور پریس کر کے پیٹی میں رکھتے ہیں تو اس کے ساتھ خوشبو والی چیز بھی رکھتے ہیں یا کافور کی گولیاں رکھتے ہیں، اس کی وجہ سے تمام کپڑے بھی خوشبودار ہو جاتے ہیں۔ اب کپڑے بھی بے جان ہیں اور گولیوں میں بھی جان نہیں ہے لیکن ایک مدت تک دونوں ایک ساتھ رہے تو آپ جب کپڑے نکالیں گے تو خوشبو سے مہک رہے ہوں گے۔ یہ صحبت کا اثر ہے۔

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

مستی کے لیے بوئے مئے تُند ہے کافی	❁	مے خانے کا محروم بھی محروم نہیں رہتا

صحبت کے ثمرات شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستاں کے مقدمے میں صحبت کی تاثیر کو بیان کرنے کے لیے بہت اچھے اشعار بیان فرمائے ہیں۔

میں یہاں (کناڈا میں) جب حاضر ہوا تو مولانا محمد صاحب کے والد بزرگوار حضرت مولانا یوسف صاحب بوڈھانیا دامت برکاتہم (اب ان کی وفات ہو چکی ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ) کی عیادت کے لیے گیا تھا، یہ ہمارے استاذ ہوتے ہیں، فارسی کے دونوں درجے ہم نے ان ہی سے پڑھے، حضرت نے بہت محبت سے پڑھایا پھر جس سال میں فارغ ہوا، پڑھا تو تھا دوسرے تیسرے سال اور فراغت نویں سال ہوئی تو فراغت کے موقع پر حضرت نے مجھے اپنی ذاتی گلستاں ہدیے میں عطا فرمائی تھی۔ یہ گلستاں ہے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مقدمے میں چند اشعار لکھے ہیں۔ میں ان اشعار کو سناتا ہوں پھر اس کی تشریح کرتا ہوں: ؎

گلِ خوشبوئے در حمام روزے	❁	رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری	❁	کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بہ گفتا من گلِ ناچیز بودم	❁	ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشین در من اثر کرد	❁	وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اشعار کی تشریح

فرماتے ہیں کہ مٹی کی ایک ٹکیا- ہمارے زمانے میں جس طرح نہانے کے لیے صابون کا استعمال کرتے ہیں، اس زمانے میں خوشبو میں بسائی ہوئی مٹی کی ٹکیا کو غسل کے لیے استعمال کرتے تھے، مٹی کو پھولوں کی خوشبو کے ساتھ بسایا جاتا تھا اور اس مٹی میں پھولوں کی خوشبو آجاتی تھی اور اس کی ٹکیا بنائی جاتی تھی۔ یہ صابون بھی جو بنتے ہیں، اس میں بھی بہت ساری چیزیں ڈالی جاتی ہیں، مٹی کے اجزاء بہت سارے ہوتے ہیں، اس میں کچھ خوشبو بھی ڈال دی جاتی ہے۔ اس زمانے میں اسی طرح مٹی کی ٹکیا خوشبو میں بسا کر تیار کی جاتی تھی جو صابون کے طور پر استعمال ہوتی تھی-

تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: گِلِ خوشبوئے در حمام روزے: ایک مرتبہ، ایک دن غسل خانے میں مٹی کی ایک خوشبودار ٹکیا میرے ہاتھ میں آئی، رسید از دست محبوبے بدستم: ایک محبوب کے ہاتھ سے میرے ہاتھ میں پہنچی۔ بہ دو گفتم کہ مشکی یا عبیری، کہ از بوئے دلاویزِ تو مستم: میں نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تو کون ہے؟ مشک ہے یا عنبر ہے؟ کہ تیری دل کو لبھا لینے والی خوشبو کی وجہ سے میرا تو دماغ مست ہو گیا، میری طبیعت پر ایک مستی، کیف اور سرور سا طاری ہو گیا، تو ہے کون؟۔

بہ گفتا من گل ناچیز بودم: اس کے جواب میں وہ کہنے لگی: میں تو معمولی سی مٹی تھی، ولیکن مدتے با گل نشستم: ایک زمانہ میں پھول کی صحبت میں رہی یعنی مجھے پھول کے ساتھ رکھا گیا، اسی کا یہ اثر ہے کہ یہ خوشبو میرے اندر آئی۔ جمالِ ہمنشین در من اثر کرد: میں جس کی صحبت میں رہی، اسی کے جمال اور خوب صورتی نے، اس کی خوبیوں

نے مجھ میں اپنا اثر کیا ہے، وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم: ورنہ تو میں آج بھی وہی مٹی ہوں، میری حقیقت نہیں بدلی ہے لیکن اس کا اثر آ گیا اور اس کی وجہ سے میرا نام بدل گیا۔ یہ صحبت ہے۔

اگر ہم اور آپ چاہتے ہیں کہ اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے بچائیں تو اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنی ہی ہوگی۔ اللہ کے وہ بندے جو اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے بچاتے ہیں، گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں، اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کا اہتمام کرتے ہیں، ان کے ساتھ اٹھو گے، بیٹھو گے تو یہ چیز آپ کے اندر بھی آئے گی۔

ایک آدمی کے اندر بہت غصہ تھا، اس نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی **نور اللہ مرقدہٗ** کو لکھا، حضرتؒ سے بیعت کا تعلق تھا، اس نے لکھا کہ حضرت! میرے اندر غصہ بہت ہے، وہ لکھنؤ کے اطراف کا رہنے والا تھا، حضرتؒ نے اس کو جواب میں لکھا کہ لکھنؤ میں ہمارے فلانے خلیفہ ہیں۔ حضرتؒ کے خلیفہ تھے جو طبیب تھے، ان کے متعلق لکھا کہ وہاں رہتے ہیں۔ وہ تو اپنے مطب میں بیٹھ کر اپنا کام کریں گے، بیمار آئیں گے، ان کے لیے دوا تجویز کریں گے، نسخہ لکھیں گے لیکن تم روزانہ ان کے پاس جا کر کے بیٹھنا، کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، ایک کونے میں بیٹھ جانا اور ایک مہینے کے بعد تمھارے اندر جو فرق ظاہر ہو، اس کے متعلق مجھے لکھنا۔

چنانچہ ایسا ہی کیا، ایک مہینے کے بعد اس نے لکھا کہ حضرت! میرے اندر سے غصہ تقریباً ختم ہو چکا ہے اور اس نے لکھا کہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیسے ہوا! نہ میں نے ایک لفظ ان سے کہا اور نہ ایک لفظ انھوں نے مجھ سے کہا، نہ میں نے ان سے کچھ

پوچھا، نہ انھوں نے مجھے کوئی جواب دیا پھر یہ کیسے ہوا؟۔

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دل کو ایسا بنایا ہے، یہ جو اندرونی خوبیاں ہیں، وہ دل کی ہیں، اس کے بارے میں مشہور ہے: ''دل رابدل رہے ست'' کہ آدمی کا دل دوسرے کے دل کے اثر کو قبول کرتا ہے، صحبت کی وجہ سے یہ اثر پہنچتا ہے، صحبت تو جانوروں کی بھی اثر کرتی ہے۔

جانوروں کی صحبت کا بھی اثر ہوتا ہے

حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: الْخُيَلَاءُ فِي أَصْحَابِ الإِبِلِ، وَالسَّكِينَةُ وَالوَقَارُ فِي أَهْلِ الغَنَمِ کہ: اونٹوں کے پالنے والوں میں کبر اور نخوت ہوتی ہے اور بکریوں کو پالنے والوں میں مسکنت اور انکساری ہوتی ہے[۱]۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بکری کے مزاج میں مسکنت ہے تو جو ان کے ساتھ رہتے ہیں، ان کے اندر بھی مسکنت آتی ہے اور اونٹوں کے مزاج میں نخوت ہے تو ان کے ساتھ رہنے والوں میں بھی نخوت آتی ہے۔

یہ سارے صحبت کے کمالات ہیں، آج یہ چیز نہیں رہی، آج طلبہ نو نو سال، دس دس سال مدرسے میں پڑھتے ہیں نصاب ختم کرتے ہیں لیکن کسی اللہ والے کی صحبت میں

---

۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، كِتَابُ المَغَازِي، بَابُ قُدُومِ الأَشْعَرِيِّينَ وَأَهْلِ اليَمَنِ، رقم الحدیث: ۴۳۸۸.

رہنے کی توفیق نہیں ہوتی، ایک تسلسل کے ساتھ رہنا چاہیے۔

نو سال مدرسے میں لگائے، اب نو مہینے کسی اللہ والے کے پاس لگاؤ

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بڑے شاگرد فرماتے ہیں کہ جس سال ہم نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بخاری پڑھی تو ختمِ بخاری کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ دیکھو! تم نے اتنے سال یعنی نو سال یہاں علم سیکھنے میں لگائے ہیں تو اب نو مہینے کسی اللہ والے کی صحبت میں رہئے، یہ چیز اس کے بغیر آتی نہیں ہے۔

حضراتِ اکابر دیو بند حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کیوں بیعت ہوئے؟

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، بڑے بڑے اکابر، علم کے پہاڑ، علم کے سمندر۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ ایسے آدمی سے بیعت ہوئے ہیں کہ وہ رسمی طور پر عالم بھی نہیں ہے، عالمیت کا جو نصاب مدارس میں پڑھایا جاتا ہے، وہ بھی انھوں نے پورا پڑھا نہیں ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ صرف شرحِ جامی تک پڑھے ہوئے تھے اور آپ حضرات تو با قاعدہ عالم ہیں پھر آپ حضرات ان سے کیوں بیعت ہوئے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ دیکھو! ایک آدمی مٹھائیوں کے نام پڑھے کہ اس مٹھائی کا یہ نام ہے اور اس کا یہ نام ہے اور فلانی کا یہ نام ہے، اس کا یہ فائدہ ہوتا ہے اور اس میں یہ مواد استعمال ہوتا ہے، یہ سب کچھ اس نے پڑھ لیا لیکن کبھی کھائی نہیں۔

اور ایک دوسرا آدمی ہے جو آپ کو حلوائی کی دکان پر لے جائے اور آپ کے منہ میں میٹھائی رکھ کر کہے کہ اس کا ذائقہ چکھو اور اس کا مزہ دیکھو، یہ میٹھائی کھاؤ، اس کا یہ فائدہ ہے تو ان دونوں میں کون بڑھا ہوا ہے؟ جس نے کھائی ہے اور نام نہیں جانتا یا جو نام جانتا ہے اور کبھی کھائی نہیں؟۔

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کا معاملہ ایسا ہی ہے۔ ہم نے کتابوں میں حروف تو پڑھے تھے، علوم حاصل کیے تھے لیکن کس علم کا کیا فائدہ ہے، حضرت حاجی صاحب نے ہم کو عملی طور پر بتلا دیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ تمام اخلاق، اوصاف، خوبیاں جو قرآن وحدیث میں آئی ہیں، وہ انھوں نے خود حاصل کی ہیں، چاہے رسمی طور پر انھوں نے علم حاصل نہ کیا ہو لیکن ان کو یہ چیز حاصل ہے، اس لیے جب تک ان اللہ والوں کی صحبت حاصل نہیں کریں گے، وہاں تک یہ چیز ہمیں حاصل ہونے والی نہیں۔

دلوں پر نیک لوگوں کی صحبت کا اثر پڑنے کے لیے موانع کو دور کرنا ضروری ہے

حضرت مولانا عبدالحلیم جونپوری رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب **نور اللہ مرقدہٗ** کے اجل خلفاء میں سے ہیں اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ اِلٰہ آبادی **نور اللہ مرقدہٗ** کے بھی خلفاء میں سے ہیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ صحبت اس وقت اثر کرتی ہے، جب کوئی مانع موجود نہ ہو، صحبت کے ساتھ ساتھ رکاوٹ کو دور کرنا

بھی ضروری ہے تو صحبت کا اثر ضرور آئے گا۔

اور ایک مثال دے کر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے یہاں جونپور میں چمیلی کا تیل بناتے ہیں، وہ چمیلی کے پھولوں کو نچوڑ کر نہیں بناتے بلکہ وہ ایسے بناتے ہیں کہ چمیلی کے پھولوں کی ایک تہہ زمین پر بچھاتے ہیں پھر اس کے اوپر تِل کی ایک تہہ رکھتے ہیں پھر اس کے اوپر چمیلی کے پھول کی ایک تہہ بچھاتے ہیں پھر اس کے اوپر تِل کی ایک تہہ رکھتے ہیں۔ اس طرح دو تین تہہ لگاتے ہیں۔ تھوڑے زمانے تک دونوں کو اس طرح ایک ساتھ رکھا جاتا ہے۔ پھر ان تِلوں کو پھولوں سے الگ کر کے کولہو میں پستے ہیں تو اب جو تیل اس سے نکلے گا، وہ تل کا تیل نہیں کہلائے گا بلکہ اس کو چمیلی کا تیل کہتے ہیں، اس سے پہلے وہ تِل کا تیل تھا، اس کے بعد چمیلی کے پھولوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے وہ چمیلی کا تیل کہلایا۔

تلوں میں پھولوں کا اثر لانے کے لیے ایسے ہی نہیں رکھتے بلکہ پہلے دو کام کیے جاتے ہیں: ایک تو ان تلوں کی اچھی طرح دُھلائی ہوتی ہے؛ تاکہ اس کے اوپر مٹی اور گرد وغبار کے جو ذرّات ہیں، وہ دور ہو جائیں پھر اس کی گِھسائی ہوتی ہے، تل کے اوپر ایک سخت باریک جِھلّی ہوتی ہے، پتلا کُو رسا ہوتا ہے، اس جھلی کو دور کیا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ جھلی دوسری چیز کا اثر تل کے اندر آنے میں مانع اور رکاوٹ بنتی ہے، اس رکاوٹ کو دور کیا جاتا ہے پھر ان تلوں کو چمیلی کے پھولوں کے ساتھ رکھا جاتا ہے، تب جا کر اس میں پھولوں کا اثر آتا ہے اور پھر اس کو کولہو میں ڈال کر پِسا جاتا ہے، اب جو تیل نکلے گا، اس کو چمیلی کا تیل کہتے ہیں، حالاں کہ ہے تل ہی کا تیل لیکن چمیلی کے ساتھ صحبت کی وجہ

سے اس کا نام چمیلی کا تیل ہو گیا۔

تو دیکھو! یہ دھلائی اور گھسائی ضروری ہے، ورنہ ایسے ہی آپ ڈال دیں گے تو اس میں چمیلی کا اثر پہنچنے والا نہیں ہے۔ یہی مانع کو دور کرنا ہے۔

اللہ والوں کی صحبت میں لوگ جاتے تو ہیں لیکن ان کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کے لیے جو شرطیں ہیں، ان کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

اللہ والوں سے استفادے کے راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ''انکار'' ہے

اس راہ کے کچھ موانع ہیں اور اس زمانے کے اعتبار سے اس راہ کا سب سے بڑا مانع ''انکار'' ہے۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ چھوٹے چھوٹے رسائل ہیں جو ''مجموعۂ تالیفاتِ وصی الامت'' کے نام سے کئی جلدوں میں طبع ہوئے ہیں، حضرت مولانا قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم کے اہتمام سے یہ کام ہوا ہے، پہلے بھی چھپے تھے۔ حضرت کے ان رسائل میں ایک رسالہ ''اعتقاد و انکار'' ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جس اللہ والے کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کے لیے آپ جا رہے ہیں، ان کے متعلق آپ کے دل میں انکار کی کیفیت نہیں ہونی چاہیے، اعتراض نہیں ہونا چاہیے، یہ اعتراض ان کے فیض کو آپ کے دل تک پہنچنے سے روک دیتا ہے۔

موجودہ دور کا سب سے بڑا فتنہ اعتراض اور انکار ہے

آج ہم اور آپ جس ماحول میں زندگی گذار رہے ہیں، بچپن سے ایسا ماحول

ملتا ہے، اخبارات اور میڈیا کے ذریعہ بچے سے لے کر بڑے تک ہر آدمی کا ذہن ایسا بنتا ہے کہ وہ کسی کی بھی کوئی خوبی ماننے کے لیے تیار نہیں ہے، ہر ایک پر اعتراض اور مزے کی بات یہ ہے کہ اسی کو خوبی سمجھا جاتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی اللہ والے کے پاس پہنچ بھی جاتے ہیں تو ان کا کام وہاں یہ ہوکر رہ جاتا ہے کہ آپس میں باتیں کرتے ہیں کہ انھوں نے ایسا کیا اور انھوں نے ویسا کیا اور ان ہی بزرگ کی مجلس میں بیٹھ کر ان پر اعتراض کیا جاتا ہے، اگر زبان سے اعتراض نہ کیا ہو، دل میں خیال ہی آتا ہو تو اس سے بھی فائدہ نہیں پہنچتا، چہ جائے کہ بہت سے وہ لوگ ہوتے ہیں جو بزرگوں کے پاس جاتے ہیں، ان کی خدمت میں رہتے ہیں لیکن وہاں سے کچھ لے کر آنے کے بہ جائے محرومیت لے کر آتے ہیں، یہ اعتراض کی وجہ سے ہے، اس سے کام چلنے والا نہیں ہے، جب تک کہ ان کے متعلق دل میں اعتقاد نہ ہو، وہاں تک کام بننے والا نہیں ہے، زبان پر تو ہونا ہی نہیں چاہیے، دل میں بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیے، اس کے بغیر فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

شیاطین من الانس سے بھی دور رہیے

بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنے مشائخ سے عقیدت رکھتے ہیں، جن سے وہ بیعت ہیں، ان کے متعلق دل میں عقیدت ہے لیکن دوسرے لوگ ان کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ تم فلانے سے بیعت ہو گئے!، وہ تو ایسا ہے۔ اس طرح اس نے شیخ کے متعلق اس کے دل میں دو باتیں زہر والی ڈال دیں، بات ختم۔ اب اس کے دل میں بھی وسوسہ پیدا ہو گیا اور وہ بھی اپنے شیخ کے فیض سے محروم ہو گیا۔

اسی لیے بزرگوں نے لکھا ہے کہ کسی بھی شیخ کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ ناجنس کی صحبت سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ ناجنس سے مراد وہ شخص ہے جو اس لائن کی خوبیوں کا انکار کرنے والا ہو۔

کسی بڑے مدرسے میں شیخ الحدیث ہے، بخاری شریف پڑھاتا ہے لیکن وہ تصوف کا قائل نہیں ہے تو اس کی صحبت میں ایک دن بھی آپ بیٹھو گے تو یہ ہمیشہ کے لیے آپ کو بے کار بنادے گا، وہی انکار اور اعتراض کے ذریعہ آپ کے اندر بداعتقادی کا زہر ڈال دے گا۔

تو ناجنس کا یہ مطلب ہے کہ وہ آدمی تصوف کے فیوض وبرکات کا قائل نہ ہو، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کوئی جاہل ہو یا کسی دوسرے مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والا ہو، یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔

خانقاہوں میں آنے والوں کی اکثریت اعتراض والی ذہنیت کا شکار ہوتی ہے

واقعۃً اس زمانے کے اندر یہ مرض بہت ہی زیادہ عام ہوگیا ہے، ہم نے دیکھا کہ جو لوگ خانقاہوں میں جاتے ہیں، ان میں آدھی تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے کہ جس شیخ کی خدمت میں گئے ہوئے ہیں، ان سے بدظن ہیں اور ہر آنے والے کے ساتھ اسی کا چرچا کرتے ہیں، معمولی معمولی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ فلانے کو تو اپنے ساتھ کھانے کے لیے بٹھایا اور مجھے نہیں بٹھایا۔ ارے بھائی! تو کھانے کے لیے یہاں

آیا ہے؟ شیخ نے اس کو اپنے ساتھ کیوں بٹھایا؟ وہ وہ جانیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو ان شرائط پر پوری نہ اترنے کی وجہ سے محروم ہو کر جاتی ہے۔

بہر حال! کسی بزرگ کی صحبت میں جانے سے پہلے ضروری ہے کہ اس راہ کی شروط کا لحاظ کرے، "آداب الشیخ والمرید" نام کی کتاب بھی ہے اور اس موضوع پر دوسرے ناموں سے بھی کتابیں ہیں، ان کو پڑھے اور معلوم کرے کہ کیا آداب ہیں اور ان آداب کا لحاظ کرتے ہوئے صحبت میں جائے۔

اعتراض والی ذہنیت کے حامل مرید کے لیے مشورہ

میں نے ایک مرتبہ ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا تھا کہ حضرت! اس زمانے میں لوگوں کا مزاج اس طرح کا ہو چکا ہے تو حضرتؒ نے فرمایا کہ ایسے مزاج والوں کے لیے تو وہاں نہ جانا ہی اچھا ہے، دور دور سے خط و کتابت کرے یا ایسی مختصر مجلس میں بیٹھے کہ جس میں زیادہ اندر اور ڈیپ (deep) میں جانے کی نوبت نہ آئے، ورنہ اس میں ایسا ہو سکتا ہے کہ ذرا کوئی ایسی بات پیش آئی کہ دل کا معاملہ ختم ہو گیا تو پھر وہ فیض سے محروم ہو جائے گا۔

حاصل یہ ہے کہ اس راہ کی جو شرطیں ہیں، ان کا لحاظ کیا جائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلانا اتنی مدت تک وہاں رہا اور جیسا گیا تھا، ویسا ہی آیا بلکہ اس سے دو چند خراب ہو کر آیا تو وہ جو ڈبل خراب ہو کر آیا، اس میں اس بزرگ میں کوئی کمی نہیں ہے بلکہ اس نے اس راہ کی جو شرطیں تھیں، ان کو پورا نہیں کیا۔

یہ تو حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں مذکور پانچ باتوں میں سے پہلی بات "اتَّقِ

الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ" پر بات ہوئی۔

دوسری بات: اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی پر راضی رہو تو سب سے بڑے مال دار بن جاؤگے

حدیث میں دوسری بات نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی: وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمھارے لیے جو لکھ دیا، تمھاری قسمت میں جو روزی لکھ دی، اس پر راضی رہو تو تم سب سے بڑے مال دار بن جاؤ گے۔

غنی اور غِنا کی حقیقی معنی

"أَغْنَى" فرمایا، یہ عربی زبان کا لفظ ہے، جیسے لفظِ غنی ہے، یہ اصل میں غِنا سے بنا ہے اور غِنا کا ترجمہ ہماری اردو زبان میں عام طور پر مال داری سے کرتے ہیں، حقیقت میں یہ اس کا صحیح ترجمہ نہیں ہے، غنی کا صحیح ترجمہ ہے بے نیاز، جو کسی کا محتاج نہ ہو، جس کو کسی کی بھی ضرورت نہ پڑے، کسی کے پاس بھی اس کو اپنی حاجت لے جانا نہ پڑے، وہ غنی ہے، یہ غنی کا اصلی ترجمہ ہے لیکن عام طور پر جس آدمی کے پاس زیادہ مال ہوتا ہے تو وہ اپنی ضرورتیں اپنے اسی مال سے پوری کرتا ہے اور اس کو کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہیں آتی، اس لیے مال دار کو بھی غنی کہہ دیتے ہیں اور اس لیے غنی کا ترجمہ مال دار کر دیتے ہیں، ورنہ مال دار یہ غنی کا حقیقی ترجمہ نہیں ہے۔

کثرتِ مال کے باوجود وہ غریب اور محتاج ہے

اگر کسی کے پاس پیسے تو ہیں لیکن اس کے باوجود اس کے اندر ایسی لالچ ہے کہ ہزاروں، لاکھوں روپے ہونے کے باوجود وہ ایک ایک روپیہ کے لیے مارا مارا پھرتا ہے تو وہ پیسے ہونے کے باوجود غنی نہیں ہے بلکہ محتاج اور غریب ہے۔ جو آدمی ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہو کہ میں زیادہ سے زیادہ مال جمع کروں تو بھلے ہی اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو لیکن کثرت سے مال ہونے کے باوجود مال جمع کرنے کا فکر اور اس کا سودا اس کے سر پر سوار ہے تو اس کو غنی نہیں کہیں گے۔

تو عام طور پر غنی کا ترجمہ جو مال دار کرتے ہیں، وہ صحیح اور حقیقی ترجمہ نہیں ہے بلکہ چوں کہ جس کے پاس مال ہوتا ہے، وہ اس سے اپنی حاجتیں پوری کرتا ہے، گویا کسی کا نیاز مند اور حاجت مند نہیں ہوتا، کسی کے سامنے اپنے ہاتھ نہیں پھیلاتا؛ اس لیے غنی کا ترجمہ مال دار سے کر دیا جاتا ہے، ورنہ اگر مال دار ایسا ہے کہ پیسوں کا ڈھیر ہونے کے باوجود دل میں ایسی لالچ بیٹھی ہوئی ہے کہ بس پیسہ، پیسہ، پیسہ، چوبیس گھنٹے اسی میں لگا رہتا ہے تو وہ غنی کیا ہوا! وہ تو فقیروں سے بڑھ کر محتاج ہو گیا۔

غِنا کی حقیقت حدیث کی روشنی میں

غنا کی حقیقت کیا ہے؟ حدیث میں آتا ہے: **لَيْسَ الغِنَى عَنْ كَثْرَةِ العَرَضِ وَلَكِنَّ الغِنَى غِنَى النَّفْسِ** [۱] کہ: مال اور سامان اور دولت کی زیادتی کا نام غنا نہیں

---

(۱) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، كِتَابُ الرِّقَاقِ، بَابُ الغِنَى غِنَى النَّفْسِ، رقم الحديث: ٦٤٤٦۔

ہے، کسی کے پاس بہت زیادہ مال و دولت ہے تو یہ غنا نہیں ہے بلکہ غنا تو دل کی بے نیازی کا نام ہے، دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ ایسی کیفیت پیدا کر دے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فیصلے پر، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو چیز اس کے لیے تجویز کر لی، اس پر راضی ہو جائے۔

بے نیازی دو چیزوں سے پیدا ہوتی ہے

یہاں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم غنی بننے کا نسخہ بتلاتے ہیں۔ دیکھو! غِنا یعنی بے نیازی، ہم کسی کے محتاج نہ ہوں لیکن یہ بے نیازی کاہے سے آتی ہے؟ تو بے نیازی پیدا کرنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے: (۱) قناعت، اور (۲) رضا بالقضا۔

قناعت کی حقیقت اور مطلب

قناعت کی حقیقت یہ ہے کہ جتنے بھی انسان ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی ضرورتیں رکھی ہیں تو انسان اپنی ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے، کوئی دوکان لے کر بیٹھا ہے، کوئی فیکٹری لے کر بیٹھا ہے، کوئی سروس کرتا ہے، کوئی مزدوری کرتا ہے، کوئی کھیتی باڑی کرتا ہے۔ بہر حال! لوگ اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے الگ الگ تدبیریں کرتے ہیں۔

قناعت کا مطلب یہ ہے کہ شریعت مطہرہ نے اپنی ضرورتوں کو پوری کرنے کے لیے جو جائز طریقہ بتلایا ہے۔ جائز یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی طریقہ نہ ہو تو شریعت کے بتلائے ہوئے جائز طریقے کے مطابق اعتدال کے ساتھ،

بہت غُلو بھی نہ ہو۔

کمائی کے معاملے میں بھی شریعت اعتدال کو پسند کرتی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ضرورت کے مطابق مال ودولت دے رکھی ہے تو اب اس کی فکر مت کرو کہ میں ملینئر اور ٹریلینئر بن جاؤں، ضرورت پوری ہورہی ہے، اتنا کافی ہے۔ بہت سے لوگوں کے پاس تو ان کی دو تین بلکہ دس پشتیں آرام سے کھاویں، اتنا ہوتا ہے تو بھی اسی فکر میں ہوتے ہیں کہ اور زیادہ کمالوں۔ کمائی کے معاملے میں اس طرح زیادہ غُلو کو بھی شریعت پسند نہیں کرتی، بس اپنی ضرورت پوری ہو جاوے، اتنا آدمی کماوے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی کی تعلیم امت کو دی ہے اور اسلاف کے یہاں اسی کا اہتمام ہوتا تھا۔

بعض تو ایسے تھے کہ اس دن کی روزی آگئی تو بس کردیا، مثلاً کسی کا طِب کا پیشہ تھا، دو بیمار آگئے اور اتنا پیسہ مل گیا کہ آج کی ضرورت پوری ہوگئی، اس کے بعد اگر کوئی آگیا تو کہتے کہ آج نہیں، کل آنا؛ کیوں کہ آج کی میری ضرورت پوری ہوگئی، ایسے واقعات موجود ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ کمائی کے معاملے میں بھی اس طرح حد سے زیادہ آگے بڑھ جانا، اعتدال اور درمیانی راہ چھوڑ کر آگے نکل جانا، اس کو شریعت پسند نہیں کرتی، ہاں! درمیانی راستہ اختیار کرتے ہوئے آپ مال کماویں لیکن شریعت کے بتائے ہوئے جائز طریقے کے مطابق کماویں۔

ایک تو ہے تدبیر کہ مال کمانے کے لیے کوئی جائز تدبیر اختیار کریں اور دوسرا ہے ہماری اس تدبیر پر نتیجہ مرتب ہونا۔ مال کمانے کے لیے تدبیر تو ہر ایک شخص اپنے اپنے انداز سے اختیار کرتا ہے لیکن ہر آدمی اپنی اختیار کردہ اس تدبیر میں کامیاب نہیں ہوتا، وہ تو اللہ تعالیٰ نے جس کے لیے جو مقدر فرمایا ہے، اس کے مطابق کامیاب ہوتا ہے۔

حدیث میں قناعت کی دعا کی تعلیم

الغرض! جائز طریقے سے مال حاصل کرنے کی درمیانی کوشش کرلی، اس کے بعد جو نتیجہ آیا یعنی جو کچھ ملا، اس ملنے پر راضی رہنا قناعت کی حقیقت ہے، حدیث میں دعا بھی سکھائی گئی ہے: اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِي بِمَا رَزَقْتَنِي [1]: اے اللہ! تو نے مجھے روزی کے طور پر جو چیز دی، اس پر مجھے قناعت عطا فرما، میں اس سے زیادہ کی فکر میں نہ رہوں، اس سے زیادہ کا ٹینشن لے کر نہ پھروں۔

جو جتنے زیادہ مال دار ہیں، وہ اتنے ہی زیادہ فقیر ہیں

بہت سے لوگ تو ٹینشن اور پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں، حالاں کہ ان کے پاس روزی ہے، ان کو پوچھو کہ کتنا مال ہے تو کہیں گے کہ صرف ایک مہینہ چلے، اتنا ہے۔ ارے بھائی! جب ایک مہینے کا ہے تو پھر ٹینشن کاہے کو لیتے ہو! شریعت تو کہتی ہے کہ درمیانی درجے کی کوشش جائز طریقے سے کی اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو

---

(۱) الدعوات الکبیر للبیہقی [الناشر: غراس للنشر والتوزیع - الکویت]: ۱/۳۴۲، بَابُ جَامِعُ مَا كَانَ يَدْعُو بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَأْمُرُ أَنْ يُدْعَى بِهِ، رقم الحدیث: ۲۴۲.

ملے، اس پر راضی ہوجاوے، زیادہ سے زیادہ کی تمنا میں نہ رہے، یہ زیادہ کی خواہش اور تمنا انسان کو محتاج اور ضرورت مند بنادیتی ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آناں کہ غنی تراند	۞	محتاج تراند

کہ جتنے زیادہ مال دار ہیں، وہ اتنے زیادہ محتاج ہیں، ان کی ضرورتیں دیکھ لیجیے، ان کو کسی کل چین پڑتا نہیں ہے، بے کل ہی رہتے ہیں۔ ایک غریب تو بے چارہ سوکھی روٹی اور چٹنی مل جائے تو وہ کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور مال دار کو تو دس قسم کی غذائیں ملیں تو بھی اس کا جی بھرتا نہیں ہے، آدمی کی خواہشیں تو ایسی ہیں کہ ان کی کوئی انتہا ہی نہیں۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پے دم نکلے
بہت نکلے میرے ارماں مگر پھر بھی کم نکلے

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پے دم نکلے

تمناؤں کا حال تو ایسا ہے کہ آپ دنیا میں کسی بڑے سے بڑے مال دار سے پوچھو، امریکہ کے صدر سے بھی آپ سوال کریں گے کہ تیری ساری تمنائیں پوری ہوئیں؟ تو وہ انکار میں جواب دے گا، پوری دنیا میں ایک انسان بھی آپ کو ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہے کہ میں جو کچھ چاہتا ہوں، وہ سب مجھے مل گیا، نہیں ملا تو اس کے دل میں بھی اپنی اس تمنا کے پورا نہ ہونے کی حسرت تو ہے تو حسرت کے اعتبار سے وہ بھی اور ایک معمولی درجے کا انسان دونوں برابر ہو گئے۔

حسد، بغض وغیرہ قلبی امراض کی جڑ

آج دنیا میں کیا ہے؟ مال کمانے کی ایک دوڑ ہے کہ فلاں نے اتنا کمایا تو میں اتنا کماؤں، آپس میں ریس ہے، مسابقت ہے اور اسی کے نتیجے میں حسد پیدا ہوتا ہے، بغض پیدا ہوتا ہے، ایک دوسرے کا کینہ دل میں پیدا ہوتا ہے، نفرت پیدا ہوتی ہے، یہ سب کچھ ان ہی لامتناہی خواہشات کا نتیجہ ہے۔

اور اگر آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہے تو اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اسی لیے حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **انْظُرُوا إِلَى مَنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ، وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ**[۱] کہ دنیا کے معاملے میں انسان کو چاہیے کہ اپنے سے نچلے درجے کے آدمی کو دیکھے؛ تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت کی ناقدری نہ ہو اور اس کا شکر ادا ہو۔

جوتے نہیں ہیں لیکن پاؤں تو ہیں

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے پاؤں میں جوتے نہیں تھے تو دل میں بڑی حسرت ہوئی کہ میرے پاؤں میں جوتے تک نہیں ہیں۔ آدمی کو اس طرح کی حالت پر فطری طور پر تکلیف ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کے پاؤں ہی نہیں تھے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ یا اللہ! تیرا

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، كِتَابُ الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ، رقم: ۲۹۶۳.

شکر ہے، میرے پاؤں تو ہیں، چل تو رہا ہوں، بھلے جوتے نہیں ہیں تو کیا ہوا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا شکر وہی ادا کرسکتا ہے جو دنیوی نعمتوں میں اپنے سے نیچے لیول کے آدمی کو دیکھے، اوپر والے کو دیکھے گا تو زندگی میں کبھی سکون اور چین ملنے والا نہیں ہے اور اسی حسرت وافسوس میں پوری زندگی گذر جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہنے والا سب سے بڑا غنی ہے

اس لیے اپنے دل کی اس بے چینی کو دور کرنے کا طریقہ ہمیں شریعت نے یہی بتلایا کہ یہ جو کچھ ملا ہے، اس پر قناعت کرو اور دوسرا رضا بالقضا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے لیے جو فیصلہ کردیا، اس پر راضی اور خوش رہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے لیے جو فیصلہ کردیا، ہم اس پر دل سے راضی ہیں۔

اگر آدمی اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے فیصلے پر دل سے راضی ہوجائے تو یہ حقیقت میں سب سے بڑا غنی اور مال دار ہے، چاہے پیسے نہیں ہیں لیکن وہ کسی کے سامنے ہاتھ بھی نہیں پھیلائے گا، جو کچھ اس کے پاس ہے، اس پر راضی ہے۔

اسی کو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ**: اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمھارے لیے جو لکھ دیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فیصلے سے تمھارے لیے جو تجویز کیا، تمھارے ہاتھ میں آیا، اس پر راضی رہو تو تم سب سے بڑے مال دار بن جاؤ گے زیادہ سمیٹنے کی فکر میں نہ رہو، میری قسمت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہی لکھا تھا، میری قسمت کا لکھا میرے ہاتھ میں آگیا، یہ سب سے بڑی مال داری اور بے نیازی ہے، یہ آدمی بے چین نہیں رہے گا۔

انسان کی مقررہ روزی اور زندگی کی سانسوں میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی

میرا اور آپ کا عقیدہ ہے کہ ہماری قسمت میں جو روزی لکھی ہے، اس میں سے ایک دانہ بھی اگر ساری دنیا مل کر لینا چاہے، روکنا چاہے تو نہیں لے سکتی ارو نہ روک سکتی ہے اور ساری دنیا مل کر ہمیں اس سے ایک دانہ بھی زیادہ دینا چاہے تو نہیں دے سکتی۔

اور جو ہماری روزی ہے، وہ تو ہمیں پوری ہی کرنی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے خطبات میں ہمیشہ تنبیہ فرمایا کرتے تھے: إِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَوْفِيَ رِزْقَهَا[1] کہ: کوئی آدمی مرے گا نہیں، جب تک کہ اپنی روزی پوری نہ کرلے۔

بلکہ سانسوں کا بھی یہی حال ہے، ایک آدمی کی قسمت میں لکھا ہے کہ اتنی سانسیں لے گا، وہ سانسیں بھی پوری کیے بغیر دنیا سے نہیں جاتا، اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ موت کے وقت آدمی کی سانس جو تیز ہوجاتی ہے، وہ اسی لیے کہ ایک تو اس کا وقت بھی طے ہے کہ اتنا وقت اس کو گذارنا ہے اور سانسیں بھی طے ہیں کہ اتنی سانسیں لینی ہیں، اب رہ گئے پانچ منٹ اور سانسیں بہت زیادہ باقی ہیں، اس لیے سانسیں تیز کردی جاتی ہیں؛ تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سانسیں لکھی ہوئی ہیں، اس کو پوری کرے، اس میں کمی نہ آنے پائے۔

ہمارے عقیدے اور عمل کا فرق

---

[1] سنن ابن ماجه، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللّٰه تعالی عنهما، بَابُ الِاقْتِصَادِ فِي طَلَبِ الْمَعِيشَةِ، رقم الحديث: ۲۱۴۴.

عقیدہ تو میرا اور آپ کا یہی ہے لیکن اس پر عمل بھی ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی دی ہوئی روزی پر راضی رہنا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس لکھے ہوئے پر اعتماد کر لینا، یہی سب سے بڑی مال داری ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمھارے لیے روزی کے طور پر جو لکھ دیا اور اپنے فیصلے سے تمھارے لیے جو تجویز کیا، اس پر راضی رہو تو تم سب سے بڑے مال دار بن جاؤ گے۔

آدمی روزی کی طلب میں اور مال کی حرص اور لالچ میں جو مارا مارا پھرتا ہے اور ہائے ہائے کرتا ہے، وہ دراصل یہ نہیں سمجھتا کہ میرے لیے جو تجویز ہو چکا ہے، میں اس سے زائد حاصل نہیں کر سکتا۔

غنیٰ کی حقیقت

نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں ایک بنیادی بات ارشاد فرمائی ہے، بخاری شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لَيْسَ الغِنَى عَنْ كَثْرَةِ العَرَضِ، وَلَكِنَّ الغِنَى غِنَى النَّفْسِ[۱] کہ: سامان اور مال کی زیادتی کا نام غنیٰ نہیں ہے، غنیٰ دل کی بے نیازی کا نام ہے۔ دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے وعدوں پر ایسا یقین ہو کہ جس کے نتیجے میں یہ مال و دولت اس کی نگاہوں میں کچھ نہیں، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے وعدوں ہی کو اپنے پیشِ نظر رکھتا ہے کہ یہی سب کچھ ہے۔

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنه، كِتَابُ الرِّقَاقِ، بَابُ الغِنَى غِنَى النَّفْسِ، رقم الحدیث: ۶۴۴۶۔

حضرت شاہ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے استغناء کا ایک واقعہ

حضرت شاہ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، پیرانِ پیر، غوثِ پاک، ان کا واقعہ ہے کہ سلطان سنجر جو تھا نا، وہ ان کا بڑا عقیدت مند تھا، اس کی حکومت بڑی پھیلی ہوئی تھی، اس نے دیکھا کہ حضرت کے یہاں اتنے سارے مہمان آتے ہیں، لنگر چل رہا ہے، کھانا کھایا جا رہا ہے اور اتنا سارا خرچ! حالاں کہ حضرت کی نہ کوئی کھیتی باڑی ہے، نہ کوئی تجارت ہے، نہ کوئی فیکٹری ہے، نہ دکان ہے، نہ کھیتی ہے، نہ ان کی کوئی حکومت ہے، کہاں سے سب چلتا ہوگا! تو اس کے دل میں خیال آیا کہ چلو! میں حضرت کی خدمت میں کچھ پیش کر دوں تو اس نے اپنی سلطنت کا ایک پورا اسٹیٹ (state) صوبہ جس کا نام تھا نیمروز تھا- نیمروز یہ فارسی زبان کا لفظ ہے، اب یہ صوبوں کے نام، شہروں کے نام، ملکوں کے نام تو ایسے ہی ہوتے ہیں تو نیمروز فارسی زبان کا لفظ ہے، اس کا ترجمہ ہوتا ہے: آدھا دن، دوپہر، مڈ دے (midday)، اس کو فارسی میں نیمروز کہتے ہیں- تو نیمروز ایک بڑے صوبے کا، اسٹیٹ کا نام تھا۔

زانگاہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب

تو سلطان سنجر نے جاگیر کے طور پر تانبے کے ایک پترے پر لکھ کر حضرت کو بھیج دیا کہ آپ کو یہ صوبہ جاگیر کے طور پر پیش کرتا ہوں، اس کی پوری آمدنی آپ کی نذر کرتا ہوں تو شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کے پیچھے جواب میں لکھ دیا: ؎

چوں چترِ سنجری رخِ بختم سیاہ باد	❁	در دلم گر بود ہوس ملک سنجرم

زانکہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب	❁	من ملکِ نیمروز بیک جونمی خرم

کہ سلطان سنجر کے چترِ شاہی کی طرح، پہلے زمانے میں بادشاہ ہوتے تھے، وہ جب دربار لگاتے تھے اور اپنے تخت پر براجمان ہوتے تھے تو تخت کے پیچھے ایک کالی چادر لٹکائی جاتی تھی؛ تاکہ اس کالی چادر کے جلو میں بادشاہ کا چہرہ بڑا خوب صورت اور پُرہیبت نظر آوے، اس کو چتر کہتے تھے، وہ بہت کالی ہوتی تھی۔ تو حضرتؒ نے فرمایا: سلطان سنجر کے چترِ شاہی کی طرح میرا نصیبہ بھی کالا ہو جائے، گر دردلم بود ہوس ملک سنجرم: اگر میرے دل میں سنجر بادشاہ کی ملک کی ذرہ برابر بھی خواہش ہو۔

آگے فرماتے ہیں: زانگاہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب: جب سے آدھی رات کے ملک کا پتہ چلا ہے۔ نیم شب یہ علم معانی کی اصطلاح کے اعتبار سے ''صنعت اجناس'' استعمال کی ہے کہ پہلے مصرعے میں نیم روز کا ذکر تھا تو دوسرے مصرعے میں نیم شب کا ذکر لائے یعنی آدھی رات کا ملک یعنی آدھی رات کو اللہ کے سامنے کھڑے رہ کر راز ونیاز کرنا، اللہ سے مانگنا، رونا، گڑگڑانا کہ میرے سامنے تو یہ ملک آ گیا ہے اور جب سے یہ ملک میرے ہاتھ میں آیا ہے، من ملکِ نیمروز بیک جونمی خرم: یہ نیمروز کا ملک ایک جو کے بدلے میں بھی خریدنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ واقعہ یہی ہے کہ آدمی کی نگاہ صرف اللہ کی طرف جانی چاہیے، یہ دل کی بے نیازی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے وعدوں پر جب اعتماد اور یقین ہو تو یہ چیز حاصل ہو جایا کرتی ہے۔

اسی کی ضرورت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ۔

حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت

حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، سلسلۂ نقشبندیہ کے بڑے بزرگوں میں سے تھے اور حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور اکابر خلفاء میں سے تھے اور صاحبِ تفسیر مظہری حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم درس تھے، بہت بڑے بزرگ تھے، ان کی خدمت میں عرب ممالک سے بھی لوگ آیا کرتے تھے، یہی وہ شخصیت ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ عرب کے علاقوں میں اور روس کی اوپر کی ریاستوں تک اور عراق اور شام میں ان ہی کی برکت سے پھیلا ہے۔

حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم خلیفہ شیخ خالد کردی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکرِ خیر

ان ہی کے خلیفہ تھے شیخ خالد کردی نقش بندی رحمۃ اللہ علیہ جو عراق کے بہت بڑے عالم تھے، تمام علماء ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ شیخ خالد کردی نقش بندی رحمۃ اللہ علیہ کو جب حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا پتہ چلا تو ان کی خدمت میں اپنی اصلاح کے لیے حاضر ہوئے۔ جب دہلی پہنچے ہیں تو ان کے علم کا شہرہ اتنا تھا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے علم کے سمندر اور اپنے وقت کے بے مثال فقیہ اور محدث کو جب پتہ چلا تو ان کی ملاقات کے لیے آئے، انھوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو کہلوا دیا کہ میں ایک مقصد کے لیے آیا ہوں، جب تک میں اس مقصد کو پورا نہیں کر لیتا، کسی سے ملوں گا نہیں، بعد میں میں خود ملنے کے لیے آؤں گا۔

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ جو حنفیہ کے بہت بڑے مفتی اور فقیہ تھے۔ مفتیانِ کرام ان ہی کی کتاب کو دیکھ کر فتوی دیا کرتے ہیں اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ جن کی تفسیر کی کتاب ''روح المعانی'' معروف ومشہور ہے، یہ بھی شیخ خالد کردی نقش بندی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے خلیفہ تھے، ان کے مریدوں کا بہت بڑا اسلسلہ ہے۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی نازک مزاجی کے کچھ واقعات

یہ حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی بہت خدمت کرتے تھے اور حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے نازک مزاج تھے۔ یہاں دری بچھی ہوئی ہے اور دری کے نیچے کوئی کنکر سا آئے اور اس کی وجہ سے ابھری ہوئی ہے تو اس کو دیکھ کر کے ان کے سر میں درد ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک شہزادے آئے، اس نے پائجامہ پہن رکھا تھا، اس پائجامے میں سلائی ایک جگہ سے ہٹی ہوئی تھی، کوئی آدمی قرینے سے پائجامہ پہنے تو ٹھیک ٹھاک ہوتا ہے، ٹوپی بھی قرینے سے پہنی ہوئی ہو اور ایک ٹیڑھی میڑھی پہن رکھی ہو، اس طرح ٹیڑھی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھ کر بھی ان کے سر میں درد شروع ہو جاتا تھا تو اس شہزادے کے پائجامے کی سلائی ذرا ہٹی ہوئی تھی تو فرمانے لگے کہ یہ کیسا پائجامہ پہن رکھا ہے اور سر میں درد شروع ہو گیا۔

ایک مرتبہ بادشاہ سلامت ملاقات کے لیے آئے، ان کو پیاس لگی، اس کا اظہار

کیا توفرمایا کہ جاؤ! وہاں مٹکا رکھا ہے، اس میں سے پی لو۔ اس مٹکے پر گلاس تھا، اس سے پانی نکال کر پیا اور گلاس رکھا تو ٹیڑھا رکھ دیا تو فرمانے لگے کہ آپ کو بادشاہ کس نے بنایا ہے، گلاس رکھتے بھی نہیں آتا۔

حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے مرزا مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی ناراضگی

بہر حال! بڑے نازک مزاج تھے اور حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ پنکھا جھل رہے تھے تو حضرت کی نزاکت کی وجہ سے ذرا آہستہ سے جھل رہے تھے تو حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ غلام علی! کچھ کھایا بھی ہے کہ نہیں؟، کیسے پنکھا جھلتے ہو؟ ہوا بھی نہیں آتی۔ اس کے بعد ذرا زور سے جھلنے لگے تو حضرتؒ فرمانے لگے کہ غلام علی! تو تو مجھے اُڑا دے گا۔

ان کی زبان سے ایک مرتبہ نکل گیا: حضرت! نہ یوں بنے، نہ ووں بنے، اس پر حضرتؒ نے فرمایا: لاؤ میرا پنکھا، جاؤ یہاں سے۔ حضرت ناراض ہو گئے۔ بزرگوں کے یہاں بہت سنبھل کر رہنا پڑتا ہے۔ حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بہت روئے دھوئے، اس کے بعد معافی تلافی ہوئی۔

حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا دستر خوان

یہ حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے تھے، ان کی خانقاہ کے متعلق حضرت مولانا علی میاں

صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے تاریخِ دعوت وعزیمت میں لکھا ہے کہ روزانہ ان کے یہاں بہت سارے لوگ آتے تھے، ویسے ''۵۰۰'' فقراء تو مستقل ان کی خانقاہ میں ذکر واذکار میں مشغول رہتے تھے اور دوسرے مہمانوں کی تعداد الگ ہوتی تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں بڑا اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب **نور اللہ مرقدہٗ** نے تاریخِ دعوت وعزیمت میں بڑے عجیب وغریب انداز میں ان کا مختصر سا تذکرہ کیا ہے۔

ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم

ٹونک کے اس وقت کے نواب میر خان حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مند تھے، انھوں نے دیکھا کہ حضرت کے یہاں دستر خوان پے کثرت سے مہمان ہوتے ہیں، اتنا سارا روزانہ کا خرچہ ہے تو اس کے لیے انھوں نے ایک جاگیر دینا چاہی تو اس کے جواب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر لکھ کر کے بھیجا: ؎

ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم	۞	با میر خان بگو کہ روزی مقدر است

کہ: ہم تمھاری یہ جاگیر قبول کر کے فقر وقناعت کی عزت کو بیچنا نہیں چاہتے، میر خان سے کہہ دو کہ روزی تو اللہ تعالیٰ کے یہاں مقدر ہے، وہ آ کر کے رہے گی، تمھارے دینے سے تھوڑی ملتی ہے۔

یہ ہے بے نیازی، اہل اللہ کی خدمت میں حاضری سے ان کی توجہات کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرمایا کرتے ہیں۔

توکل کی حقیقت

توکل اسی کو کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے وعدے پر اس سے زیادہ یقین ہو جو اپنے جیب میں ہے۔ جیب میں پیسے ہوتے ہیں تو آدمی کو ایک سکون ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت خرچ کرنے کے لیے مال موجود ہے تو اپنے پاس جو مال ہے، اس پر اس کو جتنا اطمینان اور سکون ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے وعدے پر اس سے زیادہ اطمینان ہو، یہ توکل کی حقیقت ہے۔

حضرت میانجیؒ سے حضرت حاجی صاحبؒ کی بیعت کا واقعہ

حضرت میانجی نور محمد صاحب جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان سے پہلے حضرت سید نصیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور ان کے انتقال کے بعد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پریشان تھے کہ میں کس سے بیعت ہوں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر ایک بزرگ کے ہاتھ میں دے دیا۔

حضرت میانجی رحمۃ اللہ علیہ کو کبھی دیکھا نہیں تھا؛ اس لیے پریشان ہیں کہ وہ کون بزرگ ہیں جن کے ہاتھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ دیا۔ اپنی اسی پریشانی کے عالم میں جلال آباد میں حضرت مولانا قلندر صاحب، محدثِ جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے ملے، یہ جلال آباد میں محدث تھے اور جلال آباد میں ان کا مزار بھی ہے۔ وہ حضرت مفتی الٰہی بخش

کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور حضرت مفتی اِلٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھے اور انھوں نے مثنوی کی تکمیل کی تھی اور حضرت مولانا قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی خود حضرت مفتی اِلٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی، بڑے محدث اور بڑے بزرگ تھے بلکہ ان کے متعلق آتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کراتے تھے۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مولانا قلندر صاحب سے دوستی کا تعلق تھا اور حضرت حاجی صاحبؒ کے استاذ بھی تھے؛ اس لیے ان کے پاس آئے اور اپنا خواب بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ ایک کام کرو: لوہاری جاؤ- یہ لوہاری جلال آباد کے پاس ایک قصبہ ہے، لوگ حضرت میانجی صاحب کے حجرے کی زیارت کرنے کے لیے وہاں جاتے ہیں- وہاں ایک بزرگ رہتے ہیں جو بچوں کو قرآن پڑھاتے ہیں، وہاں جا کر ان سے ملاقات کرلو، ممکن ہے کہ تمھارے اس خواب کا کوئی حل وہاں نکل آئے۔

حضرت میانجی رحمۃ اللہ علیہ کا کمال

میانجی اردو میں بچوں کو قرآن پڑھانے والے کو کہتے ہیں، آج بھی یوپی کے علاقے میں مکتب کی تعلیم دینے والے حضرات کو میانجی ہی کہا جاتا ہے۔ ہمارے حضرت مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت میانجی رحمۃ اللہ علیہ بچوں کو قرآن پڑھانے کے دوران ان کو راہِ سلوک طے کرا دیتے تھے، صاحب نسبت بنا دیتے تھے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے شیخ سے پہلی ملاقات

الغرض! حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب ان کی ہدایت پر لوہاری گئے تو حضرت میانجی صاحب تو حجرے کے اندر تھے، ان کے جوتے باہر رکھے ہوئے تھے، ان پر نظر پڑی تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہی جوتے پہنے ہوئے تھے اور جب حجرے کے اندر گئے اور چہرے پر نظر پڑی تو کہا کہ یہی وہ بزرگ ہیں، جا کر ان کے قدموں میں پڑ گئے۔ حضرت نے انھیں اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا کہ آپ کو اپنے خواب پر بہت اعتماد ہے!۔ یہ پہلی کرامت تھی جو دیکھی۔

حضرت میانجی رحمۃ اللہ علیہ اور شانِ استغنا

بہر حال! حضرت میانجی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک سادھو آیا جو بڑا پہنچا ہوا تھا، جب وہ سادھو جانے لگا تو حضرت میانجی رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگا کہ ہمارے پاس کیمیا بنانے کی ترکیب لکھی ہوئی ہے، وہ لے لو، کام آئے گی، تمھارے دھن کی کمی ہے، حضرت میانجی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے تو سادھو نے کہا کہ نہیں، تمھارے پاس لوگ آتے جاتے ہیں، اس لیے تمھیں دھن کی ضرورت ہے پھر حضرتؒ نے یہی فرمایا کہ مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے، تیسری مرتبہ کہا تو حضرت میانجی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ڈھیلا اٹھا کر سامنے کی دیوار پر مارا اور کہا دیکھو، اس نے جب دیکھا تو وہ دیوار سونے کی بن چکی تھی تو سادھو کہنے لگا کہ ٹھیک کہا، آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ
اوران کی بے مثال کتاب ''اظہار الحق''

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے۔ انگریز نے اپنے دور میں یہ منصوبہ بنایا تھا کہ پورے ملک ہندوستان پر عیسائیت پھیلا دی جائے، تھوپ دی جائے اوراس کے لیے انھوں نے پادریوں کی بڑی بڑی جماعتیں لاکر کام میں لگادیں اور مسلمانوں اور ہندؤوں میں اس کی تبلیغ شروع کردی۔ اس زمانے میں مسلمان علماء میدان میں آگئے اور انھوں نے پادریوں کے ساتھ مناظرے کیے۔ ان میں ایک بہت بڑا پادری تھا، اس کے ساتھ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خوب مناظرے ہوئے اور کئی جگہوں پر اس کو شکست دی۔ اس کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اظہار الحق'' نامی کتاب لکھی، جس کے متعلق تمام عیسائیوں کا اتفاق ہے، ایک بڑے عیسائی عالم نے کہا کہ جب تک یہ کتاب روئے زمین پر ہے، عیسائیت کبھی پنپ نہیں سکتی۔ مدرسہ صولتیہ ان ہی کا قائم کردہ ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد علماء کے خلاف جو دارو گیر اور پکڑ دھکڑ کا دور چلا، اس میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بھی وارنٹ نکلا تھا اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بھی نکلا تھا تو ان دونوں نے مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کرلی۔

مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے، اسی زمانے میں یہ پادری فنڈر تر کی آگیا اور اسلام کے خلاف باتیں اور عیسائیت کی تبلیغ کرنے لگا۔ وہاں کے علماء اس کے اعتراضات سن

کر کے بکے رہ گئے، اس لیے کہ ہر شخص ہر لائن کا ماہر نہیں ہوتا، ہر لائن کے ماہر الگ الگ ہوتے ہیں۔ کسی نے بادشاہِ وقت کو کہا کہ فلاں ہندوستانی عالم مکہ مکرمہ میں رہتے ہیں، وہ ان کا جواب دیں گے، ان کو بلوایا جائے۔

چنانچہ بادشاہ نے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بلوایا، اس زمانے میں حجاز بھی ترکی ہی کی ماتحتی میں تھا، باقاعدہ اسٹیمر بھیج کر کے آپ کو بلوایا، جب پادری فنڈر کو پتہ چلا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ رخصت ہو گیا۔ بادشاہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا اکرام کیا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب استغنا

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دوستی تھی، جب آپ ترکی سے واپس مکہ مکرمہ پہنچے تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو سلطان کے سامنے آپ کے کمالات کا بیان کروں، مقصد یہ تھا کہ اس بہانے سے کچھ اعزاز ہو جائے۔

اس کے جواب میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دیکھیے! اگر آپ سلطان کے سامنے میری خوبیاں بیان کریں گے تو بہت بہت تو وہ میرے اعزاز کے لیے مجھے اپنے یہاں بلائیں گے لیکن میں مکہ مکرمہ کو چھوڑنا نہیں چاہتا، اتنا ہے کہ سلطانِ عادل کی دعا اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں قبول ہوتی ہے تو آپ جب ان کے پاس جاویں تو میری طرف سے ان کی خدمت میں سلام پیش کر دیں، وہ جو جواب دیں گے، وہ بھی دعا ہو جائے گی، وہی میرے لیے کافی ہے۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر کیمیا کی ایک اور پیش کش

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیام مکہ مکرمہ تھا، ایک مرتبہ مدینہ منورہ گئے، وہاں ایک مغربی بزرگ تھے، ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا ہوا، ایک مرتبہ وہ مغربی بزرگ کہنے لگے کہ سنا ہے کہ ہندوستان میں کیمیا کے ماہرین بہت ہیں، اس لیے ہمارے علاقے میں ہندوستانیوں کو کیمیا گر کہتے ہیں اور مجھے یہ چیز معلوم ہے، میں آپ کو دینا چاہتا ہوں تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں مدینہ منورہ سے دنیا لے کر جانا نہیں چاہتا، اگر کوئی روحانی دولت عنایت فرمائیں تو زہے نصیب۔

حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کا استغنا

تو اصل غنا دل کا غنا ہے۔ حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد بھی تھے اور اپنے زمانے میں کے بہت بڑے بزرگ بھی تھے۔ مولانا محب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ امروہہ کے رہنے والے تھے، ان کے رامپور کے نواب کلب علی خاں کے ساتھ بڑے اچھے روابط تھے، بے تکلفی تھی، مغلیہ دورِ حکومت کے انحطاط پر بہت سے اہل فن، مختلف فنون کے ماہرین کو جب رامپور کے نواب کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کا علم ہوا تو وہاں جانے لگے، نواب صاحب قدردان تھے اور ان کی قدردانی کرتے تھے۔

ایک مرتبہ مولانا محب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو نواب کے دوست تھے، نواب نے کہا کہ ہمارے یہاں ہر قسم کے علوم اور فنون کے ماہرین جمع ہیں، البتہ دل میں ایک

تمنا ہے کہ حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی اگر ہمارے یہاں آ جائیں جو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں تو ہمارے لیے بڑی خوشی کا سامان ہوگا، بڑی مسرت ہوگی۔

تو مولانا محب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں ان کو یہاں لاسکتا ہوں، آپ ان کی خدمت میں کیا ہدیہ پیش کریں گے؟ تو نواب نے کہا کہ ایک لاکھ روپیے پیش کروں گا۔ اس زمانے میں یہ بہت بڑی رقم تھی۔

مولانا محب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے، ان کے حضرتؒ سے بھی تعلقات تھے، حضرتؒ سے گفتگو جاری ہے، حضرت توحید پر کچھ کلام کررہے تھے۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت! رامپور کے نواب چاہتے ہیں کہ آپ ان کے مہمان ہوں، اگر آپ وہاں جائیں گے تو آپ کی خدمت میں وہ ایک لاکھ روپیہ نذر گزاریں گے۔

تو حضرتؒ جو گفتگو فرمارہے تھے، اس کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ مولوی صاحب! لاکھ روپیوں پر خاک ڈالو، یہ بات سنو، یہ بہت قیمتی ہے۔

بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ چیز جب عطا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے پر آدمی راضی رہتا ہے۔

تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسری بات یہ ارشاد فرمائی: وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمھارے لیے جو تجویز فرمادیا، اس پر راضی رہو تو تم سب سے بڑے مال دار بن جاؤ گے۔

حدیث میں مذکور تیسری چیز: پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک

تیسری بات نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی: **وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا**: اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، تم مؤمن بن جاؤ گے، مؤمن کہلاؤ گے۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید

دیکھو! پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی شریعت نے بڑی تاکید فرمائی ہے، پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک ایمان کا ایک حصہ ہے، زمانۂ جاہلیت میں بھی پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور بھلائی کرنے کا بڑا اہتمام کیا جاتا تھا اور اسلام نے بھی اس کی بڑی تاکید فرمائی۔

.... کہ شاید پڑوسی کو وارث بنادیں گے

بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **مَا زَالَ يُوصِينِي جِبْرِيلُ بِالْجَارِ، حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ**: حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی برابر تاکید کرتے رہے اور اتنی تاکید کرتے رہے کہ مجھے خیال پیدا ہوا کہ شاید پڑوسی کو مال میں وارث بنادیں گے[1]۔ جیسے بیٹا وارث ہوتا ہے، رشتہ دار وارث ہوتے ہیں تو اس تاکید کی کثرت کی وجہ سے مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید آگے جا کر کوئی ایسا

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا، بَابُ الوَصَاةِ بِالْجَارِ، رقم: ۶۰۱۴.

حکم آئے گا کہ رشتہ داروں کی طرح پڑوسی بھی وارث ہیں، پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی اتنی زیادہ تاکید ہے۔

قرآنِ پاک میں بھی باری تعالیٰ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے، ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ﴾ [النساء:۳۶]۔

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی احادیث میں اس کی خوب تاکید فرمائی ہے، جیسا کہ ابھی ایک حدیث سنائی گئی کہ حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ایسی تاکید فرمائی، ایسی تاکید فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوا کہ شاید پڑوسی کو مال میں وارث قرار دیا جائے گا۔

جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو........

مسلم شریف کی حدیث ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ[1]: جو آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسیوں کے

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ الْحَثِّ عَلَى إِكْرَامِ الْجَارِ وَالضَّيْفِ، رقم الحدیث: ۸۵.

ساتھ اچھا سلوک کرے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ: جو آدمی اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے [۱]۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ کہ: جس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانیوں سے مامون نہ ہو، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا [۲]۔

قیامت کے دن کا سب سے پہلا مقدمہ

پڑوسی کی ایذا رسانی بہت خطرناک چیز ہے، مسند احمد کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کل کو قیامت کے دن سب سے پہلے جو دو مدّعی اور مدّعا علیہ، ''وادی'' اور پرتی وادی'' اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا کیس لے کر حاضر ہوں گے، وہ دو پڑوسی ہوں گے، ایک پڑوسی دوسرے کے خلاف دعویٰ کرے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے فیصلے کی درخواست کرے گا [۳]۔

---

[۱] صحيح البخاري، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، بَابٌ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ، رقم: ۶۰۱۸.

[۲] صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله تعالى عنه، بَابُ بَيَانِ تَحْرِيمِ إِيذَاءِ الْجَارِ، رقم الحديث: ۷۳.

[۳] مسند الإمام أحمد بن حنبل، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضي الله تعالى عنه، رقم الحديث: ۱۷۳۷۲.

ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل کو غریب پڑوسی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور مال دار پڑوسی کے خلاف جا کر عرض کرے گا کہ باری تعالیٰ! اس سے پوچھو کہ اس نے کیوں اپنے گھر کا دروازہ میرے لیے بند رکھا اور کیوں مجھے اپنے احسانات سے محروم رکھا[1]؟، اس لیے پڑوسیوں کے ساتھ احسانات کرتے رہنا چاہیے۔

وہ آدمی مؤمن نہیں..........

بلکہ بخاری شریف ہی کی روایت میں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَاللّٰہِ لاَ یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لاَ یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لاَ یُؤْمِنُ: اللہ کی قسم! وہ آدمی مؤمن نہیں، اللہ کی قسم! وہ آدمی مؤمن نہیں، اللہ کی قسم! وہ آدمی مؤمن نہیں۔ تین مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ جملہ دہرایا۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جو تعلق تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی جو قدر و قیمت ان کے دل و دماغ میں تھی، اس کے پیشِ نظر ان کلمات کو سن کر ان کے دل کی کیا حالت ہوئی ہوگی، بے چین ہو کر انھوں نے پوچھا: وَمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟: اے اللہ کے رسول! وہ کون ہے جس کے متعلق آپ بار بار یہ قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ وہ مؤمن نہیں تو جواب

---

[1] الأدب المفرد [الناشر: دار البشائر الإسلامية - بيروت]، ص: ۵۲، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالی عنهما، بَابُ مَنْ أَغْلَقَ الْبَابَ عَلَى الْجَارِ، رقم الحديث: ۱۱۱.

میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **اَلَّذِي لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ؟**: جس کا پڑوسی اس کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں سے مامون نہ ہو[1]۔

پڑوسی کے مامون و بے خوف ہونے کا مطلب

مامون ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پڑوسی کو آپ کی طرف سے ذرہ برابر بھی تکلیف پہنچنے کا خطرہ نہ ہو، یہ نہیں فرمایا کہ اس کے پڑوسی کو اس کی طرف سے کوئی تکلیف نہ پہنچے، تکلیف پہنچنا تو بہت دور کی بات ہے، وہ آپ کی طرف سے اطمینان محسوس کرے کہ اس کی طرف سے مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ محفوظ ہونا اور چیز ہے، مامون ہونا اور چیز ہے، یہ بہت اونچا درجہ ہے۔

آپ نے اپنے پڑوسی کو کبھی مارا نہیں، کبھی تکلیف نہیں پہنچائی لیکن آپ کا پڑوسی آپ کی طرف سے ہمہ وقت ڈرا سہارہتا ہے کہ اس کا کوئی بھروسہ نہیں، کب کیا تکلیف پہنچادے۔ چاہے آپ نے کچھ نہیں کیا لیکن آپ کا نیچر (**nuture**)، آپ کا مزاج، آپ کی طبیعت دیکھ کر کے وہ بے چارا ڈرا سہارہتا ہے، ہر وقت آپ کی طرف سے خطرہ محسوس کرتا ہے کہ پتہ نہیں کب کیا کردے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین مرتبہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ وہ مؤمن نہیں۔

بعض لوگ آ کر کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! دعا کرنا، پڑوسی سے بہت پریشان

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ رضی الله تعالى عنه، كِتَابُ الأَدَبِ، بَابُ إِثْمِ مَنْ لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ، رقم الحديث: ٦٠١٦.

ہوں۔ جب پوچھتے ہیں کہ کیا بات ہے؟ کوئی تکلیف پہنچا تا ہے؟ تو جواب دیتے ہیں کہ نہیں ایسا تو نہیں ہے، آج تک کوئی تکلیف نہیں پہنچائی لیکن کچھ کہہ نہیں سکتے کہ کب وہ کب کیا کر ڈالے۔ یہ جو" کہہ نہیں سکتے"، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں ڈر گھسا ہوا ہے، حالاں کہ آج تک انگلی بھی نہیں لگائی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پڑوسی کے دل میں ڈر بھی نہیں ہونا چاہیے، آپ کے پڑوسی کو آپ کی طرف سے بالکل اطمینان ہو کہ میرے پڑوسی سے مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، تب ہے مؤمن، تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ایمان کا سرٹیفکیٹ دیتے ہیں۔

کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ

یہ تو پڑوسی کی بات ہے اور یہاں تو آپ کے گھر کے لوگ، آپ کی بیوی، آپ کے بچے، آپ کے بھائی، آپ کی بہنیں، آپ کے ماں باپ تک آپ کے شر سے محفوظ نہیں ہے، کون ہے جو آپ سے خطرہ محسوس نہیں کرتے بلکہ بعض لوگوں کا تو حال یہ ہوتا ہے کہ جب وہ گھر میں آتے ہیں تو گھر کے چھوٹے بڑے سب پناہ مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مصیبت کہاں سے آگئی! یہ کب جائے گی! دل ہی دل میں دعائیں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کرکے جلدی چلے جائیں، اس کا وجود اس کے گھر کے لیے لعنت اور زحمت بن گیا ہے، آج ہمارے بہت سے گھر ایسے بن چکے ہیں۔

ہمارے لیے لمحہ فکریہ

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ وہ شخص مؤمن نہیں کہ جس

سے اس کا پڑوسی مامون نہ ہو اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے ماں باپ، ہمارے بیوی بچے، ہم سے خائف ہیں، ڈر رہے ہیں، پھر بھی ہمارا تقویٰ، ہماری بزرگی، ہمارا حضرت ہونا جوں کا توں ہے، پھر بھی ہم حضرت کہلاتے ہیں، مفتی صاحب کہلاتے ہیں، حافظ صاحب کہلاتے ہیں، قاری صاحب کہلاتے ہیں، مبلغ صاحب کہلاتے ہیں، حاجی صاحب کہلاتے ہیں، حضرت صاحب کہلاتے ہیں، حضرت کی حضرتیت پر بھی کوئی آنچ نہیں اور گھر کے لوگ تو اس سے بے انتہا پریشان ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو یوں فرماتے ہیں کہ اگر اس سے پڑوسی مامون نہیں ہے تو وہ مؤمن نہیں ہے، ایمان کی نفی فرما رہے ہیں، ذرا اندازہ لگاؤ، ہمیں اپنی زندگیوں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

تو تیسری بات نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی: **وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا**: اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، تم مؤمن کہلاؤ گے۔ گویا ایمان اسی کا نام ہے، کیوں کہ اسی سے تو آپ کے ایمان کا پتہ چلتا ہے، آپ کتنی نمازیں پڑھتے ہیں، اس سے نہیں۔

آدمی کے ایمانی اخلاق اس کے ساتھ معاملات کے بعد ظاہر ہوتے ہیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک آدمی سے دوسرے آدمی کے متعلق پوچھا کہ کیسا آدمی ہے؟ تو جواب دیا کہ بہت اچھا آدمی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے پوچھا کہ کبھی تم نے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کیا؟ کبھی اس کے ساتھ کوئی سفر کیا؟ اس نے کہا کہ نہیں تو فرمایا: **لعلك رأيته يخفض ويرفع في المسجد**[1]: شاید تم نے

---

[1] أدب النفس للحكيم الترمذي [الناشر: الدار المصرية اللبنانية، مصر]، ص: ۷۹، صفة الموقن.

اس کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھ لیا ہوگا، اس لیے تم اس کے متعلق ایسا تبصرہ کر رہے ہو۔ ایسا نہیں ہے، اگر تم نے اس کے ساتھ معاملہ کیا ہے یا اس کے پڑوس میں رہتے ہو یا اس کے ساتھ سفر کیا ہے اور اس کے اخلاق کو جانچا ہے اور اس کے بعد اگر تم اس کے متعلق یہ رپورٹ دیتے ہو تو قابل قبول ہے۔

پڑوسی کا مسلمان یا رشتہ ہونا ضروری نہیں ہے

پھر پڑوسی کے اندر سب آجاتے ہیں، مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو، رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار، نیک ہو یا فاسق وفاجر، اجنبی ہو یا آپ کے خاندان کا ہو، آپ کے شہر کا ہو یا دوسرے کسی شہر کا ہو یا کسی اور ملک کا ہو، کوئی بھی ہو، وہ آپ کا پڑوسی کہلائے گا۔

تین قسم کے پڑوسی

اسی لیے ''الترغیب والترھیب'' کی روایت میں ہے، حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک پڑوسی تو وہ ہے جس کا ایک حق ہے یعنی صرف پڑوس کا، جیسے کہ کافر، وہ آپ کے پڑوس میں ہے تو پڑوس کا اس کا حق ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا معمول تھا کہ اگر اپنے یہاں بکری ذبح کرتے تھے تو ان کا ایک یہودی پڑوسی تھا، جب تک کہ اس پڑوسی کے یہاں گوشت نہ بھجواتے، وہاں تک خود نہیں کھاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ پڑوسی کا مسلمان ہونا

ضروری نہیں ہے[①]۔

آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دوسرا پڑوسی وہ ہے جس کے دو حق ہیں کہ پڑوسی بھی ہے اور مسلمان بھی ہے تو اس کے دو حق ہیں: (۱) پڑوس کا حق اور (۲) اسلام کا حق۔

تیسرا پڑوسی وہ ہے جس کے تین حق ہیں، مسلمان بھی ہے اور رشتہ دار بھی ہے، اس کے تین حق ہیں: (۱) پڑوسی کا حق (۲) اسلام کا حق (۳) رشتہ داری کا حق[②]۔

اس لیے پڑوسی کے لیے مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، ہر ایک کے اوپر پڑوسی کا اطلاق ہوتا ہے۔

پڑوسی کی تحقیق

ایک بات یہ بھی یہاں یاد رکھئے کہ پڑوسی کس کو کہتے ہیں؟ خالی اسی کو پڑوسی نہیں کہتے کہ آپ کے مکان کی دیوار اور اس کے مکان کی دیوار ایک ہو، ہم تو اسی کو پڑوسی سمجھتے ہیں بلکہ پڑوس چالیس مکانوں تک ہے، کئی روایتیں ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ

---

① الكبائر للذهبي [الناشر: دار الندوة الجديدة- بيروت] ص: ۲۰۷، الْكَبِيرَةُ الثَّانِيَةُ وَالْخَمْسُونَ أَذَى الْجَارِ.

② الترغيب والترهيب لقوام السنة [الناشر: دار الحديث - القاهرة]: ۱/ ۴۸۲، باب في حق الجار والترغيب في حق الجوار، رقم الحديث: ۸۷۰.

تعالی عنہا کی روایت ہے ①، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے: مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَهُوَ جَارٌ: جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہے، وہاں تک پڑوس ہے ②، حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔ بعضوں نے کہا کہ چاروں طرف دس دس مکانات ③ اور بعضوں نے کہا کہ چاروں طرف چالیس چالیس مکانات پڑوس ہے، آپ کا مکان جہاں ہے، وہاں سے مشرق میں چالیس مکانات، مغرب میں چالیس مکانات، جنوب میں چالیس مکانات، شمال میں چالیس مکانات۔ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے ④ بلکہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ

---

① وَرُوِيَ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ مَا حَدُّ الْجِوَارِ قَالَ أَرْبَعُونَ دَارًا. (التلخيص الحبير [الناشر: دار الكتب العلمية]: ۲۰۱/۳، كِتَابُ الْوَصَايَا، رقم الحديث: ۱۴۲۷.

② فتح الباري شرح صحيح البخاري [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۴۴۷/۱۰، بَابُ حَقِّ الْجِوَارِ فِي قُرْبِ الْأَبْوَابِ)

③ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " أَوْصَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْجَارِ إِلَى أَرْبَعِينَ دَارًا، عَشَرَةٌ مِنْ هَا هُنَا، وَعَشَرَةٌ مِنْ هَا هُنَا، وَعَشَرَةٌ مِنْ هَا هُنَا، وَعَشَرَةٌ مِنْ هَا هُنَا " قَالَ إِسْمَاعِيلُ: عَنْ يَمِينِهِ، وَعَنْ يَسَارِهِ، وَقُبَالَهُ وَخَلْفَهُ. (السنن الكبرى للبيهقي [الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت - لبنات]: ۴۵۱/۶، بَابُ الرَّجُلِ يَقُولُ: ثُلُثُ مَالِي إِلَى فُلَانٍ يَضَعُهُ حَيْثُ أَرَاهُ اللهُ، رقم الحديث: ۱۲۶۱۲)

④ عَنِ الْحَسَنِ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْجَارِ، فَقَالَ: أَرْبَعِينَ دَارًا أَمَامَهُ، وَأَرْبَعِينَ خَلْفَهُ، وَأَرْبَعِينَ عَنْ يَمِينِهِ، وَأَرْبَعِينَ عَنْ يَسَارِهِ. (الأدب المفرد [الناشر: دار البشائر الإسلامية - بيروت]، ص: ۵۱، بَابُ الْأَدْنَى فَالْأَدْنَى مِنَ الْجِيرَانِ، رقم الحديث: ۱۰۹)

تعالی عنہ کی روایت بھی نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ ہے کہ چالیس مکانات تک پڑوس ہے [۱]۔ اسی لیے قرآن میں ﴿وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾ کہا گیا کہ ایک پڑوسی وہ ہے جو آپ سے بالکل لگا ہوا ہے اور ایک پڑوسی وہ ہے جو لگا ہوا نہیں ہے، دور ہے لیکن ہے وہ بھی پڑوسی، آپ کے محلے میں رہتا ہے، وہ آپ کا پڑوسی کہلائے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ فجر کی نماز میں جو لوگ آپ کے ساتھ ہوں، وہ پڑوسی ہیں [۲]، کیوں کہ دن میں تو عام طور پر لوگ کاروبار میں ہوتے ہیں، الگ الگ جگہ نماز پڑھتے ہیں، فجر کی نماز آدمی عام طور پر اپنے محلے کی مسجد میں پڑھتا ہے، اس لیے جو فجر کی نماز میں آپ کے ساتھ ہے، وہ آپ کا پڑوسی ہے۔

تو پڑوسی صرف وہ نہیں ہے جس کے گھر کی دیوار گھر کے ساتھ لگی ہوئی ہے اور ہم تو اتنے قریبی پڑوسی کے ساتھ بھی حسنِ سلوک سے نہیں رہتے تھے، کبھی تو سالہا سال گذر جاتے ہیں اور پتہ نہیں چلتا کہ پڑوس میں کون رہتا ہے۔

ایک اجنبی پڑوسی کی شکایت اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اعلانِ عام

ایک مرتبہ باہر کا رہنے والا ایک آدمی ایک جگہ آ کر قیام پذیر ہوا، کچھ دنوں کے

---

① المعجم الكبير [دار النشر: مكتبة ابن تيمية - القاهرة]: ۱۹/ ۷۳، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ تعالی عنهما، رقم الحديث: ۱۴۳۔

② وَقِيلَ مَنْ صَلَّى مَعَكَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي الْمَسْجِدِ فَهُوَ جَارٌ. (فتح الباري شرح صحيح البخاري [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۱۰/ ۴۴۷، بَابُ حَقِّ الْجِوَارِ فِي قُرْبِ الْأَبْوَابِ)

بعد اس نے آ کر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ اے اللہ کے رسول! میں تو اجنبی آدمی ہوں، پردیسی آدمی ہوں، یہاں آ کر کے ٹھیرا ہوں، میرے ساتھ جو آدمی بالکل میرے قریب میں رہتا ہے، وہ مجھے بڑی تکلیف پہنچاتا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، ان حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیهم أجمعین کو کہا کہ اعلان کر دو: أَلَا إِنَّ أَرْبَعِينَ دَارًا جَارٌ کہ چالیس گھروں تک پڑوس ہے[۱]۔

یعنی ان کے حقوق کی رعایت کرو، ان کو تمھاری طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔

دو پڑوسی میں سے کون سا پڑوسی حسنِ سلوک کا زیادہ حق دار ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ لِي جَارَيْنِ فَإِلَى أَيِّهِمَا أُهْدِي؟ کہ اے اللہ کے رسول! کہ میرے دو پڑوسی ہیں، اگر میرے پاس کوئی ایسی چیز ہے کہ میں کسی ایک ہی گھر میں بھیج سکتی ہوں تو کون سے پڑوسی کو دوں؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا کہ: جس کا دروازہ قریب ہو[۲]۔

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ تعالی عنهم، رقم الحدیث: ۱۴۳.

(۲) صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا، كِتَابُ الشُّفْعَةِ، بَابٌ: أَيُّ الجِوَارِ أَقْرَبُ؟، رقم الحدیث: ۲۲۵۹.

ہم تو یوں سمجھتے ہیں کہ جس کا مکان ہمارے مکان کے ساتھ لگا ہوا ہو، وہ پڑوسی کہلاتا ہے، ایسا نہیں ہے۔ شریعت کی نگاہوں میں پورا محلہ آپ کا پڑوسی ہے۔

وہ پڑوسی مؤمن نہیں جو پیٹ کر کھائے اور....

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو یہاں تک فرماتے ہیں: لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ کہ وہ پڑوسی مؤمن نہیں کہ جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور پڑوس میں اس کا پڑوسی بھوکا ہو[1]۔

پڑوسیوں کے حقوق، پہلا حق: بیمار ہو تو عیادت کرنا

اب ان پڑوسیوں کے حقوق کیا ہیں؟ تو حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت طبرانی میں موجود ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑوسی کے حقوق میں ارشاد فرمایا، اس میں پڑوسی کا پہلا حق یہ بیان فرمایا: إِنْ مَرِضَ عُدْتَهُ کہ اگر وہ بیمار ہو تو آپ اس کی عیادت کیجیے، بیمار ہوں تو آپ اس کا حال پوچھیں، اس کی خبر گیری کریں، مدد یا خدمت کی ضرورت ہو تو مدد اور خدمت کریں۔

عیادت کے بعض فضائل

ویسے بھی بیمار کی عیادت بڑا نیکی کا کام ہے، اس کے مستقل فضائل ہیں، کوئی

---

(۱) الأدب المفرد [الناشر: دار البشائر الإسلامية - بيروت]، ص: ۵۲، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله تعالى عنهما، بَابُ لَا يَشْبَعُ دُونَ جَارِهِ، رقم الحديث: ۱۱۲.

آدمی بیمار کی عیادت کے لیے جاتا ہے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کی رحمت میں گھس رہا ہے[۱]۔ صبح کو جائے گا تو صبح سے لے کر شام تک ۷۰ رہزار فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کریں گے اور شام کو جائے گا تو شام سے لے کر صبح تک ۷۰ رہزار فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کریں گے[۲]۔ کتنا بڑا ثواب ہے اور پڑوسی کی عیادت کا ثواب تو اور بھی زیادہ بڑھ جائے گا۔

پڑوسی کا دوسرا حق: اس کے جنازے کے ساتھ چلنا

اور اس حدیث میں پڑوسی کا دوسرا حق نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا: **وَإِنْ مَاتَ شَيَّعْتَهُ**: اگر پڑوسی مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ چلے۔ یہ بھی پڑوسی کا حق ہے۔

پڑوسی کا تیسرا حق: قرض مانگے تو قرض دینا

تیسرا حق پڑوسی کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **وَإِنِ اسْتَقْرَضَكَ أَقْرَضْتَهُ**: اگر وہ آپ سے قرض مانگے، اس کو کچھ پیسوں کی ضرورت پڑ گئی تو اس کو قرض دیجیے، مدد کا محتاج ہے تو مدد کیجیے، اس کی تکلیف دور کیجیے اور اگر وہ تکلیف ایسی ہے کہ بھوک سے مر رہا ہے تو فقہاء نے قرض دینے کو واجب لکھا ہے۔

پڑوسی کا چوتھا حق: اس کے عیوب کو چھپانا

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیهقي، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنهما، بَابُ فَضْلِ الْعِيَادَةِ، رقم: ۶۵۸۳۔

(۲) سنن أبي داود، عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ تعالیٰ عنه، بَابٌ فِي فَضْلِ الْعِيَادَةِ عَلَى وُضُوءٍ، رقم: ۳۰۹۸۔

چوتھا حق بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَإِنْ أَعْوَزَ سَتَرْتَهُ: اگر اس کی طرف سے کوئی غفلت اور کوتاہی کا معاملہ ہو تو پردہ پوشی کیجیے، اس کا عیب چھپائیے۔ یہاں تو حال یہ ہے کہ ہمیشہ پڑوسی کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں اور کوئی عیب نہ ہو تو بھی غلط سلط الزامات لگا کر دنیا بھر میں اس کو نشر کرتے رہتے ہیں، حالاں کہ بغیر آپ کے ٹوہ لگائے ہوئے از خود پڑوسی کا کوئی عیب آپ پر ظاہر ہوتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کی پردہ پوشی کیجیے۔

پڑوسی کا پانچواں حق: خوشی کے مواقع پر مبارک بادی دینا

پانچواں حق بیان کرتے ہوئے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ هَنَّأْتَهُ: اور اگر اس کو کوئی خوشی پہنچے تو اس کو مبارک باد دیجیے۔ بیٹا پیدا ہوا تو پہنچ جائیے اور مبارک بادی دیتے ہوئے کہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بیٹا دیا ہے، مبارک ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو صحت وعافیت دے، عمر میں، رزق میں برکت دے۔ اس کو کوئی عہدہ ملا تو مبارک باد دیں، کوئی اور خوشی کا موقع آیا تو اس کو مبارک باد دیجیے۔

پڑوسی کا چھٹا حق: مصیبت میں تسلی دینا

چھٹا حق بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَإِنْ أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ عَزَّيْتَهُ: اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو تسلی دیں: کسی کا انتقال ہو گیا، تجارت میں گھاٹا ہو گیا، کہیں دکان میں نقصان ہو گیا، کھیتی میں آگ لگ گئی، بچہ یا گھر کا کوئی اور فرد بیمار ہو گیا، کوئی اور پریشانی

لاحق ہوگئی تو جا کر تسلی دیں۔

اپنے گھر کی دیوار کو اونچی کر کے پڑوسی کے لیے ہوا نہ روکیں

یہ چھ حقوق تو طبرانی کی روایت میں ہیں جو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمائے۔ آگے اسی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وَلَا تَرْفَعْ بِنَاءَكَ فَوْقَ بِنَائِهِ فَتَسُدَّ عَلَيْهِ الرِّيحَ: اور آپ اپنے گھر کی دیوار اونچی کر کے اس کی ہوا مت روکنا۔

گھر میں پکنے والی عمدہ چیز کی خوشبو سے پڑوسی کو تکلیف مت پہنچاؤ

آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وَلَا تُؤْذِهِ بِرِيحِ قِدْرِكَ إِلَّا أَنْ تَغْرِفَ لَهُ مِنْهَا: اپنی ہنڈیا کی خوشبو سے اس کو تکلیف مت پہنچانا، البتہ اگر تم اس کو اس میں سے دینے والے ہو تو حرج نہیں۔ تمھارے یہاں کو کر میں کچھ پک رہا ہے اور اس کی آواز اور اس میں پکنے والے پکوان کی خوشبو پڑوسی تک پہنچ رہی تو آپ ایسا اہتمام کیجیے کہ وہاں تک خوشبو نہ جائے اور اگر جا رہی ہے تو اس پڑوسی کو اس میں سے کچھ دے دو[1]۔

جب سالن پکاؤ تو پانی کچھ زیادہ ڈالو

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ مجھے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی: إِذَا صَنَعْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَهَا، ثُمَّ انْظُرْ أَهْلَ

---

(۱) المعجم الكبير [دار النشر: مكتبة ابن تيمية - القاهرة]: ۱۹/ ۴۱۹، عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، رقم الحدیث: ۱۰۱۴.

بَيْتٍ مِنْ جِيرَانِكَ فَأَصِبْهُمْ مِنْهُ بِمَعْرُوفٍ ① کہ ابوذر! جب سالن پکاؤ تو اس میں ذرا پانی زیادہ ڈال دو، شوربا کچھ زیادہ ہی بناؤ؛ تاکہ پڑوسی کی خبر لے سکو، ان کا خیال رکھو، دستور کے مطابق ان کو بھی اس میں سے کچھ دو۔

پڑوسیوں کی راحت رسانی کے لیے اپنی لذتوں کو قربان کرنے کی ضرورت ہے

دیکھو! یہاں یہ نہیں کہا کہ کچھ زیادہ گوشت ڈال دیا کرو، بخیل کی بھی رعایت کی، یہ نہیں کہا کہ آدھا کیلو پکاتے ہو تو ایک کیلو پکاؤ کہ شاید کچھ لوگ اس بات کو برداشت نہ کر پاتے تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خالی پانی کے اضافے کا حکم دیا کہ اس میں کسی کے اوپر کچھ بوجھ بھی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ جب زیادہ پانی ڈالیں گے تو سالن ایسا لذیذ اور عمدہ نہیں بنے گا، علماء نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ پڑوسی کے لیے اپنی لذتوں کو بھی قربان کرنے کی ضرورت ہے۔ بھائی! پڑوسی کی راحت رسانی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے تھوڑی سی قربانی بھی دے دیا کرو۔

جب کوئی پھل لاؤ تو پڑوسی کو بھی دو

ایک اور حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وَإِنِ

---

① الأدب المفرد [الناشر: دار البشائر الإسلامية - بيروت]، ص: ۵۲، بَابُ يُكْثِرُ مَاءَ الْمَرَقِ فَيَقْسِمُ فِي الْجِيرَانِ، رقم الحديث: ۱۱۳.

اشْتَرَيْتَ فَاكِهَةً فَاهْدِ لَهُ، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَأَدْخِلْهَا سِرًّا، وَلَا يَخْرُجُ بِهَا وَلَدُكَ لِيَغِيظَ بِهَا وَلَدَهُ کہ جب تم کوئی پھل خرید کر لاؤ تو پڑوسی کو بھی دو اور اگر دینے کا ارادہ نہیں ہے تو چھپا کر کے لاؤ؛ تاکہ اس کی نظر نہ پڑے اور اپنے بچوں کو تاکید کرو کہ اس پھل کو لے کر باہر نہ نکلے؛ تاکہ اس پھل کو دیکھ کر پڑوسی کے بچوں کی دل آزاری نہ ہو[1]۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ہمارے اسلاف نے تو اس پر بھی عمل کر کے دکھا دیا ہے، ہمارے بزرگوں میں ایک بزرگ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ گذرے ہیں جو حضرت میاں صاحب کے نام سے مشہور ہیں اور راندیر میں ان کا مزار ہے، دیوبند کے رہنے والے تھے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور ان کے متعلق ان کے اساتذہ کہتے تھے کہ یہ مادرزاد ولی ہیں اور ان کے خاندان کا یہی وطیرہ تھا۔

ان کے حالات میں ان کے متعلق لکھا ہے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے مولانا زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مضمون لکھا اس میں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت والد کے ساتھ حضرت میاں صاحب کے پاس بعد العصر میری حاضری ہوئی، آم کا موسم تھا۔ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ مفتی صاحب آم چوسو گے؟ یوپی میں چوسے جانے والے آم کا زیادہ رواج تھا، اب تو اس کا

---

① شعب الإيمان، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رضی اللہ تعالی عنهم، بَابٌ فِي إِكْرَامِ الْجَارِ، رقم الحديث: ۹۱۱۳۔

رواج ختم ہوتا جا رہا ہے، اب تو لوگوں کو کاٹ کر کھائے جانے والے آم ہی اچھے لگتے ہیں، حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہوتے تھے تو حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا: حضرت آم اور وہ بھی آپ کے دستِ مبارک سے، بھلا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ فرماتے ہیں کہ میاں صاحب دو ٹوکرے لائے۔ ایک ٹوکرے میں دُھلے ہوئے آم تھے اور دوسرا خالی ٹوکرا۔ جو آم چوستے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ بعد میں گُٹھلی اور چھلکا ڈالنے کے لیے بھی ایک برتن چاہیے، وہ لا کے رکھا اور آم کھائے گئے۔ حتیٰ کہ وہ آم کا ٹوکرا خالی ہو گیا اور یہ گُٹھلی اور چھلکے والا بھر گیا۔

پر ہے وہی بھلا جو کسی کا بھلا کرے

اس کے بعد مفتی صاحب اس ٹوکرے کو اُٹھانے لگے: گُٹھلی، چھلکے والا ٹوکرا۔ میاں صاحب نے کہا: کیا کر رہے ہو؟ مفتی صاحب نے کہا کہ حضرت باہر پھینک کر آتا ہوں۔ میاں صاحب نے کہا: آپ کو پھینکنا آتا ہے؟ مفتی صاحب نے کہا کہ پھینکنا بھی کوئی فن ہے؟ کوئی سیکھنے کی چیز ہے؟ جو آپ یہ پوچھ رہے ہیں۔ فرمایا: ہاں لاؤ! مجھے ٹوکرا دو۔ ٹوکرا دیا پھر انھوں نے گُٹھلیاں الگ کیں، چھلکے الگ کیے، پھر اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وہ لے کر باہر نکلے۔ باہر نکل کر ایک جگہ محلے میں جا کر وہاں انھوں نے کونے میں چھلکے ڈالے اور تھوڑے دوسری جگہ پر ڈالے اور گٹھلیاں ایک جگہ پر ڈالیں پھر یوں فرمایا: مفتی صاحب! یہ ہمارا محلہ غریبوں کا محلہ ہے، اس محلے کے رہنے والے غریب ہیں، ان میں سے بعض لوگوں کو دو وقت کی روٹی بھی پورے طور پر میسر نہیں ہوتی اور نہ یہ اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ پیسے خرچ کر کے آم لا کر کھا

سکیں یا اپنے بچوں کو کھلا سکیں، یہ جو چھلکے میں نے ڈالے، اس محلے کی بکریاں عام طور پر یہاں بیٹھتی ہیں تو یہ چھلکے ان بکریوں کے کام آ جائیں گے اور جہاں گُٹھلیاں ڈالی ہیں، محلے کے بچے وہاں کھیلتے ہیں۔

آپ نے دیہاتوں میں دیکھا ہوگا کہ وہ گُٹھلیاں سینکتے ہیں اور سینک کر کے کھا لیتے ہیں تو کہا کہ وہ ان کے کام آ جائیں گے، ایسے باہر ڈال دیں گے تو ان محلے والوں کی جب نظر اتنے زیادہ چھلکوں اور گٹھلیوں پر پڑے گی تو ان کے دل میں یہ حسرت ہوگی کہ ہائے ہمارے پاس پیسے نہ ہوئے، ورنہ ہم بھی اپنے بچوں کو خرید کر کھلاتے اور خود بھی کھاتے تو ان کی اس حسرت اور ان کی اس تکلیف کا باعث میں بنتا، میں اس کو گوارہ نہیں کرتا۔ اندازہ لگایئے!۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں: حالاں کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ حضرت کے یہاں جو آم آتے تھے تو اکثر محلے کے بچوں کو بُلا بُلا کر حضرت کھلاتے تھے، حضرت تو خود دن بھر میں ایک دو آم کھاتے تھے مگر بچوں کو کھلاتے اور آنے والے مہمانوں کو کھلایا جاتا تھا۔ اس کے باوجود اس کا اتنا زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کر کے ان حضرات نے بتلا دیا، ہم تو خالی سنتے ہیں، جن چیزوں کی تاکید کی گئی ہے، ہم سے تو ان پر بھی عمل نہیں ہو پاتا۔

اپنا مکان سب سے اخیر میں بنوایا

ایک اور قصہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کا لکھا ہے، مولانا زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ

ہی لکھتے ہیں: حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مکان کچا تھا، کچی دیواریں اور اوپر کھپریل (جس کو ہماری زبان میں نلیے کہتے ہیں، پُرانے قسم کا چھپرا) جن لوگوں نے ایسے گھروں میں رہائش کی ہے، وہ جانتے ہیں کہ بارش آنے سے پہلے دیواریں اگر اس کی کچی ہیں تو ان دیواروں کے اوپر کراٹھیاں وغیرہ لگا دینی پڑتی ہیں؛ تاکہ بارش کا پانی ٹپک کر کے اس دیوار کو خراب نہ کرے اور اوپر کھپریل وغیرہ ہوتے ہیں، اُس کو اتار کر اس کو صاف کر کے دوبارہ درست کرنا پڑتا ہے تو ہر سال یہ کام کرنا ہوتا تھا۔

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں ہر سال تقریباً چار سو روپیے خرچ ہوتے تھے تو میں نے حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت ہر سال اس میں اتنا خرچ ہوتا ہے، پندرہ بیس سالوں میں تو پکا نیا گھر بن جائے، آپ کیوں پکا مکان نہیں بنا لیتے تو یہ سُن کر حضرت میاں صاحب فرمانے لگے کہ ہاں بھائی! آپ نے تو ایسی بات کہی کہ اس بڑے میاں کی عقل وہاں تک نہیں پہنچی، ہم کو یہ نہیں سوجھی اور پھر یوں کہا کہ بھائی! بات دراصل یہ ہے کہ یہ ہمارا محلہ غریبوں کا محلہ ہے، اس محلے کے تمام رہنے والے غریب ہیں، ان کے مکان کچے ہیں، اگرچہ مجھ میں استطاعت ہے کہ میں اپنا مکان پکا بنا سکتا ہوں لیکن اگر میں اپنا مکان پکا بنا لوں گا تو جن کے پاس پیسے نہیں ہیں، یہ تو نیا نہیں بنا سکیں گے تو ان کے دل میں حسرت رہے گی کہ ہائے! اگر ہمارے پاس پیسہ ہوتا ہم بھی اپنا مکان پکا بناتے اور اس حسرت کا ذریعہ میں بنوں گا، میں اس کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے تمام محلے والوں کی مالی حالت اچھی کر دی اور سب کے مکان جب پکے بن گئے تو اخیر میں میاں صاحب نے

اپنا مکان پکا بنوایا۔ یہ ہے پڑوسیوں کے حق کی رعایت۔ ہمارے بزرگوں کے یہاں اتنا زیادہ اہتمام کیا جاتا تھا۔

پڑوسیوں کو تکلیف پہنچانے سے بچنے کا حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حیرت انگیز اہتمام

ایک اور واقعہ لکھا ہے، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے محلے کے قریب ایک مسجد تھی، وہاں نماز کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے اور وہیں نماز ادا فرماتے تھے، شام کو مغرب کی نماز کے لیے جب تشریف لے جاتے تھے اور واپس تشریف لاتے تھے تو میں نے دیکھا کہ محلے کے اندر اس مسجد کے پاس بڑے دروازے والا ایک مکان آتا تھا تو اس مکان کے آنے سے پہلے حضرتؒ اپنے جوتے اتار دیا کرتے تھے اور وہاں سے ننگے پاؤں گذرا کرتے تھے، واپسی میں بھی اسی طرح کرتے تھے۔

مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ کس کا مکان ہے، اس لیے ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ حضرت! کیا بات ہے کہ اس مکان کے پاس آکر آپ اپنے جوتے اتار دیا کرتے ہیں؟ تو حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی! چھوڑو!۔ میں نے جب بہت اصرار کیا تو جواب دیا کہ یہ ایک رنڈی کا مکان ہے، اس کی جوانی کے زمانے میں لوگ اس کے پاس کثرت سے آتے تھے اور ان کے آنے کا یہی وقت تھا۔ اب تو اس کی عمر ڈھل چکی، جوانی ختم ہو چکی مگر اس کے باوجود وہ بن سنور کر گاہکوں کے انتظار میں بیٹھتی ہے۔ اب کوئی جوتے پہن

کر چل کر آئے گا تو اس کے جوتوں کی چاپ دور سے سنائی دے گی تو اس کے دل میں امید پیدا ہوگی کہ کوئی آ رہا ہے اور جب وہ آگے بڑھ جائے گا تو اس کی وہ امید منقطع ہو جائے گی تو ہم کیوں اس کی غلط امید بندھنے کا ذریعہ بنیں، ایک تو یہ بات ہے اور دوسرا یہ کہ وہ امید منقطع ہو جائے گی تو اس کے دل کو تکلیف ہوگی۔ جو بھی ہے، ہماری پڑوسن ہے، ہم اس کی تکلیف کا باعث کیوں بنیں!، ذرا اندازہ لگاؤ۔

یہ وہ حضرات تھے جنھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو باقاعدہ عملی جامہ پہنا کر کے ہمیں دکھلا دیا، ہمارے لیے نمونہ چھوڑ گئے۔ یہ ہے ''وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا''، یہ ایمان کا تقاضا ہے۔

پڑوسی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملو

دیکھیے! نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑوسی کا کیسا کیسا حق بتلا رہے ہیں اور ہمارے اسلاف اس پر کیسے عمل کر رہے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ پوری زندگی گذر جاتی ہے اور پڑوسی کو سلام کرنے کی نوبت نہیں آتی، حالاں کہ پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کی جہاں تصریح کی گئی ہے، وہاں لکھا ہے کہ اس کو سلام کرو، اس کے ساتھ طلاقتِ وجہ، خندہ پیشانی سے پیش آؤ، جب بھی ملو تو ہنستے اور مسکراتے ہوئے ملو، یہ نہیں کہ ارنڈ پیا ہوا منہ لے کر کے ملو۔ بعض لوگ تو زندگی بھر ایسے ہی رہتے ہیں، پڑوسی کے ساتھ ہنسنے کا سوال ہی نہیں بلکہ پڑوسی کو دیکھ کر منہ بگاڑ لیتے ہیں اور شریعت کی تاکید یہ ہے کہ خندہ پیشانی کے ساتھ ملو۔

مسلمان بھائی سے مسکرا کر ملنا بھی صدقہ ہے

اور ویسے بھی ہر مسلمان کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنے کی تاکید ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ① : تمھارا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا بھی صدقے کا ثواب رکھتا ہے۔ اس میں کون سے پیسے لگتے ہیں، بس ذرا سا ہونٹ کھول دیں، پھیلا دیں تو مفت میں بیٹھے بٹھائے صدقے کا ثواب مل رہا ہے لیکن نہیں، محروم ہے، قسمت میں نیکی حاصل کرنا نہیں ہے تو کوئی کیا کرے!، اس کو کوئی فکر ہی نہیں ہے۔

پڑوسی کافر یا فاسق ہو تو کیا کریں؟

اور اگر پڑوسی کافر ہے تو اس کے لیے ہدایت کی دعا کیجیے، اسلام کی ترغیب دیجیے اور اگر فاسق و فاجر ہے تو اس کے لیے بھی نیکی اور راہِ راست پر آنے کی دعا کیجیے اور بھلائی کے ساتھ، حکمت و مصلحت کے ساتھ، خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ نیکی کی تاکید کیجیے اور اس کے اس فسق و فجور کی وجہ سے اس سے دوری مت اختیار کیجیے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شرابی پڑوسی کا واقعہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پڑوسی تھا جو نوجوان تھا، رات کو شراب پیتا تھا اور شور

---

① سنن الترمذی، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ تعالی عنہ، أَبْوَابُ البِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا جَاءَ فِي صَنَائِعِ المَعْرُوفِ، رقم الحدیث: ۱۹۵۶.

شرابہ کرتا تھا اور شعر بھی پڑھتا تھا: ؎

أَضَاعُونِي وأيَّ فتىً أَضَاعُوا	۞	ليوم كَرِيهةٍ وسِدَادِ ثَغْرِ

کہ مجھے لوگوں نے ضائع کردیا، میری قدر نہیں کی اور ایسے نوجوان کی ناقدری کی جو مصیبتوں اور حوادث میں کام آسکتا تھا۔

یہ ایک شعر ہے جو وہ پڑھا کرتا تھا۔ ایک رات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی آواز نہیں سنی، کوئی شور شرابہ نہیں تھا تو پوچھا کہ کیا بات ہے؟ جواب ملا کہ کسی نے پولیس میں اس کی فریاد کردی تھی کہ رات کو پی کرکے شور مچاتا ہے اور حضرت کو بھی تکلیف پہنچاتا ہے تو پولیس اس کو گرفتار کرکے لے گئی اور جیل میں ڈال دیا، جب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چلا کہ وہ تو جیل میں ہے تو حضرتؒ بذاتِ خود تشریف لے گئے اور اس کو جیل سے چھڑا کر کے لائے اور فرمایا کہ ہم نے تو تم کو ضائع نہیں کیا نا؟ ہم نے تو تمھاری ناقدری نہیں کی؟ لکھا ہے کہ اس کے بعد اس نے کبھی شراب نہیں پی۔ ①

ہم اگر حسنِ اخلاق سے پیش آئیں تو بہت سے بگڑے ہوئے بھی سُدھر سکتے ہیں، ہم نے اپنا مزاج ایسا بنا رکھا ہے کہ بگڑے ہوؤں کو تو کیا سُدھارتے، ہم سُدھرے ہوؤں کو بھی بگاڑ رہے ہیں۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور ان کی ایذا رسانی اور ان کو تکلیف پہنچانے

---

① تاريخ بغداد [الناشر: دار الغرب الإسلامي - بيروت]: ۱۵/۴۸۷، ماذكر من وفور عقل أبي حنيفة وفطنته وتلطفه.

پر بڑی سخت وعیدیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔ایک حدیث میں ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:مَنْ آذَى جَارَهُ فَقَدْ آذَانِي، وَمَن آذَانِي فَقَدْ آذَى اللهَ، وَمَنْ حَارَبَ جَارَهُ فَقَدْ حَارَبَنِي، ومن حَاربني فَقَدْ حَارَب الله[1]:جس نے اپنے پڑوسی کو تکلیف پہنچائی، اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی، اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو تکلیف پہنچائی اور جو پڑوسی سے لڑا، وہ مجھ سے لڑا اور جو مجھ سے لڑا، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے لڑا اور جو اللہ تعالیٰ سے لڑے گا، بھلا اس کا کیا بنے گا، کیسے وہ پنپ سکتا ہے، کیسے وہ کامیاب ہوسکتا ہے؟۔

پڑوسیوں سے پہنچنے والی ایذاؤں پر صبر کا عظیم اجر

اور اگر آپ کو پڑوسی کی طرف سے ایذائیں پہنچ رہی ہیں تو صبر کرو، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو بہت محبوب رکھتے ہیں جو پڑوسی کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں کو برداشت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتا ہے، اس لیے کہ موت ہر تکلیف کا خاتمہ کرنے والی ہے[2]۔کب تک تکلیف پہنچائے گا، ہم مریں گے، ختم ہو جائیں گی، وہ مرے گا تو بھی تکلیفیں ختم ہو

---

(۱) جمع الجوامع المعروف بـ«الجامع الكبير» [الناشر: الأزهر الشريف، القاهرة - جمهورية مصر العربية]: ۸/۳۳۵، عن أَنس رضی اللہ تعالی عنه، رقم الحديث: ۲۰۰۷۵.

(۲) شعب الإيمان، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ تعالی عنه، بَابٌ فِي إِكْرَامِ الْجَارِ، رقم الحديث: ۹۱۰۲.

جائیں گی، اس لیے صبر کرو۔

ایک پڑوسی کے دوسرے پڑوسی کو تکلیف پہنچانے کا زمانۂ نبوی کا ایک دل چسپ واقعہ

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی نے آکر اپنے پڑوسی کی ایذا رسانی کی شکایت کی تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ صبر کرو اور اپنی طرف سے اس کو تکلیف مت پہنچاؤ، دوبارہ آیا تو پھر آپؐ نے یہی تاکید کی اور صبر کی تلقین فرمائی، تیسری مرتبہ آیا کہ اے اللہ کے رسول! بہت تکلیف پہنچاتا ہے تو آپؐ نے پھر صبر کی تلقین فرمائی پھر آیا تو فرمایا کہ اچھا! اپنے گھر کا سارا سامان گھر سے باہر نکال کر رکھ دو۔ چنانچہ اس نے اپنے گھر کا سارا سامان باہر سڑک پر لاکر رکھ دیا، اب لوگ گذر رہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کہ کیا بات ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ میرا پڑوسی مجھے بہت تکلیف پہنچاتا تھا تو میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کی فریاد کی تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنا سامان لاکر کے باہر رکھ دو تو میں نے اس پر عمل کیا، یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ بڑا ہی نالائق آدمی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے نمٹے۔ اب جو بھی آتا ہے، اس کو اسی طرح لعنت ملامت کرتا ہے اور لوگوں کی یہ لعنتیں سن کر کے یہ پڑوسی خوب پیچ تاب کھا رہا ہے، حیران و پریشان ہے، اس نے آکر کے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! مجھے لوگ بہت ہی زیادہ لعنت وملامت کررہے ہیں، اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کی لعنت تو بعد میں پڑی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی لعنت تجھ پر اس سے پہلے پڑی ہے، اس نے کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ اپنا سامان گھر کے اندر رکھ دو اور اس پڑوسی نے کہا کہ آئندہ میں تجھے کبھی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا①۔ یہ بھی ایک تدبیر ہے پڑوسی کی تکلیف سے نجات پانے کی۔

پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری اکبرالکبائر ہے

نیز پڑوسی کی عزت اور آبرو کا بھی خیال رکھنا اور حفاظت کرنا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: »أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ«. قُلْتُ: إِنَّ ذَلِكَ لَعَظِيمٌ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ: »وَأَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ تَخَافُ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ«. قُلْتُ: ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ: »أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ« کہ: تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیراؤ، حالاں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تم کو پیدا کیا۔ سائل نے پوچھا کہ پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو فرمایا کہ پھر یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مارو کہ وہ تمھارے ساتھ کھانے میں شریک ہوگی۔

زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے بچوں کو اس لیے مار دیتے تھے کہ کون ان کو

---

① شعب الإيمان، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ تعالی عنه، بَابٌ فِي إِكْرَامِ الْجَارِ، رقم الحديث: ۹۱۰۰، مختصرا من المطول۔

کھلائے گا۔ آج بھی یہ نظریہ پایا جاتا ہے، اتنا ہے کہ آج باہر آنے ہی نہیں دیتے، وہ لوگ باہر آنے کے بعد مارتے تھے اور یہاں آنے ہی نہیں دیتے تو فرق کچھ زیادہ نہیں ہے۔

سائل نے تیسری مرتبہ پوچھا کہ پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو فرمایا: أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ کہ پھر یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کا معاملہ کرو۔ یہ اکبرالکبائر ہے۔

''تُزَانِيَ'' فرمایا، علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ عربی میں بابِ مفاعلہ سے ہے جس میں دونوں طرف سے معاملہ پایا جاتا ہے، گویا اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ معاشقہ کیا، پریم کیا اور اس کے بعد یہ نوبت پہنچی، ایک تو یہ کہ خالی زنا کیا ہوتا اور یہاں پہلے پریم کیا تو گویا اس نے اس عورت کا دل اپنے شوہر کی طرف سے ہٹا دیا، اس طرح تم نے اس کی گھریلو زندگی ہمیشہ کے لیے برباد کر دی۔

اور زنا ویسے بھی حرام ہے اور پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کی قباحت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ وہ تو پڑوسی ہونے کی وجہ سے آپ سے اس بات کی توقع رکھتا ہے کہ اگر کوئی دوسرا اس کی عزت کی طرف غلط نگاہ ڈال رہا ہے تو آپ اس کی حفاظت کے لیے آگے آئیں گے، اس کے بجائے آپ خود اس کی عزت کو لوٹ رہے ہیں، یہ تو بہت خطرناک معاملہ ہے۔

پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا اور اس کے گھر سے چوری کا وبال عام زنا اور چوری سے دس گنا زیادہ ہے

اسی لیے ایک دوسری روایت میں ہے: لَأَنْ يَزْنِيَ الرَّجُلُ بِعَشْرِ نِسْوَةٍ أَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ أَنْ يَزْنِيَ بِامْرَأَةِ جَارِهِ کہ جو شخص اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرے تو یہ دس عورتوں کے ساتھ زنا کرنے سے زیادہ برا ہے، پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کا وبال دس عورتوں کے ساتھ زنا سے بھی زیادہ ہے اور پڑوسی کے گھر چوری کرنے کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَلَأَنْ يَسْرِقَ مِنْ عَشَرَةِ أَبْيَاتٍ أَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ أَنْ يَسْرِقَ مِنْ بَيْتِ جَارِهِ: پڑوسی کے گھر سے کوئی چیز چرانا دس گھروں سے چرانے سے زیادہ خطرناک ہے[۱]۔

گویا یہ آدمی آپ کے پڑوس میں رہنے کی وجہ سے اس بات کا حق دار تھا کہ آپ اس کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتے، چہ جائے کہ آپ اس کے ساتھ ایذا رسانی والا سلوک کریں۔

تو یہ تیسری بات نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی: وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا۔

حدیث میں مذکور چوتھی بات:

لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو

آگے چوتھی بات نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی: وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا: لوگوں کے لیے بھی تم وہی چیز پسند کرو جو تم

---

(۱) المعجم الأوسط للطبرانی، عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ رضی اللہ تعالی عنہ، رقم: ۶۳۳۳.

اپنے لیے پسند کرو تو تم مسلمان بن جاؤ گے، مسلمان کہلاؤ گے۔

تو دنیا جنت کا نمونہ بن جائے

ایک مسلمان کی مسلمانی شان کا تقاضا یہ ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرے، وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے پسند کرے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عجیب وغریب ارشاد ہے، آج اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ایک ارشاد پر عمل کرنے لگ جائیں تو دنیا سے سارے جھگڑے فساد ہی ختم ہو جائیں اور دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔ ہر آدمی اس کا استحضار رکھے کہ ہم اپنے لیے چاہتے ہیں کہ کوئی ہمیں دھوکہ نہ دے تو پھر ہمیں بھی دوسروں کو دھوکہ نہیں دینا چاہیے، ہم اپنے لیے چاہتے ہیں کہ کوئی میری بیوی کو، میری بیٹی کو، میری بہن کو غلط نگاہ سے نہ دیکھے تو پھر ہم کو بھی ایسا کرنا چاہیے کہ ہم بھی کسی کی بیوی کو، کسی کی بیٹی کو، کسی کی بہن کو غلط نگاہ سے نہ دیکھیں، ہم یہ چاہتے ہیں کہ کوئی ہماری پیٹھ پیچھے ہماری برائی نہ کرے۔ آپ کو اور ہمیں پتہ چل جائے کہ فلاں ہماری برائی کر رہا ہے تو ہم کو کتنا برا لگتا ہے، تکلیف ہوتی ہے۔ جب ہم کو تکلیف ہوتی ہے تو کیا ان کو تکلیف نہیں ہوگی جن کی ہم برائی کرتے ہیں؟ تو جب ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ کوئی ہماری غیبت نہ کرے تو ہمیں بھی دوسروں کی غیبت نہیں کرنی چاہیے۔

شریعت مطہرہ نے اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایسا اصول بتادیا کہ ہم لوگ اس کو پکڑ لیں تو ہماری معاشرت، ہمارے آپس کے تعلقات سب ٹھیک ٹھاک ہو جائیں، یہ ماسٹر کی (master key) ہے، گرو چابی ہے۔ آپ نے پڑوسی کے ساتھ کوئی سلوک کرنا چاہا تو سوچو کہ اگر کوئی میرے ساتھ ایسا سلوک کرتا تو مجھے اچھا

لگتا؟ اگر جواب نفی میں ہے تو اس کے ساتھ ایسا سلوک مت کرو، ہر معاملے میں یہ سوچو، دوسری کسی حدیث میں کیا آیا ہے، اس کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے غیر مسلم پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کا عجیب واقعہ

جیسا کہ ابھی میں نے عرض کیا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑوسی کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف پر صبر کی تلقین فرمائی۔ ہمارے اسلاف کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الکبائر'' میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر صوفیاء میں سے ہیں، ان کا ایک غیر مسلم پڑوسی تھا اور اس کے گھر کی ایک دیوار ان کے گھر کی دیوار سے لگی ہوئی تھی، اس کا جو بیت الخلاء تھا، اس بیت الخلاء سے ایک سوراخ ان کے گھر کی دیوار میں آ گیا اور اس کی وجہ سے ساری ناپاکی ان کے گھر میں آنے لگی، وہ روزانہ دن بھر وہاں ایک لگن رکھ دیا کرتے تھے اور رات کو کوئی نہ دیکھے، اس طرح اس ناپاکی کو دور جا کر ڈال آیا کرتے تھے۔ ایک طویل زمانے تک یہ سلسلہ رہا۔

جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس پڑوسی کو بلایا اور کہا کہ ذرا اس کمرے میں جا کر دیکھو، اس نے جا کر کے دیکھا اور اس ناپاکی والے لگن کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ تو آپؒ نے جواب دیا کہ یہ تمھاری بیت الخلاء سے غلاظت آرہی ہے اور ایک مدت سے یہ سلسلہ جاری ہے، چوں

کہ اب میری موت کا وقت قریب ہے اور مجھے یہ اندیشہ ہے کہ شاید پاس والے لوگ اس کو برداشت نہ کرسکیں، اس لیے میں نے تجھے بلایا تھا؛ تاکہ تم اس کا کچھ انتظام کرلو۔ اس نے کہا کہ اے اللہ کے بندے! آپ میری طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو اتنے طویل عرصے سے برداشت کرر ہے ہیں اور میں اپنے کفر پر قائم ہوں! لاؤ، اپنا ہاتھ بڑھاؤ، میں کلمہ پڑھتا ہوں، چنانچہ وہ ایمان لے آیا[۱]۔

یہ اخلاق تھے ہمارے اسلاف اور بزرگوں کے کہ جن کو دیکھ کر غیر مسلم بھی ایمان قبول کرلیا کرتے تھے۔ الغرض! پڑوسی کی تکلیف کو برداشت کرنا، یہ بھی پڑوسیوں کے حقوق میں سے ہے۔

ایک بزرگ کے گھر میں چوہوں کے کثیر ہوجانے کا واقعہ

ایک واقعہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں بیان کیا ہے: ایک بزرگ تھے، اللہ والے تھے، ان کے یہاں چوہے بہت ہوگئے، ایک مرتبہ انھوں نے اپنی مجلس میں شکایت کی کہ میرے گھر میں چوہے بہت ہوگئے ہیں، کسی نے کہا کہ بھائی! اپنے گھر میں بلی پال لو، اس سے چوہوں کا علاج ہوجائے گا۔ خیر بات آئی گئی ہوگئی، انھوں نے بلی نہیں پالی، کچھ مدت کے بعد دوبارہ شکایت کی کہ چوہوں کی کثرت کی وجہ سے پریشان ہوں۔ تو جن صاحب نے مشورہ دیا تھا، اس نے کہا: حضرت! آپ کو بلی

---

(۱) الکبائر للإمام الذهبي [الناشر: دار الندوة الجديدة - بيروت]، ص: ۲۰۸، الْكَبِيرَة الثَّانِيَة وَالْخَمْسُونَ أَذَى الْجَار.

پالنے کا مشورہ دیا تھا، بلی تو آپ پالتے نہیں اور چوہوں کی فریاد کرتے رہتے ہیں، کیوں نہیں پال لیتے بلی کو؟ تو فرمایا: بھائی! اگر میں گھر میں بلی پالتا ہوں تو میرے گھر کے چوہے بلی کو دیکھ کر ڈر کے مارے پڑوسی کے گھر میں چلے جائیں گے اور جو چیز میں اپنے لیے پسند نہیں کرتا، وہ اپنے بھائی کے لیے پسند کیسے کروں؟ یہ تھا ہمارے اسلاف کا عمل!، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایسا اصول بتلادیا کہ جس پر عمل کرنے سے ہماری پوری معاشرت درست ہوسکتی ہے۔

ترا کے میسر شود ایں مقام

ایک اور واقعہ یاد آیا، وہ بھی سن لیجیے! حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان کے اندر ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک اللہ والے کے گھر میں ایک چور داخل ہوا، اب اس کے پاس کچھ تھا ہی نہیں، ایک گدڑی تھی جس کو آدھی بچھا لیتے، آدھی اوڑھ لیتے تو چور جب گھسا تو یہ لیٹے ہوئے تھے، انھوں نے بھی دیکھا کہ کوئی مہمان آیا ہوا ہے، پڑے رہے، اب وہ جانتے ہیں کہ گھر میں تو کچھ ہے نہیں، چور اِدھر اُدھر پھرا، کچھ ملا نہیں، انھوں نے سوچا کہ بے چارہ کچھ امید لے کر کے آیا ہے، خالی ہاتھ جائے گا تو جس گدڑی پر آدھی بچھا کر اور آدھی اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے، اس کو نکال کر چور کے راستے میں ڈال دیا؛ تاکہ خالی ہاتھ نہ جائے، یہ واقعہ ذکر کر کے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رباعی ذکر کی ہے، بڑی پیاری رباعی ہے، اصل میں تو وہ سنانا چاہتا ہوں، فرماتے ہیں: ؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا		دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام	❁	کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ

ہم نے سنا ہے کہ اللہ والے دشمنوں کا دل بھی دُکھایا نہیں کرتے، اے مخاطب! تجھے یہ مقام کیسے حاصل ہوسکتا ہے کہ تیری تو اپنے دوستوں کے ساتھ لڑائیاں ہیں۔

آج ہمارا حال یہی ہے، ہمارے ماں باپ، ہمارے بھائی، ہماری بیوی بچے ہم سے تنگ ہیں، آدمی جب گھر میں آتا ہے تو بچے بھی دعا کرتے ہیں کہ یہ بلا کب جاوے کہ جب تک گھر میں رہے گی، مصیبت ہی مصیبت ہے، ہمارا یہ حال ہے گھر میں تو دوسروں کا کیا پوچھنا۔

حدیث کے چوتھے جزء پر بات ہو رہی تھی کہ لوگوں کے لیے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو تو مسلمان کہلاؤ گے۔ ایک دوسری حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے، بخاری شریف کی روایت ہے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ: تم میں سے کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا ہے، یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

تعلیماتِ نبویہ کا خلاصہ پانچ احادیث ہیں

ایک بہت بڑے محدث امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، فن حدیث میں ان کا بہت اونچا مقام ہے، جن کی ترتیب دادہ حدیث کی کتاب سنن ابی داؤد ہے جس کا نام آپ بھی سنتے رہتے ہوں گے۔ ہمارے مدارسِ عربیہ میں تعلیم کا جو آخری سال ہے، اس میں حدیث کی کتابیں جو صحاحِ ستہ یا امہات الست کے نام سے

مشہور ہیں، اس میں ایک کتاب سنن ابی داؤد ہے، اسی کے مؤلف امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا علمِ حدیث میں بڑا اونچا مقام تھا۔

ان کا ایک مقولہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے حالات لکھنے والے دوسرے علماء نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی پانچ لاکھ حدیثیں حاصل کیں اور پانچ لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کر کے، چن کر چار ہزار آٹھ سو روایات اپنی اس کتاب سنن ابی داود میں مختلف عنوانات کے ماتحت مرتب کر کے لوگوں کے سامنے پیش کی ہیں، پھر آگے فرماتے ہیں: **ويكفي الإنسان لدينه من ذلك أربعة أحاديث:** ایک انسان کی دین داری کے واسطے اور اس کے اللہ کے حکم پر عامل بننے کے واسطے اس مجموعۂ احادیث میں سے چار حدیثیں کافی ہیں۔ اگر کوئی آدمی ان کو اختیار کرلے اور ان پر عمل کا اہتمام کرلے تو اس کی نجات اور دین داری کے لیے کافی ہو جائے گا۔

ان میں تیسرے نمبر پر یہ حدیث ذکر کی ہے: **لا يكون المرء مؤمنا حَتَّى يرضى لأخيه ما يرضى لنفسه:** امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اپنے اس ارشاد میں ان ہی الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے، اگرچہ یہ روایت بخاری شریف میں **لا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّى يُحِبّ لأخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ** کے الفاظ سے آئی ہے، جیسا کہ ابھی اوپر سنائی گئی۔ چوں کہ اہلِ علم بھی موجود ہیں، ان کو اشکال نہ ہو؛ اس لیے دفعِ دخلِ مقدر کر دیا۔ بہر حال! مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

حدیث میں مذکور پانچویں چیز: زیادہ ہنسنے کی ممانعت

پانچویں چیز نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی: وَلاَ تُكْثِرِ الضَّحِكَ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ القَلْبَ: زیادہ ہنسو مت، اس لیے کہ زیادہ ہنسنا دل کو مار دیا کرتا ہے۔

اگر دورانِ گفتگو کوئی ہنسی کی بات آگئی اور آپ ہنس دیے تو کوئی حرج کی بات نہیں، ہنسنے کی بات پر ہنسنا برا نہیں ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ہنسی کی بات پر مسکرایا کرتے تھے۔

آج کل کے ''لافٹر شو'' کا حکمِ شرعی

لیکن آج کل ہمارے یہاں ایک مستقل سلسلہ چل پڑا ہے مستقل ہنسنے، ہنسانے کی محفلیں قائم کرنا، باقاعدہ ایسے لوگ کرایے پر پیسے دے کر لائے جاتے ہیں، وہ جوکس بیان کرتے ہیں، گھنٹے گھنٹے، دو دو گھنٹے کا ان کا پروگرام ہوتا ہے، لوگ باقاعدہ فیس دے کر اس میں شرکت کرتے ہیں۔ ہنسی کی ایسی شکلوں کو شریعت پسند نہیں کرتی اور نہ اس کی اجازت دیتی ہے۔

ایک مؤمن کے دل پر تو ہر وقت آخرت سوار ہونی چاہیے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا[۱]: آخرت کے خطرناک حالات کے متعلق جو کچھ

---

[۱] صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنها، بَابُ الصَّدَقَةِ فِي الكُسُوفِ، رقم: ۱۰۴۴۔

میں جانتا ہوں، تم بھی اگر جان لو تم ہنسنا کم کردو اور زیادہ تر رونے لگو۔

ہم تو آج آخرت کو ایسا بھلا بیٹھے ہیں کہ بھولے سے بھی اس کا خیال نہیں آتا، حالاں کہ آخرت کے حالات بڑے خطرناک ہیں۔ تفسیر کی کتابوں میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک آدمی بالکل نوجوان رات کے وقت سویا تو اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال بالکل سیاہ تھے اور صبح جب اٹھا تو بالکل سفید ہو چکے تھے، اس سے پوچھا گیا کیا بات ہے؟ یہ رات کے رات کیا ہو گیا؟ تو اس نے جواب دیا کہ رات کو میں نے خواب دیکھا اور اس خواب میں قیامت کا منظر دیکھا، لوگوں کو زنجیروں میں جکڑ کر کے کھینچ کر کے جہنم کی طرف لے جایا جا رہا تھا، اس کی ہیبت میرے اوپر ایسی طاری ہوئی کہ میرے بال جو سیاہ تھے، وہ سفید ہو گئے①۔

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حال تو یہ تھا، بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں: وَكَانَ إِذَا رَأَى غَيْمًا أَوْ رِيحًا عُرِفَ فِي وَجْهِهِ کہ جب کوئی بادل نظر آجاتا تھا، ذرا سی ہوا تیز چل جاتی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ گھبرا گئے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عرض کیا: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الغَيْمَ فَرِحُوا رَجَاءَ أَنْ يَكُونَ فِيهِ المَطَرُ، وَأَرَاكَ إِذَا

---

① تفسیر الزمخشری "الکشاف عن حقائق التنزیل" [دار النشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت]: ۶۴۲/۴، فی تفسیر قولہ تعالی: "فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا"

رَأَيْتَهُ عُرِفَ فِي وَجْهِكَ الكَرَاهِيَةُ: اے اللہ کے رسول! لوگ تو بادل کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، اس امید میں کہ اب بارش ہوگی اور میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ بادل دیکھ کر کے آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے، آپ کی ذات پر غم وحزن چھا جاتا ہے، ڈر اور خوف طاری ہو جاتا ہے۔

توحضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: يَا عَائِشَةُ مَا يُؤْمِنِّي أَنْ يَكُونَ فِيهِ عَذَابٌ؟ عُذِّبَ قَوْمٌ بِالرِّيحِ، وَقَدْ رَأَى قَوْمٌ العَذَابَ، فَقَالُوا: هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا: اے عائشہ! کیا معلوم ہے کہ وہ بادل کیا لے کر آیا ہے۔ ایک قوم کو اس کی نافرمانی کی وجہ سے باری تعالیٰ نے آگ کے عذاب میں مبتلا کیا، آٹھ روز تک سخت گرمی پڑی، یہاں تک کہ ان کے تالاب، ندیاں، کنویں سب خشک ہو گئے بلکہ بھانپ بن کر اُڑ گئے اور سب لوگ بے چین ہو گئے، اسی کیفیت میں تھے کہ ایک بادل نظر آیا، اس کو آتا دیکھ کر سب خوش ہو گئے اور کہنے لگے: ''هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا'': یہ بادل ہے جو بارش برسائے گا اور گرمی سے نجات ملے گی، لہٰذا اس بادل کے نیچے چلو۔ جب سب اس بادل کے نیچے آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے آگ برسائی اور سب ہلاک ہو گئے۔ توحضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: لوگ تو بادل کو دیکھ کر یوں سمجھتے ہیں کہ بارش برسائے گا، لیکن کیا گارنٹی ہے کہ وہ بادل بارش ہی لے کر کے آیا ہے؟ ہوسکتا ہے عذاب لے کر آیا ہو[1]۔

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، باب {فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ}.

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ایسے بادل دیکھ بھی گھبراتے ہیں اور ہمیں تو اس کی کوئی پرواہی نہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ آخرت کے حالات ہمارے سامنے نہیں ہیں، اس لیے ہم بڑی غفلت میں دن گذار رہے ہیں۔ضرورت ہے کہ ہم ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی گرفت سے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: يَا رَسُولَ اللهِ مَا النَّجَاةُ؟: اے اللہ کے رسول! نجات حاصل کرنے کا، دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟، جواب میں نبیِ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے تین چیزیں ارشاد فرمائیں: ان میں سے پہلی چیز ہے: امْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ: اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور دوسری بات ارشاد فرمائی: وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ: تمھارا مکان تم کو سموئے رکھے یعنی بلا ضرورت گھر سے نہ نکلو اور تیسری بات ارشاد فرمائی: وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ: اپنے گناہوں پر روتے رہو[1]۔

گناہوں پر رونا اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت پسند ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتا ہے تو مکھی کے سر کے برابر ایک آنسو اگر اس کے رخسار پر گرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس چہرے پر جہنم کی آگ کو حرام فرما دیتے ہیں۔ اس

---

[1] سنن الترمذی، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللّٰہ تعالی عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي حِفْظِ اللِّسَانِ، رقم الحدیث: ۲۴۰۶۔

لیے ہنسنے کے بہ جائے ہمیں بہت زیادہ رونے کی ضرورت ہے۔

بہر حال! یہ پانچ باتیں تھیں جو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نصیحت کے طور پر فرمائیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کو حاصل کر کے اپنے شاگردوں کو پہنچایا اور ان کے شاگردوں نے ان کے شاگردوں کو اور آج ہم تک پہنچی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان ارشاداتِ عالیہ پر پر عمل کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

ایمان جنت میں داخلے کی ضمانت ہے

بمقام: پناما جامع مسجد

بوقت: ۲۷/۱۱/۲۰۱۸ء

اقتباس

تو مؤمن ایک نہ ایک دن جنت میں ضرور جائے گا، یا تو فوراً جائے گا جس کو دخولِ اولی کہتے ہیں اور اگر یہاں سے گناہوں کی ناپاکی لے کر گیا تھا تو اس کو گناہوں کی گندگی سے پاک صاف کرنے کے لیے جہنم کی بھٹی میں ڈالا جائے گا، جہنم میں پاک صاف کروا کر پھر جنت میں بھیجا جائے گا، باقی ایمان والا جنت میں ضرور جائے گا، یہ ایمان والے کے لیے بڑی بشارت ہے، وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا، ایمان ایک ایسا عمل ہے جو آدمی کو یہ امید دلاتا ہے کہ اس کا حامل شخص ایک نہ ایک دن جنت میں ضرور پہنچے گا، ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یهده اللّٰہ فلا مضل له، ومن یضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا اللّٰہ وحده لا شریك له ونشهد أن سیدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلی کافّة الناس بشیرا ونذیرا، وداعیا إلی اللّٰہ بإذنه وسراجا منیرا، صلی اللّٰہ تعالی علیه وعلی آله وأصحابه وبارك وسلّم تسلیما کثیرا کثیرا، أما بعد:

فَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: »مَنْ شَهِدَ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنَّ عِيسَى عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ، وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ، وَالجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، أَدْخَلَهُ اللهُ الجَنَّةَ عَلَى مَا كَانَ مِنَ العَمَلِ« [۱]. وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ [۲].

---

(۱) صحیح البخاری، باب قَوْلِهِ: {يَا أَهْلَ الكِتَابِ لاَ تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلاَ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الحَقَّ إِنَّمَا المَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ، رقم الحدیث: ۳۴۳۵.

(۲) صحیح مسلم، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللّٰہ تعالی عنه، باب مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، رقم الحدیث: ۵۱.

خطبے میں مذکور حدیث کا ترجمہ اور مفہوم

یہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ کی نقل کردہ روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

مکہ مکرمہ کے کفار اور مشرکین اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے عبادت میں بھی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان صفات میں بھی جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ باری کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لیے یہاں یہ کہا گیا ہے کہ یہ گواہی بھی دے کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اور اس بات کی گواہی دے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

کلمۂ شہادت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبدیت کو رسالت پر مقدم کرنے کی حکمت

دیکھیے! کلمے میں جب بھی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ آتا ہے تو عموماً یہ الفاظ آتے ہیں: ''عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهٗ'' اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول، عبدیت کا تذکرہ پہلے ہوتا ہے اور رسالت کا تذکرہ بعد میں ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء کے معاملے میں حد سے زیادہ غلو کیا، ان کی حد سے

زیادہ تعریف کی، خود نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللّٰہ تعالی علیهم أجمعین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: لَا تُطْرُونِي، كَمَا أَطْرَتْ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُولُوا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ[1] کہ تم میرے معاملے میں ایسی زیادتی اور غلو مت کرو، جیسا غلو اور زیادتی نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے معاملے میں کی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا اور پھر اس سے بھی زیادہ آگے بڑھ کر خود ان کو معبود قرار دیا۔ یہ امت ایسے غلو کا شکار ہونے سے بچی رہی، اس لیے کلمے کے اندر ہی ''عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ'' کا اضافہ کر دیا، عبدیت کی صفت پہلے لائی گئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور پھر آپ کی رسالت والی صفت لائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

حدیث میں آگے فرمایا: اور یہ گواہی بھی دے کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مریمؑ پر ڈالا۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے کلمۃ اللہ ہونے کا مطلب

دیکھیے! حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ جو کلمۃ اللہ کا لفظ آتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنی قدرت سے بغیر کسی مرد کے

---

[1] صحيح البخاری، عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ {وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا} [مریم: ١٦]، رقم الحدیث: ٣٤٤٥.

واسطے کے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا فرمایا، ان کی پیدائش میں کسی مرد کے نطفے کا دخل نہیں ہے بلکہ وہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم، کلمۂ کُنْ سے پیدا ہوئے ہیں، اس لیے ان کو کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے۔

آگے فرمایا: اور جو آدمی اس بات کی گواہی دے کہ جنت اور جہنم حق ہے۔

قرآن وحدیث میں ایمانیات کا تذکرہ

جو ایمانیات ہیں، ایک مؤمن کے لیے جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے، قرآن میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی وضاحت فرمائی ہے اور بعض حدیثوں میں بھی ہے، جیسے حدیث جبرئیل میں ہے، قرآنِ کریم میں ہے: ﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ﴾ [البقرة:۱۷۷] اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ﴾ [البقرة:۲۸۵]، اور حدیث جبرئیل میں ہے: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ [۱] ۔

حدیث میں جنت وجہنم کے مستقل ذکر کا سبب

الغرض! جن جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے، قرآن میں اور

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ معرفة الْإِيمَانِ، وَالْإِسْلَامِ، والْقَدَرِ وَعَلَامَةِ السَّاعَةِ، رقم الحدیث: ۱۔

احادیث میں اس کی تعیین کی گئی ہے، ان میں سے ایک چیز جنت اور جہنم بھی ہے، اگر چہ قیامت کے بعد جتنی بھی چیزیں آنے والی ہیں، ان سب کو ایک لفظ ''وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ'' میں سمولیا جاتا ہے لیکن کہیں کہیں اس کی وضاحت اور تفصیل بھی ذکر کردی جاتی ہے، یہاں جنت اور جہنم کا تذکرہ اسی قبیل سے ہے، اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

وہ شخص جنت میں ضرور داخل ہوگا

حاصل یہ ہے کہ ایک مؤمن کے لیے جن جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے، جو شخص ان تمام چیزوں کو مانتا ہو، ان پر ایمان رکھتا ہو تو اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: أَدْخَلَهُ اللهُ الجَنَّةَ عَلَى مَا كَانَ مِنَ العَمَلِ: اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریں گے، چاہے جیسے بھی اعمال ہوں یعنی اس نے چاہے جتنے بھی گناہ کیے ہوں، وہ جنت میں ضرور جائے گا، یہ بات اور رہی کہ اگر اس نے گناہوں سے توبہ نہ کی ہو تو اولاً اسے جہنم میں جانا پڑے۔

ہر گناہ کی معافی اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے

علماء نے لکھا ہے کہ کبیرہ گناہ کے لیے توبہ شرط ہے، اس کے بغیر وہ معاف نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو اس کے بغیر بھی معاف کر سکتے ہیں[1]۔

---

[1] فَعُلِمَ أَنَّ مَغْفِرَةَ الذُنوبِ كُلُّها ممكِنة ولكنَّها تحت مشيئتِه تعالى.(فيض الباري على صحيح البخاري:۲/۱۳۷، [الناشر: دار الكتب العلمية بيروت] شرح قوله: الصوم لي وأنا أجزي به وتحقيق أَنَّ الصومُ يؤخذُ في كفارة أم لا؟)

کون سا مؤمن جہنم میں جائے گا اور کیوں؟

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ گنہگار نے نہ تو اپنے گناہوں سے توبہ کی اور نہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو اپنے مراحم خسروانہ سے معاف کیا تو اس کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے جہنم میں جانا پڑے گا لیکن اس کو صفائی کے لیے جہنم میں جانا پڑے گا کہ جہنم سے میں جا کر اس کی ذات گناہوں سے پاک صاف ہو جائے۔

گناہوں کی وجہ سے قلب کے اندر میل اور گندگی آجاتی ہے، اس کے ساتھ آدمی اس قابل نہیں رہتا کہ اس کو جنت میں بھیجا جائے، جنت میں جانے کے لیے اس کے دل کو گناہوں کے اس میل کچیل اور گندگی سے پاک صاف کرنا ضروری ہے۔

دنیا میں بھی گنہگار خود کو مزکّٰی اور مصفّٰی بنا سکتا ہے

اب چاہے تو یہ صفائی دنیا میں بھی کر سکتا ہے کہ اہل اللہ کی صحبت میں رہ کر ان ساری برائیوں کو دور کرنے کے لیے مجاہدہ کرے، مشقت اٹھائے، مجاہدے کے ذریعہ گنہگار اپنے آپ کو پاک صاف کر سکتا ہے، اپنی ذات کو مزکّٰی اور مصفّٰی بنا سکتا ہے، اس طرح جب دنیا ہی میں اس کی صفائی ہوگئی تو اب مرنے کے بعد قیامت کے دن جب قبر سے اٹھایا جائے گا تو اس کو سیدھا جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

اور جس نے دنیا میں اپنے دل کی صفائی نہیں کی، گناہوں کی آلودگی سے آلودہ رہا تو ان گندگیوں کے ساتھ آدمی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا تو صفائی کے لیے اس کو جہنم میں جانا پڑے گا۔

بہت سے گناہ ایسے ہیں کہ جن کے متعلق حدیث میں باقاعدہ صراحت آئی ہے، جیسے ایک حدیث میں فرمایا: لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَتَّاتٌ: چغلی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا[1]۔

تو جنت میں کیسے جائے گا؟ تو اس کو جہنم میں بھیج کر اس کے قلب پر جو چغلی والی گندگی ہے، اس کو پاک صاف کریں گے، عذاب کے ذریعہ اس کو پاک صاف کیا جائے گا اور جب عذاب بھگت کر وہ پاک صاف ہو جائے گا تو سزا بھگتنے کے بعد وہ چغل خور نہیں رہا، اس لیے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں بھیج دیں گے۔

مجاہدوں اور ریاضتوں کے ذریعہ خود کو دنیا ہی میں گناہوں کی گندگیوں سے پاک صاف کرلیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں دنیا میں موقع دیا ہے کہ مجاہدے اور ریاضتیں کر کے اپنے آپ کو جنت کے قابل بنالیں، محنت اور مشقت اٹھا کر اپنے آپ کو گناہوں کی گندگی سے پاک صاف کرلیں، اگر ہم نے دنیا ہی میں ایسا کرلیا تو قیامت کے دن ہمیں جہنم میں بھیجنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

اور یہ یہاں آسان ہے، اگرچہ یہاں بھی لوگوں کو یہ مجاہدے اور ریاضتیں تھوڑی بھاری تو معلوم ہوتی ہیں لیکن یہاں کے مجاہدے جہنم کے عذاب سے تو بہت آسان ہیں؛ اس لیے اس آسان طریقے کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

---

[1] صحیح البخاری، عَنْ حُذَیْفَۃَ رضی اللّٰہ تعالی عنہ، بَابُ مَا یُکْرَہُ مِنَ النَّمِیمَۃِ، رقم: ۶۰۶۵۔

مؤمن کو جہنم میں بھیجنے کی کیوں ضرورت ہے؟

اس کے علاوہ انسان کے قلب پر دنیا کی محبت حاوی ہوتی ہے، دنیوی زندگی کے اثرات ہوتے ہیں، ماحول کے اثرات بھی ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے مؤمن ہونے کے باوجود گناہوں کا شکار ہو جاتا ہے اور اسی حالت میں وہ دنیا سے جاتا ہے، نہ توبہ کرتا ہے اور نہ اپنے آپ کو ان گندگیوں سے پاک صاف کرتا ہے تو اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ اس کو سیدھا جنت میں نہیں بھیجیں گے بلکہ پہلے اس کو صفائی کے لیے جہنم میں بھیجا جائے گا، جب صفائی ہو جائے گی تو پھر جنہم میں بھیجا جائے گا۔

بات یہ چل رہی تھی کہ جو آدمی مذکورہ بالا عقائد کا حامل ہو تو اس کے چاہے جو بھی اعمال ہوں، جنت میں ضرور داخل ہوگا، یہ اور بات ہے کہ گنہگار ہے، توبہ نہیں کی ہے، اس کے گناہ اللہ تعالیٰ نے بھی معاف نہیں کیے ہیں تو گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا۔

مؤمن کا جنت میں داخلہ طے ہے

حدیث کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان گناہوں کی گندگی کے ساتھ جنت میں جائے گا بلکہ پہلے اس کی گندگی دور کی جائے گی، اب وہ چاہے تو دنیا میں اس کی صفائی کر لے اور نہیں کی ہے تو اللہ تعالیٰ جہنم میں بھیج کر صفائی کرالیں گے۔

اتنی بات طے ہے کہ جب وہ ایمان لے آیا تو اس کے اعمال کیسے بھی ہوں،

اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریں گے، اگر کوئی آدمی دنیا سے ایمان کے ساتھ گیا اور شرک کا کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ جس سے ایمان ختم ہو جائے تو جنت میں ضرور بالضرور داخل ہوگا۔

شرک سب سے بڑا گناہ ہے

ایک بات یاد رہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو شرک سے بچانے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، شرک ایک ایسی خطرناک چیز ہے جو آدمی کے ایمان کو ختم کر دیتی ہے، شرک کے علاوہ دوسرے چاہے کتنے ہی بڑے گناہ ہوں، ان سے ایمان ختم نہیں ہوتا، ایمان باقی رہتا ہے، البتہ گناہوں کی گندگیاں اس کے ساتھ لگی رہتی ہیں، اگر اس نے دنیا میں توبہ نہیں کی تو آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو جہنم میں بھیج کر کے اس کی صفائی فرمائیں گے پھر جنت میں بھیجیں گے لیکن شرک ایسا گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہیں فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾[النساء:۴۸] : جو آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہیں فرمائیں گے، باقی سارے گناہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتے ہیں، معاف کر دیتے ہیں۔

شرکیہ عمل کے بعد ایمان باقی نہیں رہتا

اس لیے خدا نہ کرے، خدا نہ کرے، اگر کسی نے ایمان کے بعد کوئی ایسا عمل کیا جو شرکیہ اعمال میں سے ہے تو اس کا ایمان باقی نہیں رہے گا اور وہ کبھی جنت میں داخل

نہیں ہوسکتا، اگر اس کے بعد بھی وہ خود کو مؤمن سمجھتا رہے تو یہ اس کی غلط فہمی کی بات ہے۔

مؤمن کے لیے شرکیہ اعمال کی واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے

اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ ایک مؤمن کے لیے ان تمام کاموں اور ان تمام چیزوں کی واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے کہ جو اس کے ایمان کو ختم کرنے والے ہیں؛ تاکہ وہ اپنے آپ کو ان کاموں اور چیزوں سے بچاوے۔

آج جہالت بہت زیادہ عام ہو چکی ہے، لوگ ان چیزوں کی واقفیت ہی حاصل نہیں کرتے، جاننے کی کوشش نہیں کرتے پھر نادانی اور ناواقفیت کی وجہ سے ان چیزوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایمان سے محروم ہو جاتے ہیں اور ان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ ہم ایمان سے محروم ہو گئے، وہ یوں سمجھتے ہیں کہ ہم ایمان والے ہیں اور حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ شرکیہ کفریہ کام کر کے اپنے ایمان کو کھو چکے ہوتے ہیں، اس لیے ان چیزوں سے واقفیت بھی بہت زیادہ ضروری ہے اور اگر خود نہ جانتے ہوں تو علماء سے پوچھا کریں۔

الغرض! مؤمن نے اگر کوئی کفریہ شرکیہ کام نہ کیا ہو تو وہ ایک نہ دن جنت میں ضرور جائے گا، یا تو فوراً جائے گا جس کو دخولِ اولی کہتے ہیں۔

وہ مؤمن جس کو دخولِ اولی نصیب ہوگی

ایمان والا جنت میں ضرور جائے گا، البتہ اس کی دو شکلیں ہیں: ایک تو وہ مؤمن ہے کہ جس نے کوئی گناہ نہیں کیے ہیں، وہ سیدھا جنت میں جائے گا، اس کو دخولِ اولی

نصیب ہوگی یعنی جہنم کا عذاب چکھے بغیر سیدھا جنت میں جائے گا۔

جہنم کے اوپر سے ہر شخص کو گذرنا ہے

لیکن اتنا ضرور ہے کہ جہنم کے اوپر سے گذرنا تو اس کو بھی ہے، ہر ایک کو جہنم کے اوپر سے گذرنا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا﴾ [مریم: ۷۱]: ہر آدمی کو اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن پل صراط پر سے گذاریں گے اور یہ اس لیے تاکہ بندہ جب جہنم کو اوپر سے دیکھے، اس کے عذاب کا منظر دیکھے تو پتہ چلے کہ ایمان کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو کتنی خطرناک جگہ سے بچالیا ہے، اس لیے جہنم کے اوپر سے تو ہر ایک کو گذارا جائے گا۔

پل صراط پر سے گذرنے والے لوگوں کے مختلف احوال

پھر اس پل صراط پر سے گذرنے والے مؤمنین کی کیفیت اور حالت بھی الگ الگ ہوگی، جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے [۱] کہ بعض تو وہ ہوں گے کہ جو بجلی کی چمک کی طرح ایک لمحے اور سیکنڈ میں اتنا لمبا فاصلہ طے کرلیں گے، بعض تیز رفتار گھوڑوں کی طرح گذریں گے، بعض دوسری سواریوں کی طرح گذریں گے اور بعض گرتے پڑتے کسی نہ کسی طرح پار ہوجائیں گے، مشرکین اور کفار تو اول مرحلہ ہی میں اندر گر جائیں گے اور بہت سے اہل ایمان بھی کہ جنھوں نے گناہ کیے ہیں لیکن توبہ نہیں کی تھی جس کی وجہ سے

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللّٰه تعالی عنه، بَابٌ: وَمِنْ سُوْرَةِ مَرْيَمَ، رقم الحدیث: ۳۱۵۹.

ان کے گناہ معاف نہیں ہوئے ہیں، وہ کٹ کے جہنم میں گریں گے لیکن جب وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت لیں گے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں بھیجیں گے۔

ایمان جنت میں داخلے کی امید دلاتا ہے

تو مؤمن ایک نہ ایک دن جنت میں ضرور جائے گا، یا تو فوراً جائے گا جس کو دخولِ اولی کہتے ہیں اور اگر یہاں سے گناہوں کی ناپاکی لے کر گیا تھا تو اس کو گناہوں کی گندگی سے پاک صاف کرنے کے لیے جہنم کی بھٹی میں ڈالا جائے گا، جہنم میں پاک صاف کروا کر پھر جنت میں بھیجا جائے گا، باقی ایمان والا جنت میں ضرور جائے گا، یہ ایمان والے کے لیے بڑی بشارت ہے، وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا، ایمان ایک ایسا عمل ہے جو آدمی کو یہ امید دلاتا ہے کہ اس کا حامل شخص ایک نہ ایک دن جنت میں ضرور پہنچے گا، ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اولین مرحلے میں جنت میں داخلہ نصیب فرمائے اور جہنم کے عذاب سے مکمل طور پر نجات عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

غصہ ضبط کرنے کی اہمیت اور فضیلت

بمقام: لاجپور

بوقت: ۵/۱/۲۰۱۸ء

اقتباس

آج کل ہمارے معاشرے میں جو لڑائیاں ہوتی ہیں، جو اختلافات ہوتے ہیں اور جو دوسری خرابیاں ہیں، ان کی جو مختلف وجوہات ہیں، ان میں سب سے بڑی وجہ غصہ ہے، ذرا سی غصہ والی بات پیش آگئی کہ طلاقیں ہوتی ہیں، گھر کے گھر اُجڑ رہے ہیں، ماں باپ اور اولاد میں جھگڑے ہیں، بھائی بھائیوں میں جھگڑے ہیں، بھائی بہنوں میں جھگڑے ہیں، پڑوسی پڑوسی میں جھگڑے ہیں، عام طور پر اس کی وجہ یہی غصہ ہوتا ہے، اس غصے کو اگر ہم اللہ تعالیٰ کی خاطر ضبط کرلیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی وجہ سے بہت بڑے انعام کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ ہمارے اسلاف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اس کو ضبط کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادي لہ، ونشھد أن لا إلہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد أن سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ، أرسلہ إلی کافّۃ الناس بشیرا ونذیرا، وداعیا إلی اللّٰہ بإذنہ وسراجا منیرا، صلی اللّٰہ تعالی علیہ وعلی آلہ وأصحابہ وبارك وسلّم تسلیما کثیرا کثیرا، أما بعد:

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:

﴿الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [آل عمران]

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنہ، قَالَ: أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوْصِنِي، قَالَ: »لاَ تَغْضَبْ« فَرَدَّدَ مِرَارًا، قَالَ: »لاَ تَغْضَبْ«[1].

متقی بندوں کا پہلا وصف: خوش حالی اور تنگ حالی دونوں میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا

یہ آیتِ کریمہ جو ابھی تلاوت کی گئی، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پرہیز گاروں

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنہ، بَابُ الحَذَرِ مِنَ الغَضَبِ، رقم: ٦١١٦.

اور اللہ سے ڈرنے والوں کے کچھ اوصاف ذکر فرمائے ہیں۔ پہلا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:﴿الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ﴾: جو خوش حالی میں بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں اور تنگ حالی میں بھی یعنی مالی اعتبار سے ان کے پاس وسعت ہو، تب بھی خرچ کرتے ہیں اور مالی اعتبار سے تنگی ہو، تب بھی خرچ کرتے ہیں اور یہی حکم بھی ہے کہ آدمی اپنی حیثیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کا اہتمام کرے۔

ثواب کی کمی زیادتی مشقت کی کمی زیادتی کے اعتبار سے ہوتی ہے

ایک آدمی کے پاس اگر ایک لاکھ روپیہ ہے اور اس میں سے سو روپے خرچ کرتا ہے اور دوسرے کے پاس سو روپے ہیں اور ان میں سے ایک روپیہ خرچ کرتا ہے تو لاکھ کے ساتھ سو کی نسبت ہزارویں ہے تو گویا پہلا آدمی اپنے مال کا ہزارواں حصہ خرچ کرتا ہے اور دوسرا آدمی جو سو میں سے ایک خرچ کر رہا ہے تو ایک کی نسبت سو کے ساتھ سوویں ہے تو یہ دوسرا آدمی پہلے کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے راستے میں زیادہ مشقت اٹھا رہا ہے تو بظاہر پہلے نے زیادہ مال خرچ کیا لیکن ثواب میں دوسرا بڑھ جائے گا، کیوں کہ قاعدہ ہے:اَلْعَطَايَا عَلٰى مَتْنِ الْبَلَايَا: اجر و ثواب بقدر مصیبت و مشقت عطا کیا جاتا ہے۔

متقی بندوں کا دوسرا وصف: غصے کو ضبط کرنا اور لوگوں کو معاف کر دینا

آگے باری تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾: اور اللہ تعالیٰ کے پرہیزگار بندے وہ ہیں جو اپنے غصے کو ضبط کرتے ہیں،﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾: اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں، ان کو معاف کرتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نیکوکاروں سے محبت فرماتے ہیں۔

حضرت زین العابدینؒ کے اپنی باندی کو معاف کرنے کا واقعہ

اس آیتِ کریمہ کے ذیل میں صاحب روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ وضو فرما رہے تھے، آپ کی باندی آپ کو وضو کرا رہی تھی، ایک برتن میں پانی لے کر آپ کے اعضاء پر پانی ڈال رہی تھی اور آپ وضو فرما رہے تھے، اس باندی کے ہاتھ سے برتن چھوٹ گیا جو آپ کے اوپر گرا تو آپ نے ذرا خشمگیں نگاہوں سے باندی کی طرف دیکھا، یہ ماجرا دیکھ کر باندی نے فوراً یہ آیتِ کریمہ پڑھی: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾ کہ: اللہ کے وہ بندے جو اپنے غصے کو ضبط کرنے والے ہیں تو حضرتؒ نے فوراً فرمایا: كَظَمْتُ غَيْظِي: میں نے اپنے غصے کو ضبط کرلیا، باندی نے آگے پڑھا: ﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط﴾: لوگوں سے درگزر کرنے والے، معاف کرنے والے ہیں تو فرمایا: قَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْكِ: اللہ تعالیٰ تجھے معاف کرے، اس نے آگے پڑھا: ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾، جواب میں حضرتؒ نے فرمایا: اِذْهَبِيْ فَأَنْتِ حُرٌّ لِوَجْهِ اللهِ تَعَالیٰ: جا، اللہ تعالیٰ کے واسطے تو آزاد ہے۔[۱]

---

[۱] روح المعاني [الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت]: ۵۹/۴، في تفسير قوله تعالى: "الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ" [آل عمران: ۱۳٤].

فرامینِ الٰہی اور ارشاداتِ نبوی کے سلسلے میں حضراتِ اسلاف کا مزاج

یہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں، حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللّٰه تعالى عليهم أجمعين، تابعین، تبع تابعین، اسلافِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مزاج یہی تھا، چاہے کیسی حالت کیوں نہ ہو لیکن جب ان کو قرآن یا حدیث کا حوالہ دیا جاتا تو فوراً اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے عمل پیرا ہو جاتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے غصہ ضبط کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے اور نبیٔ کریم صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم نے بھی اس سلسلے میں امت کی رہنمائی فرمائی ہے۔

غصہ نہ کرنے کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاکیدی نصیحت

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضى اللّٰه تعالى عنه کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم سے درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے تو جواب میں نبیٔ کریم صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم نے فرمایا: لَاَ تَغْضَبْ: غصہ مت کرو، فَرَدَّدَ مِرَارًا: اس آدمی نے پھر یہی درخواست کی تو آپ نے پھر یہی فرمایا: لَاَ تَغْضَبْ: غصہ مت کرو، پھر یہی درخواست کی، آپ نے پھر یہی فرمایا: لَاَ تَغْضَبْ: غصہ مت کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں غصہ نہ کرنا بڑا اہم وصف ہے۔

حقیقی بہادر اور طاقتور فرمانِ نبوی کی روشنی میں

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضى اللّٰه تعالى عنه ہی کی روایت ہے کہ نبیٔ

کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ: جو آدمی لوگوں کو پچھاڑ دے، وہ بہادر نہیں ہے، طاقت ور نہیں ہے، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ[1]: بہادر تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنی ذات پر قابو اور کنٹرول کرے۔ یہ اصل بہادری ہے، نبیٔ کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم ایسے ہی آدمی کو بہادری کا تمغہ عطا فرما رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب گھونٹ

حضرت ابن عمر رضی اللّٰہ تعالی عنہما کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ جَرْعَةً أَفْضَلَ عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ جَرْعَةِ غَيْظٍ، يَكْظِمُهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ تَعَالَى: اللہ تعالیٰ کے کسی بندے نے اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں کوئی گھونٹ اس غصے کے گھونٹ سے زیادہ اچھا نہیں پیا کہ جس غصے کے گھونٹ کو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اس نے پیا ہو[2]۔

غصہ ضبط کرنے کی فضیلت کس صورت میں ہے؟

دیکھیے! ایک تو غصہ ضبط کرنا اپنے مفاد کے لیے ہوتا ہے، کبھی صورتِ حال ایسی ہوتی ہے کہ اگر وہاں غصے سے کام لیں تو اپنا سارا کام بگڑ سکتا ہے تو ایسے موقع پر تو دنیا دار

---

(۱) صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنہ، بَابُ فَضْلِ مَنْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ وَبِأَيِّ شَيْءٍ يَذْهَبُ الْغَضَبُ، رقم الحديث: ٦٧٣٦.

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ٦١١٤.

قسم کے لوگ بھی غصہ آتا ہو، تب بھی اپنے غصے کو ضبط کر لیتے ہیں، وہاں پر یہ فضیلت نہیں، جو آدمی ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰہِ تَعَالَیٰ: خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے غصے کو ضبط کرتا ہے تو اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ انعام ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کے قلب کو امن وایمان سے بھر دیتے ہیں

ایک اور روایت میں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مَنْ كظمَ غيظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى إِنْفاذِهِ مَلأَ الله قلبَهُ أَمْنًا وَإِيمانًا[1] کہ: جو آدمی اپنے غصے کو عملی جامہ پہنا سکتا ہے، کسی نے اس کے ساتھ کوئی غلط حرکت کی، اس کے جواب میں غصہ آیا اور وہ اس کو سخت سزا دینے کی قدرت رکھتا ہے، اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کے خاطر وہ اپنے غصے کو ضبط کر لیتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے دل کو امن وسلامتی اور ایمان سے بھر دیتے ہیں۔

الغرض! غصے کو ضبط کرنے پر نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم نے بڑی بشارتیں سنائی ہیں اور اسلافِ کرام کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا۔

حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کے صبر وتحمل کا واقعہ

حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ بڑے جلیل القدر تابعی ہیں، نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم کا زمانہ پایا لیکن آپ کی زیارت کی نوبت نہیں آئی، وہ اپنے صبر وتحمل

---

(۱) كنز العمال [الناشر: مؤسسة الرسالة]: ۳/ ۱۳۱، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالى عنه، الفصل الثاني: في تعديد الأخلاق المحمودة على ترتيب الحروف المعجمة، رقم الحديث: ۵۸۲۲.

اور عالی حوصلگی میں بہت مشہور تھے، ایک مرتبہ ان کے چند دوست جمع ہوئے اور انھوں نے آپس میں طے کیا کہ آج تو ان کو غصہ دلانا ہی ہے، چنانچہ انھوں نے ایک نوجوان کو تیار کیا، وہ نوجوان ان کے پاس گیا، ان کو سلام کیا اور کہا کہ میں ایک کام لے کر آیا ہوں، انھوں نے کہا کہ کیا کام ہے؟، اس نے کہا کہ میں آپ کی والدہ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں، نکاح کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ انھوں نے بہت اطمینان کے ساتھ سر اٹھا کر اس نوجوان سے کہا کہ تمھارا حسب اور نسب بڑا معزز اور مکرّم ہے، آپ کے ساتھ سسرالی رشتہ کرنے میں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میری والدہ کی عمر بہت زیادہ ہوگئی ہے، وہ ۷۰ رسال کے آس پاس ہے اور تم حسین نوجوان ہو، تمھارے لائق تو کوئی ایسی لڑکی ہونی چاہیے جو تمھاری طرح نوجوان ہو اور تم سے محبت کرے اور کروائے اور تمھاری اولاد کی ماں بن سکے۔ یہ کہنے کے بعد کہا کہ جن لوگوں نے تم کو بھیجا ہے، ان کو کہہ دو کہ میں ان کو غصہ نہیں دلا سکا۔

ایک واقعہ: زیادہ حلیم کون ہیں، امام ابوحنیفہؒ یا امام سفیان ثوریؒ؟

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ دو دوستوں کے درمیان شرط لگی کہ اس وقت ہمارے شہر کے جو علماء ہیں، ان میں سب سے زیادہ بردبار اور غصہ کو ضبط کرنے والا کون ہے؟ ایک نے کہا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس وصف میں سب سے فائق ہیں، دوسرے نے کہا کہ نہیں، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس وصف میں سب سے فائق ہیں، دونوں نے ان دونوں حضرات کا امتحان لینے کا فیصلہ کیا اور یہ طے کیا کہ ان میں سے ہر ایک ان دونوں عالموں میں سے ایک ایک کے پاس ایسے وقت میں

جائے جوان کی مشغولی کا ہو۔

چنانچہ جس نے یوں کہا تھا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس وصف میں سب سے فائق ہیں، وہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان لینے کے لیے پہنچا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ آپ رات بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرماتے تھے اور فجر کی نماز کے فوراً بعد آپ کا حلقۂ درس لگ جاتا تھا جو ظہر تک چلتا تھا۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ۲۹ رسال تک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی؛ تاکہ نماز کے فوراً بعد ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوسکوں۔

توظہر تک حلقۂ درس لگتا تھا اور ظہر کے بعد قیلولہ کرتے تھے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مکان بالا خانے پر تھا، اس روز آپ ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر اپنے گھر آئے اور بستر بچھا کر کے لیٹے ہی تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی، آپ اتر کر نیچے آئے، آنے والے نے سلام کیا، آپ نے جواب دیا اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ صبح سے دوپہر تک آپ مسجد میں مسائل بتانے کے لیے بیٹھے ہی تھے، اس آدمی کو وہاں پہنچنا چاہیے تھا، وہاں جانے کے بجائے یہاں آیا، پھر بھی آپ نے ناراضگی کا اظہار نہیں کیا اور پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ اس نے کہا کہ جب آپ کے پاس آنے کے لیے نکلا تو وہ مسئلہ یاد تھا لیکن آپ کے دروازے پر دستک دینے کے بعد میں وہ مسئلہ ہی بھول گیا کہ کیا پوچھنا ہے، امام صاحبؒ

نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، جب یاد آوے تو پوچھ لینا، یہ کہہ کر آپ اوپر تشریف لے گئے اور بستر پر ابھی لیٹے ہی تھے کہ پھر دستک ہوئی، آپ پھر اترے اور دیکھا تو وہی آدمی کھڑا ہے، آپ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ مسئلہ یاد آ گیا؟ اس نے کہا کہ حضرت یاد تو آ گیا تھا لیکن آپ نیچے اتر رہے تھے اور آدھی سیڑھی کے اوپر تھے کہ میں وہ مسئلہ پھر بھول گیا، امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، جب یاد آئے تو پوچھ لینا اور آپ اوپر تشریف لے گئے اور بستر پر لیٹے کہ پھر تیسری مرتبہ دستک ہوئی، آپ واپس نیچے آئے، پوچھا تو کہا کہ یاد آ گیا، پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ تو اس نے پوچھا کہ آدمی کا جو پاخانہ ہوتا ہے، اس کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے کہ کڑوا؟ اب یہ کوئی مسئلہ ہے؟ لیکن آپ نے غصے کا بالکل اظہار نہیں کیا اور جواب دیا کہ اگر وہ تازہ ہو تو اس میں میٹھاس ہوتی ہے اور سوکھ جاوے تو اس میں کڑواہٹ آ جاتی ہے۔

اس نے کہا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ کیا آپ نے چکھا تھا؟ تو امام صاحبؒ نے جواب میں فرمایا کہ ہر چیز کا ذائقہ چکھنے ہی سے معلوم ہو، یہ کوئی ضروری نہیں ہے، عقل سے بھی معلوم ہو سکتا ہے، آدمی کا پاخانہ جب تازہ ہوتا ہے تو اس پر مکھی بیٹھتی ہے، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس میں کچھ میٹھاس ہے اور جب خشک ہو جاتا ہے تو اس پر مکھی نہیں بیٹھتی۔

یہ جواب سن کر اس آدمی نے ہاتھ جوڑے اور معافی مانگتے ہوئے کہا کہ حضرت! آپ مجھے اللہ واسطے معاف کر دیجیے، آپ نے آج مجھے ہرا دیا۔ امام صاحبؒ نے پوچھا

کہ کیوں؟ کیا بات ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میرے دوست کے ساتھ میری شرط لگی ہوئی تھی، اس نے مجھے کہا تھا کہ میں آپ کے پاس ایسے وقت پہنچوں کہ جو آپ کا خاص آرام کا وقت ہو اور آپ کو بار بار اوپر سے نیچے آنے جانے کی زحمت دوں اور ایسا بے تکا سوال کروں؛ تا کہ آپ کے اندر کتنی بردباری ہے اور آپ غصے کو کتنا ضبط کرتے ہیں، اس کا امتحان لوں لیکن اس شرط میں آپ نے مجھے ہرا دیا۔

طمانچہ مارنے والے کے ساتھ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا سلوک

ایک اور قصہ ہے کہ ایک آدمی نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو طمانچہ مار دیا، امام صاحبؒ نے بہت عاجزی اور انکساری کے ساتھ اس سے کہا کہ دیکھ! میں بھی اگر چاہوں تو تجھے ایک طمانچہ مار کر کے تیری اس حرکت کا بدلہ لے سکتا ہوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گا، میں اگر چاہوں تو بادشاہِ وقت کو تمھاری اس حرکت کی شکایت کر کے ان کے ذریعہ تمھیں سزا دلوا سکتا ہوں، لیکن میں ایسا نہیں کروں گا، میں اگر چاہوں تو سحر گاہی کے وقت میں، رات کے آخری وقت میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے فریاد کر کے تمھارے لیے بد دعا کر سکتا ہوں لیکن میں ایسا بھی نہیں کروں گا اور میں اگر چاہوں تو کل قیامت کے روز تمھارے خلاف اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں دعویٰ دائر کر کے آپ کی اس حرکت کا بدلہ لے سکتا ہوں لیکن میں ایسا بھی نہیں کروں گا بلکہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے معاف کر دیا اور مجھے کسی کی سفارش کی اجازت دی گئی، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا اختیار دیا تو تیرے بغیر جنت میں قدم نہیں رکھوں گا۔ یہ ہے تحمل اور قوتِ برداشت اور غصے کو ضبط کرنا، ہمارے

اکابر کے یہاں اس کا اتنا زیادہ اہتمام تھا۔

واقعۂ افک میں شرکت کرنے والے کو حضرت ابو بکرؓ کی معافی دے کر خرچہ بدستور جاری کرنا

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے متعلق کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے اوپر جب تہمت لگائی گئی، تہمت لگانے کی یہ ساری سازش منافقین کی تھی، ان منافقین کی سازش اور پروپیگنڈے میں کچھ سادہ لوح مسلمان بھی ملوث ہو گئے تھے، پھنس گئے تھے اور اس سازش کو سچا مان لیا، ان ہی میں ایک حضرت مسطح رضی اللہ تعالی عنہ تھے جن کی والدہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کی خالہ زاد بہن تھیں اور حضرت مسطح رضی اللہ تعالی عنہ غریب آدمی تھے، اس لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ ان کو سارا خرچہ دیا کرتے تھے کہ خالہ زاد بہن کا بیٹا ہے، محتاج ہے تو ان کی مدد کر دیا کرتے تھے۔

اب جب یہ تہمت والا واقعہ پیش آیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی برأت میں آیتیں نازل فرمائیں تو بات صاف ہوگئی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اس تہمت سے بری ہیں تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے قسم کھائی کہ آئندہ میں مسطح پر کچھ بھی خرچ نہیں کروں گا۔

دیکھیے! یہ بھی ان کی انصاف پسندی کی بات ہے کہ پہلے ہی دن یہ قسم نہیں کھائی تھی، حالاں کہ تہمت میں تو پہلے ہی دن سے ملوث تھے لیکن جب تک حقیقت واضح نہیں

ہوگئی، وہاں تک یہ اقدام نہیں کیا پھر قرآن نے حضرت عائشہ رضی اللّٰہ تعالی عنہاکی برأت ظاہر کردی تو بات صاف ہوگئی کہ یہ چیز بالکل غلط تھی، ایک تہمت تھی، سازش تھی، تب جا کر آپؓ نے یہ قسم کھائی۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللّٰہ تعالی عنہ نے یہ قسم کھائی تو قرآنِ کریم میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝﴾ [النور]: تم میں جو لوگ فضل وکمال والے ہیں اور مالی وسعت والے ہیں- دیکھیے! حضرت ابوبکر رضی اللّٰہ تعالی عنہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ اصحابِ فضل میں سے شمار فرما رہے ہیں- وہ اس بات پر قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہیں کریں گے- یہ تینوں باتیں حضرت مسطح رضی اللّٰہ تعالی عنہ میں پائی جاتی تھیں، یہ حضرت ابوبکر رضی اللّٰہ تعالی عنہ کے رشتہ دار بھی تھے، غریب بھی تھے اور مہاجرین میں سے بھی تھے- تو فرمایا کہ ان پر خرچ نہ کرنے کی قسم نہ کھائیں۔

﴿وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا﴾: بلکہ معاف کریں اور درگزر کریں، ﴿أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ﴾: کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمھیں معاف کردیں؟۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضورِ اکرم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللّٰہ تعالی عنہ کو بلا کر ان کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی تو یہ آیت سن حضرت

ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے فوراً کہا: بَلَى وَاللّٰهِ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لِي: کیوں نہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم! میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف کرے، یہ کہہ کر انھوں نے ان کا خرچہ فوراً جاری کر دیا بلکہ ڈبل کر دیا اور قسم کھائی کہ آئندہ کبھی خرچے کو میں بند نہیں کروں گا[①]۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ کے اپنے غلام کو مارنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنبیہ کرنے کا واقعہ

حضرت ابو مسعود مدنی انصاری رضی اللہ تعالی عنہ ایک صحابی ہیں، فرماتے ہیں: كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِي بِالسَّوْطِ: ایک دن میں کوڑے سے اپنے ایک غلام کی پٹائی کر رہا تھا، فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِي صَوْتًا: »اعْلَمْ، أَبَا مَسْعُودٍ، لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ«: اتنے میں اپنے پیچھے سے میں نے آواز سنی، اس میں یہ کہا جا رہا تھا کہ اے ابو مسعود! جان لو، اللہ تبارک وتعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ قدرت حاصل ہے، جتنی قدرت تم کو اپنے اس غلام پر حاصل ہے۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: فَالْتَفَتُّ فَإِذَا هُوَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موجود پایا تو میں نے فوراً کہا: هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ: یا رسول اللہ! میرا یہ غلام اللہ

---

① صحيح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، بَابُ {لَوْلاَ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ المُؤْمِنُونَ وَالمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا} [النور: ۱۲] إِلَى قَوْلِهِ: {الكَاذِبُونَ}، رقم الحديث: ۴۷۵۰.

تعالیٰ کے واسطے آزاد ہے۔ جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ: سنو اگر تم ایسا نہ کرتے، غلام کو آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تم کو جھلسا دیتی[1]۔

حالاں کہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالی عنہ اپنے غلام کو مار رہے تھے اور آقا کو تو اپنے غلام پر بہت سارے اختیارات حاصل ہوتے ہیں، پھر بھی نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنی اس حرکت کے کفارے میں تم نے اگر اس غلام کو آزاد نہ کیا ہوتا تو جہنم کی آگ تم کو جھلسا دیتی۔

اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہمارا ناروا سلوک

آج ہم اپنے ماتحتوں کے ساتھ کیسا ظالمانہ سلوک روا رکھتے ہیں، اساتذہ اپنے شاگردوں کے ساتھ، ماں باپ اپنی اولاد کے ساتھ، بڑے اپنے چھوٹوں کے ساتھ، شوہر اپنی بیوی کے ساتھ کیسا رویہ اپناتے ہیں، معمولی معمولی باتوں پر ان کی سخت پٹائی کر دیتے ہیں، گالیاں دیتے ہیں، جب تک اپنا غصہ ٹھنڈا نہ کرلیں، وہاں تک چین و سکون کے ساتھ بیٹھتے نہیں ہیں، اس طرح غصہ والا معاملہ کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سے راضی نہیں ہوتے، ناراض ہوتے ہیں۔

---

[1] صحيح مسلم، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ تعالی عنه، بَابُ صُحْبَةِ الْمَمَالِيكِ، وَكَفَّارَةِ مَنْ لَطَمَ عَبْدَهُ، رقم الحديث: ۴۳۲۱.

کھانے میں نمک کی کمی کی بیوی سے شکایت کا ارادہ ترک کرنے پر مغفرت کا عجیب قصہ

ایک بزرگ، اللہ کے نیک بندے تھے، وہی جن سے دارالعلوم کی ابتدا ہوئی ہے ملا محمود میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، دو محمود تھے: ایک تو ملا محمود اور دوسرے شیخ الہند حضرت محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ، ان کے استاذ ملا محمود تھے جو میرٹھ کے رہنے والے تھے اور حضرت شیخ الہندؒ ان کے شاگرد تھے، ملا محمود میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کھچڑی پکی، جب انھوں نے اس کو چکھا تو نمک کم تھا، ان کے جی میں آیا کہ کہیں کہ اس میں نمک کم کیوں ہے؟ لیکن پھر انھوں نے سوچا کہ انسان ہے، کبھی کمی زیادتی ہوجاتی ہے، یہ بھی اللہ کی بندی ہے، مجھے اللہ کے واسطے اس کو کچھ نہیں کہنا ہے، انھوں نے اس کو چھوڑ دیا۔

ان کی وفات کے بعد کسی نے ان بزرگ کو خواب میں دیکھا، بڑے عالم تھے، پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟۔

انھوں نے جواب دیا کہ بس ایک موقع پر ایسا ہوا کہ بیوی نے کھچڑی پکائی تھی، اس میں نمک کم تھا، میرے جی میں یہ آیا تھا کہ اس پر اس کو ڈانٹوں اور اس کو کہوں کہ اس میں نمک کم ہے لیکن پھر میرے جی میں آیا کہ اللہ کی بندی ہے، یہ بھی انسان ہے، بھول ہوجاتی ہے، نہیں کہتا تو میں نے اللہ تعالیٰ کے خاطر اس کو کچھ نہیں کہا، اسی پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری مغفرت کردی۔

اتنے بڑے عالم، ان کے علمی کارنامے ہیں لیکن یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے

ان کی اس بات پر مغفرت فرمائی، اس لیے حقیقت یہ ہے کہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ درگزر سے کام لینا، یہ بہت اونچی چیز ہے اور اپنے غصے کو ضبط کرنا، صبر سے کام لینا بڑی اہمیت کا حامل وصف ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اپنے ماتحتوں کے ساتھ اس وصف کو بروئے کار لائیں اور ان کی غلطیوں سے درگذر کریں۔

لڑائی اور فساد کی اصل وجہ

آج کل ہمارے معاشرے میں جو لڑائیاں ہوتی ہیں، جو اختلافات ہوتے ہیں اور جو دوسری خرابیاں ہیں، ان کی جو مختلف وجوہات ہیں، ان میں سب سے بڑی وجہ غصہ ہے، ذراسی غصہ والی بات پیش آگئی کہ طلاقیں ہوتی ہیں، گھر کے گھر اُجڑ رہے ہیں، ماں باپ اور اولاد میں جھگڑے ہیں، بھائی بھائیوں میں جھگڑے ہیں، بھائی بہنوں میں جھگڑے ہیں، پڑوسی پڑوسی میں جھگڑے ہیں، عام طور پر اس کی وجہ یہی غصہ ہوتا ہے، اس غصے کو اگر ہم اللہ تعالیٰ کی خاطر ضبط کرلیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی وجہ سے بہت بڑے انعام کے مستحق ہوجاتے ہیں۔ ہمارے اسلاف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اس کو ضبط کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو دورانِ تقریر حرامی ہونے کی گالی اور آپ کا کمالِ ضبط

آخر میں ایک قصہ سنا کر بات کو ختم کرتا ہوں، حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اکابر میں سے ہیں، بہت بڑے عالم تھے اور بزرگ بھی تھے، حضرت

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے ہوتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ان کو حجۃ اسلام کہتے تھے۔

ایک مرتبہ دہلی کی جامع مسجد میں تقریر فرمارہے تھے، مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، دورانِ تقریر ایک آدمی کھڑا ہوکر کے کہتا ہے کہ مولانا! ہم نے سنا ہے کہ آپ حرامی ہیں، اس پر ذرّہ برابر بھی غصہ کا اظہار کیے بغیر فرمایا کہ میرے والدین کے نکاح کے گواہ آج بھی بڈھانہ اور پھلت میں موجود ہیں، یہ جواب دیا اور اپنی تقریر آگے بڑھائی۔ ہمارا تو دماغ ہی کام کرنا چھوڑ دے لیکن یہاں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ہوا ہی نہیں اور اپنی تقریر آگے بڑھادی۔

یہ وہ حضرات تھے کہ جنھوں نے اپنے نفس کو ماردیا تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاطر ان چیزوں کو برداشت کرنا انھوں نے اپنا مزاج بنالیا تھا، ضرورت ہے کہ ہم ان خوبیوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں، جس سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوں گے اور ہماری دنیا، آخرت دونوں آباد ہوں گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

نگاہوں کے صحیح استعمال کے فضائل اور غلط استعمال کا وبال

بوقت: ۱۷/۶/۲۰۱۸ء

اقتباس

علماء نے لکھا ہے کہ جس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے شیطان کو اپنی بارگاہ سے مردود فرمایا تو اس وقت اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور ایک بہت بڑا دعویٰ کیا تھا: ﴿قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۱۶ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝۱۷﴾ [الأعراف] کہ: میں بنو آدم کو ہر طرح سے گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا، میں ان کے پاس ان کے اوپر سے، ان کے نیچے سے، ان کی دائیں طرف سے، ان کی بائیں طرف سے آؤں گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یهده اللّٰہ فلا مضل له، ومن یضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا اللّٰہ وحده لا شریك له ونشهد أن سیدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافة الناس بشیرا ونذیرا، وداعیا إلى اللّٰہ بإذنه وسراجا منیرا، صلى اللّٰہ تعالى علیه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسلیما كثیرا كثیرا، أما بعد:

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:
﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ [الإسراء]
وَقَالَ تَعَالٰى: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾ [النور]

انسانی جسم اور اس کی صلاحیتیں انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو یہ جسم عطا فرمایا ہے اور اس جسم میں جو مختلف صلاحیتیں اور قُوٰی رکھے ہیں: آنکھیں رکھی ہیں، جو دیکھنے کا کام کرتی ہیں، کان رکھے ہیں، جو سننے کا کام کرتے ہیں، زبان رکھی ہے، جو بولنے کا کام کرتی ہے، ہاتھ رکھے جو

پکڑتے ہیں، پاؤں رکھے جو چلتے ہیں، دل و دماغ رکھا جو سوچنے اور سمجھنے کا کام کرتا ہے، یہ ساری صلاحیتیں اور قوتیں ہمارے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانتیں ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک مقررہ وقت کے لیے ہمیں ان سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا ہے، ہم اس کے مالک نہیں ہیں۔

خودکشی کیوں حرام ہے؟

اسی لیے دیکھیے! اگر کوئی آدمی خودکشی کرنا چاہے تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی، کیوں کہ اس زندگی کے بھی ہم مالک نہیں ہیں، یہ زندگی بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک مخصوص وقت تک فائدہ اٹھانے کے لیے عطا فرمائی ہے، ہم اس کے مالک نہیں ہیں کہ ہمیں اس کو ختم کرنے کا حق ہو، یہ ساری نعمتیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانتیں ہیں، ان سب کے متعلق قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ سوال فرمائیں گے۔

قیامت کے دن پانچ سوال

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَاَ تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ، عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ، وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ[1]: قیامت کے روز انسان کے

---

[1] سنن الترمذی، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابٌ فِي الْقِيَامَةِ، رقم الحدیث: ۲۴۱۶، لفظہ: لَا تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ.

پاؤں اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور سے ہٹ نہیں سکیں گے، یہاں تک کہ پانچ چیزوں کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا اور اس کو جواب دینا پڑے گا: (۱) زندگی کے متعلق کہ زندگی کہاں گنوائی (۲) اور جوانی کے متعلق کہ آپ نے جوانی کی صلاحیتوں کو کہاں استعمال کیا، اس کو کہاں پرانا کیا (۳) اور مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا (۴) اور دوسرا سوال مال ہی کے متعلق کہ کہاں خرچ کیا (۵) اور اللہ تعالیٰ کے احکام کا جتنا علم حاصل کیا تھا، اس پر کتنا عمل کیا۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتیں کہاں استعمال کر سکتے ہیں؟

الغرض! انسان کے پاس جو کچھ بھی نعمتیں، صلاحیتیں اور چیزیں ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں اور ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے مطابق استعمال کرنا ہے، جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو استعمال کرنے کی اجازت دی یا حکم دیا ہے، وہاں تو اس کو استعمال کیا جا سکتا ہے اور جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے، وہاں اس نعمت کو استعمال کرنے سے اپنے آپ کو بچانے اور دور رکھنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

کان، آنکھ، دل میں سے ہر ایک متعلق سوال ہوگا

میں نے ابھی ایک آیتِ کریمہ آپ کے سامنے تلاوت کی تھی: ﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴾: کان اور آنکھیں اور دل، ان میں سے ہر ایک کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں سوال کیا جائے گا کہ

آپ نے اس کو کہاں استعمال کیا؟ یہ آنکھیں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے جہاں استعمال کرنے کا حکم دیا، اگر آپ ان کو وہیں پر استعمال کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ راضی ہوں گے۔

میاں بیوی کے ایک دوسرے کو محبت کی نگاہ سے دیکھنے کا اجر وثواب

حدیث میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّ الرَّجُلَ إِذ نظرَ إِلى امرأته ونَظَرَتْ إِلَيه نظر الله تَعَالى إِليهما نظرة رحْمَةٍ کہ شوہر اگر اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھے اور بیوی شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھے تو دونوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں [۱]۔

والدین کو رحمت کی نگاہوں سے دیکھنے پر حج مبرور کا ثواب

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللّٰہ تعالی عنہما کی حدیث ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ إِلى وَالِدَيْهِ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ إِلَّا كَتَبَ اللهُ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُورَةً قَالُوا: وَإِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ؟ قَالَ: " نَعَمْ، اللهُ أَكْبَرُ وَأَطْيَبُ [۲]: جو بیٹا اپنے ماں باپ کا مطیع اور فرماں بردار ہو، خدمت گزار ہو، ان کو

---

(۱) كنز العمال [الناشر: مؤسسة الرسالة]: ۱۶/۲۷۶، عن أبي سعيد رضى اللّٰه تعالى عنه، كتاب النكاح وفيه تسعة أبواب، الباب الأول في الترغيب فيه، رقم الحديث: ۴۴۴۳۷.

(۲) الجامع الكبير للسيوطى [الناشر: الأزهر الشريف، القاهرة - جمهورية مصر العربية]، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى اللّٰه تعالى عنهما، حرف الميم، رقم الحديث: ۱۹۶۸۳.

راحت پہنچانے والا ہو، اگر وہ ایک مہربانی اور رحمت کی نظر سے اپنے ماں باپ کو دیکھے گا تو اس کی ہر نظر پر اللہ تبارک وتعالیٰ اسے حج مبرور کا ثواب عطا فرمائیں گے۔

اتنا بڑا ثواب کہ ہر نظر پر ایک حج مبرور کا ثواب! اس لیے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللّٰہ تعالی علیہم أجمعین نے عرض کیا کہ اگر کوئی ماں باپ کا فرماں بردار بیٹا ایک دن میں سو مرتبہ اپنے ماں باپ کو نظرِ رحمت سے دیکھے تو کیا ہر نظر پر اس کو حج مبرور کا ثواب عطا فرمائیں گے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: **نَعَمْ، اللّٰهُ أَكْثَرُ وَأَطْيَبُ**: جی ہاں! اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان تو بہت بڑی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات تو بڑی پاکیزہ ہے، وہ اس سے بھی زیادہ دینے پر قادر ہے، وہ ایک نظر پر ایک حج تو کیا، سو حج مبرور کا بھی ثواب دے تو وہاں کوئی کمی آنے والی نہیں ہے، اس کی ذات میں بخل نہیں ہے، بخل تو انسان کی طبیعت میں ہے۔

دیکھیے! آنکھوں کو اگر وہاں استعمال کریں گے، جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ چاہتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کیسا عظیم اور بہترین ثواب عطا ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف اگر ان آنکھوں کو ایسی جگہوں پر استعمال کرے، جہاں استعمال کرنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے، مثلاً نامحرم عورتوں کو دیکھا۔

محرم عورتوں کا بیان

عورتوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے: ایک تو وہ عورتیں جن کے ساتھ زندگی کے کسی بھی مرحلے میں نکاح درست نہ ہو، جیسے ماں ہے، بیٹی ہے، دادی ہے، نانی ہے، بہن ہے، بھانجی ہے، بھتیجی ہے، ایسی عورتوں کو شریعت کی اصطلاح میں محرم کہتے ہیں۔

نامحرم عورتوں کا بیان اور ان کو دیکھنے کا حکم

دوسری قسم ان عورتوں کی ہے کہ جن کے ساتھ زندگی کے کسی بھی مرحلے میں نکاح درست ہو، اگر کسی مرحلے میں کسی وجہ سے نکاح جائز نہ ہو لیکن اس وجہ کے دور ہونے کے بعد اس کے ساتھ نکاح درست ہو جاتا ہو، جیسے ایک عورت کسی مرد کے نکاح میں ہے تو وہ ایک آدمی کی بیوی ہے، اس لیے دوسرے مرد کے لیے اس عورت سے نکاح جائز نہیں ہے لیکن اگر اس کا شوہر اس کو طلاق دے دے اور اس کی عدت گذر جائے یا شوہر کا انتقال ہو جائے اور اس کی عدت گذر جائے تو اس عورت کے ساتھ نکاح درست ہو جاتا ہے، حاصل یہ ہے کہ زندگی کے کسی بھی مرحلے میں جس عورت کے ساتھ نکاح درست ہو جائے، اس کو عورت کو نامحرم کہتے ہیں اور نامحرم عورتوں کو دیکھنے سے شریعت مطہرہ نے منع فرمایا ہے۔

بے ریش لڑکوں کو دیکھنے کا حکم

ایسے ہی بے ریش لڑکے کہ جن کی ابھی ڈاڑھی نہیں آئی، ان کی طرف بھی بعض لوگوں کی نگاہ شہوت سے متوجہ ہوتی ہے، ان کو دیکھنے سے شریعت مطہرہ نے منع فرمایا ہے، اس سے بچنے کی بھی بڑی تاکید آئی ہے [1]، ان کو دیکھنا بھی آنکھوں کا غلط استعمال ہے تو

---

[1] عَنْ بَعْضِ الْمَشْيَخَةِ قَالَ: "كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يُحِدَّ النَّظَرُ إِلَى الْغُلَامِ الْأَمْرَدِ الْجَمِيلِ الْوَجْهِ" وَقَدْ رُوِيَ هَذَا عَنْ بَقِيَّةَ، عَنِ الْوَزَّاعِ بْنِ نَافِعٍ، وَهُوَ ضَعِيفٌ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا بِبَعْضِ مَعْنَاهُ، وَالْمَشْهُورُ عَنْ بَقِيَّةَ مَا ذَكَرْنَاهُ، وَرَوَى أَبُو حَفْصٍ

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

جہاں دیکھنے کی ممانعت ہے، وہاں دیکھتا ہے تو اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بڑی وعیدیں ہیں۔

نگاہوں کو نیچا رکھنے کا قرآنی حکم

قرآنِ کریم میں نگاہوں کو نیچا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰﴾ [النور]: اے نبی! آپ ایمان والے مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ نگاہوں کو نیچا رکھنے سے شرم گاہوں کی حفاظت ہوگی، آپ کی شرم گاہ کے غلط جگہ استعمال ہونے سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی نگاہوں پر کنٹرول رکھئے۔

شیطان انسان پر دھیرے دھیرے قابو پاتا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ شیطان انسان پر دھیرے دھیرے قابو پاتا ہے، پہلے آنکھ کے راستے سے کہ آنکھ کا غلط استعمال کرواتا

(گذشتہ صفحے کا باقی حاشیہ)

عُمَرُ الطَّحَّانُ فِي مَعْنَاهُ حَدِيثًا مَوْضُوعًا، عَنِ الثَّوْرِيِّ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا، وَفِيمَا ذَكَرْنَا مِنَ الْآيَةِ غُنْيَةٌ عَنْ غَيْرِهَا وَفِتْنَتُهُ ظَاهِرَةٌ لَا تَحْتَاجُ إِلَى خَبَرٍ يُبَيِّنُهَا، وَبِاللهِ تَعَالَى التَّوْفِيقُ، وَاللهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ.(السنن الكبرى للبيهقي[الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت]:۱۵۹/۷، بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّظَرِ إِلَى الْغُلَامِ الْأَمْرَدِ بِالشَّهْوَةِ، رقم الحديث:۱۳۵۶۷.

ہے، اس کے بعد دل کے راستے سے کہ ایک مرتبہ نامحرم کو دیکھا تو پھر دل میں اس کے خیالات آئیں گے اور پھر شرم گاہ کے راستے سے، یہ آخری مرحلہ ہے①۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اَلْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ: دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا نامحرم عورتوں کو دیکھنا ہے، وَالْأُذُنَانِ زِنَاهُمَا الِاسْتِمَاعُ: کان بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا نامحرم عورتوں کی بات سننا ہے جن کو دیکھنے سے شریعت نے منع کیا ہے، ان کو دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے اور جس کی بات اور کلام سننے سے شریعت نے منع فرمایا ہے، اس کی باتوں کا سننا کانوں کا زنا ہے، وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ: جس کے ساتھ بات کرنے سے شریعت نے منع فرمایا ہے، اس کے بات کرنا زبان کا زنا ہے، وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ: نامحرم عورت کو چھونا، پکڑنا ہاتھوں کا زنا ہے، وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَا: اس کی طرف چل کر جانا پیروں کا زنا ہے، وَالْقَلْبُ يَهْوَى وَيَتَمَنَّى: اور دل اس کی تمنا اور خواہش کرتا ہے یعنی یہ دل کا زنا ہے، وَيُصَدِّقُ ذَلِكَ الْفَرْجُ وَيُكَذِّبُهُ: اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے کہ کبھی زنا کر بیٹھتا ہے تو یہ دل کی تصدیق ہے اور کبھی نہیں کرتا تو یہ تکذیب ہے②۔

اسبابِ زنا سے بچنا بھی ضروری ہے

---

①الدر المنثور [الناشر: دار الفکر - بیروت]: ۱۷۷/۶، فی تفسیر قوله تعالى: "قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ الآية" [النور: ۳۰].

②صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنه، بَابُ قُدِّرَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظُّهُ مِنَ الزِّنَا وَغَيْرِهِ، رقم الحدیث: ۲۶۵۷.

ان اعضاء پر بھی اللہ تعالیٰ نے زنا کا حکم لگایا، اس سے معلوم ہوا کہ اپنی شرم گاہ کو غلط جگہ استعمال کرنا ہی زنا نہیں ہے بلکہ زنا کے جو اسباب ہیں جو آدمی کو زنا تک پہنچاتے ہیں، ان کو بھی نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زنا سے تعبیر کیا اور یہ ظاہر فرمایا کہ ان سبھی اسی طرح بچنا ضروری ہے، جس طرح حقیقی زنا سے بچنا ضروری ہے، اسی لیے باری تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں خاص طور پر تاکید فرمائی: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط﴾ [النور]: اے نبی! آپ ایمان والے مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ اس میں نگاہوں کو نیچا رکھنے کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور میں بنو آدم کو گمراہ کرنے کی ابلیس کی قسم

علماء نے لکھا ہے کہ جس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے شیطان کو اپنی بارگاہ سے مردود فرمایا تو اس وقت اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور ایک بہت بڑا دعویٰ کیا تھا: ﴿قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ط وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾﴾ [الأعراف] کہ: میں بنو آدم کو ہر طرح سے گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا، میں ان کے پاس ان کے اوپر سے، ان کے نیچے سے، ان کی دائیں طرف سے، ان کی بائیں طرف سے آؤں گا۔

مذکورہ آیت سے مستنبط ایک نکتہ

علماء فرماتے ہیں کہ اس نے چار سمتوں کا تذکرہ کیا لیکن دو سمتیں رہ گئیں: ایک

اوپر کی طرف سے، دوسری نیچے کی طرف سے، ان دو طرف سے وہ نہیں آئے گا، اب اوپر کی طرف کوئی آدمی دیکھ کر چلے گا تو گر پڑنے کا اندیشہ ہے تو اب ایک ہی سمت رہ گئی کہ آدمی نیچے کی طرف نگاہیں کر کے چلنے کا اہتمام کرے۔

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نیچی نگاہ رکھ کر چلنے کا اہتمام

ہمارے اسلاف کے یہاں اس کا بہت زیادہ اہتمام تھا، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا قمر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو سہارنپور کی جامع مسجد کے امام تھے، حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں، ایک مرتبہ وہ بیمار ہو گئے تو ان کی جگہ امامت کرنے کے لیے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے جاتے تھے، اس زمانے میں حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ مظاہر میں مدرس تھے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی میں عصر کی نماز کے لیے چچا جان کے ساتھ جاتا تھا، آپ عصر کے لیے جاتے تو مغرب پڑھا کر آتے تھے۔ جو لوگ سہارنپور گئے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ مدرسہ سے لے کر جامع مسجد تک پورا راستہ بازار کا ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے برابر نوٹ کیا کہ چچا جان مدرسہ کے دروازے سے نکلتے، وہاں سے لے کر مسجد کے دروازے پر پہنچنے تک آپ کی نگاہیں نیچی رہتی تھیں۔ ہمارے اکابر اپنی نگاہوں کی حفاظت اور ان کو نیچی رکھنے کا اتنا زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نیچی نگاہ رکھ کر چلنے کا اہتمام

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ بات لکھی ہے کہ میں بہت غور سے دیکھتا تھا کہ حضرتؒ جب بھی باہر نکلتے تھے تو کبھی آپ کی نگاہ نیچے کے علاوہ دوسری سمت کی طرف نہیں ہوتی، ہمیشہ نیچے نگاہ رکھتے تھے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا نیچی نگاہ رکھنے کا اہتمام

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھنے کا اتنا زیادہ اہتمام فرماتے تھے، فرماتے تھے کہ ٹرین میں سوار ہوں اور کسی اسٹیشن کے اوپر اگر دوٹرین کا میل ہورہا ہے، اس وقت میں کبھی دوسری ٹرین کی کسی کھڑکی کی طرف نظر نہیں کرتا تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی عورت وہاں بیٹھی ہوئی ہو اور یہ سمجھ کر کہ مجھے کوئی دیکھ نہیں رہا ہے، اپنا چہرہ کھلا رکھے ہوئے ہو اور اچانک کہیں اس کے اوپر میری نظر پڑ جائے۔

ماضی قریب میں عورتوں میں پردہ کا چُست رواج

اس زمانے میں عورتوں کا بے پردگی سے بچنے کا بہت زیادہ اہتمام تھا، میرا خود کا تجربہ ہے، میری طالب علمی کے زمانے میں دیوبند میں کبھی کوئی عورت دن کے وقت نظر نہیں آتی تھی، اگر عورتوں کو اپنے کسی رشتہ دار وغیرہ کے یہاں کہیں آنے جانے کی ضرورت پڑتی تھی تو رات میں آتی جاتی تھیں اور وہ بھی پالکیوں میں سوار ہو کر اور اگر رکشہ میں سوار ہوتیں تو اس پر چادر باندھ دی جاتی تھی، کبھی کوئی ایک بھی مسلمان عورت دن میں نظر نہیں آتی تھی، برقعہ میں بھی نہیں۔

اور غیر مسلم عورتوں میں جو مہترانیاں یعنی صفائی کرنے والی عورتیں ہوتی تھیں،

وہ اتنا زیادہ گھونگھٹ نکالے ہوئے ہوتی تھیں، اپنے چہرے پر اوڑھنی اس طرح لٹکائے ہوئے ہوتی تھیں کہ ان کا چہرہ بھی نظر نہیں آتا تھا، اس زمانے کا یہ عام دستور تھا، اس لیے کسی عورت کے چہرے پر نظر پڑنے کا احتمال ہی نہیں رہتا تھا۔ اس کے باوجود اس بات کا امکان تھا کہ کوئی عورت ٹرین میں اس خیال سے چہرہ کھلا رکھ کر بیٹھی ہو کہ مجھے کوئی دیکھ نہیں رہا ہے، اس امکان کے پیشِ نظر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ دوسری ٹرین کی کھڑکی کی طرف نظر نہیں فرماتے تھے، اپنی نگاہوں کی حفاظت کا اتنا زیادہ اہتمام تھا۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا بے ریش لڑکوں سے دور رہنے کا اہتمام

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ بھی معمول تھا کہ آپ اپنے کمرے میں تنہائی میں کبھی کسی بے ریش لڑکے کو آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا شبیر احمد رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے ہیں اور آپ کی خانقاہ کے ناظم بھی تھے، حضرت اپنی دار التصنیف میں کتابیں لکھا کرتے تھے، اس کمرے میں کسی کام میں مشغول تھے کہ انھوں نے کسی ضرورت سے کسی بے ریش لڑکے کو بھیج دیا، وہ اندر داخل ہوا تو حضرتؒ فوراً باہر نکل آئے اور حضرت مولانا شبیر احمد رحمۃ اللہ علیہ کو آواز دے کر تنبیہ فرمائی کہ اس بے ریش لڑکے کو میرے کمرے میں کیوں بھیجا؟، اپنے آپ کو ایسی چیزوں سے بچانے کا اتنا زیادہ اہتمام تھا۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بے ریش بچوں سے بچنے کا عجیب اہتمام

حضرت مولانا شیخ یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خود میں نے سنا، ایک مرتبہ ڈابھیل تشریف لائے تھے تو حضرتؒ نے بتلایا کہ انھیں ان کے ساتھی نے بتلایا کہ میں پڑھنے کے زمانے میں جب چھوٹا تھا، بے ریش تھا، ایک مرتبہ کمرے میں چوری ہوئی اور جب چوری ہوتی ہے تو کبھی بچوں کی جامہ تلاشی کی ضرورت پیش آتی ہے، ان کی جیب وغیرہ کی تلاشی لی جاتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب میرا نمبر آیا تو حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مظاہر علوم سہارنپور کے ناظم اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے خلفاء میں سے تھے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ تم اپنا کرتہ ذرا جسم سے الگ رکھو، کیوں کہ کرتہ جب جسم سے متصل ہوگا اور اس کی تلاشی لی جائے گی تو ہاتھ اس کے جسم سے مس کرے گا اور ایسی صورت میں شہوت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، کہتے ہیں کہ جب میں نے اپنا کرتہ ذرا الگ کیا تو حضرتؒ نے میرے جیب میں ہاتھ ڈال کر تلاشی لی، خود کو فتنے میں ڈالنے سے بچانے کا اتنا زیادہ اہتمام ان حضرات کے یہاں تھا۔

قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے، مذکورہ آیت کے اخیر میں فرمایا: ﴿اِنَّ اللہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ﴾: تم جو کچھ کرتے ہو، اپنے دلوں کے اندر جو کچھ سوچتے ہو، گھڑتے ہو، جو پلان بناتے ہو، اس سے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ بخوبی واقف ہیں۔

نگاہوں کو نیچا رکھنے اور شرم گاہ کی حفاظت کا مرد اور عورتوں کو مستقلاً الگ الگ حکم

اور اتنا ہی نہیں بلکہ آگے فرماتے ہیں: ﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ

﴿اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾: آپ ایمان والی عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

دیکھو! قرآن میں احکام بیان کرنے کے سلسلے میں عام دستور یہ ہے کہ جو کوئی حکم دیا جاتا ہے تو مردوں اور عورتوں کو ایک ساتھ ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے: ﴿يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾: اے ایمان والو! اس میں عورتیں بھی آجاتی ہیں اور مرد بھی آجاتے ہیں لیکن نگاہوں کو نیچا رکھنے اور شرم گاہ کی حفاظت کا یہ حکم ایسا ہے کہ اس میں مردوں کے لیے الگ حکم دیا گیا اور عورتوں کے لیے الگ حکم دیا گیا۔

بدنگاہی شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے

حدیث میں بھی بڑی تاکید وارد ہوئی ہیں، ایک حدیث قدسی میں باری تعالیٰ کا ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نقل فرماتے ہیں: إِنَّ النَّظْرَةَ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيسَ مَسْمُومٌ: یہ بدنگاہی، کسی عورت کی طرف دیکھنا، یہ شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے۔

قدیم زمانے میں دشمن کو ختم کرنے کی ایک تدبیر

پہلے زمانے میں دشمن کو ختم کرنے کے لیے دورِ حاضر جیسے ہتھیار تو تھے نہیں، تین قسم کے ہتھیار تھے: تلوار تھی، بھالا تھا، تیر تھا، ان میں تلوار اور بھالا تو اسی دشمن پر استعمال ہو سکتا ہے جو قریب ہو اور دور موجود دشمن کو مارنے کے لیے تیر تھا، اگر یہ تیر دشمن کے سینے میں اتر جاتا تو وہ ختم ہو سکتا تھا اور اگر جسم کے کسی اور حصے میں لگا تو بس ذرا سی خراش ہو گی،

اور کچھ نہیں ہوگا تو اس زمانے میں لوگ تیر کے اوپر والے حصے کو جس کو ''پھل'' کہا جاتا ہے، باقاعدہ زہر میں بجھایا کرتے تھے اور پھر اس تیر کو استعمال کرتے تھے، ایسا تیر اگر تھوڑا سا بھی لگا، ذرا سی خراش بھی آ گئی تو اس زہر کی وجہ سے وہ خراش بھی جان لیوا ثابت ہو سکتی تھی۔

بدنگاہی کو اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑنے کا عظیم انعام

تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بدنگاہی شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے، مَنْ تَرَكَهَا مَخَافَتِي أَبْدَلْتُهُ إِيمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهُ فِي قَلْبِهِ: جو کوئی اس بدنگاہی کو میرے خوف کی وجہ سے چھوڑ دے گا تو اس کے بدلے میں اس کو میں ایک ایسی ایمانی کیفیت عطا کروں گا کہ جس کی حلاوت اور میٹھاس کو وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا[1]۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا وعدہ ہے۔

قیامت کے دن آنکھوں میں پگھلایا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا

اور عورتوں کو دیکھنے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ نَظَرَ إِلَى مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ أَجْنَبِيَّةٍ عَنْ شَهْوَةٍ صُبَّ فِي عَيْنَيْهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: جو کسی عورت کی خوب صورتی اور حسن کو شہوت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، قیامت کے روز اس

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی [دار النشر: مکتبۃ ابن تیمیۃ - القاہرۃ]: ۱۰/۱۷۳، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللّٰہ تعالی عنہ، رقم الحدیث: ۱۰۳۶۲.

کی آنکھوں میں پگھلا یا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا[1]۔ آج ہماری آنکھ میں ذرا سا تنکا گر جائے، خاک کا ذرا سا ذرّہ گر جائے، وہ ہم سے برداشت نہیں ہوتا تو پگھلا یا ہوا سیسہ ہم سے کیسے برداشت ہوگا؟، اس لیے ہمیں نگاہوں کی خوب حفاظت کرنے کی ضرورت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بھی اس کی تاکید فرمائی ہے اور قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی اس کا حکم دیا ہے۔

بدنگاہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہونے کی راہ کا بڑا روڑا ہے

اور حضراتِ صوفیاء فرماتے ہیں: جو لوگ کہ سلوک اور تصوف کی راہ میں قدم رکھے ہوئے ہوتے ہیں، وہ جب تک کہ بدنگاہی کو نہیں چھوڑیں گے، وہاں تک ان کا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ قائم نہیں ہوگا، دوسرے گناہ تو برداشت کیے جاسکتے ہیں مگر یہ گناہ برداشت نہیں ہوسکتا، جو آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو قائم کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ بدنگاہی سے بچنے کا اہتمام کرے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ اس سے بچنے کا پورا اہتمام کیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے بھی، آپ کو بھی سب کو اس سے بچنے کی توفیق عطا اور سعادت عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

---

(۱) نصب الراية لأحاديث الهداية مع حاشيته بغية الألمعي في تخريج الزيلعي [الناشر: مؤسسة الريان للطباعة والنشر - بيروت]: ۴/ ۲۳۹، فَصْلٌ فِي الْوَطْءِ، وَالنَّظَرِ، وَالْمَسِّ.

اصولِ معاشرت اور
امت کی طرف سے اس کی مخالفت

بوقت: ۱۳/ ۸/ ۲۰۰۴ء

اقتباس

آج کل ہم نے معاملات اور معاشرت کو اپنی زندگی سے خارج کر رکھا ہے، ہم نے اپنی ناواقفیت کی وجہ سے یا اپنی محدود سوچ کی وجہ سے دین کو عبادات میں منحصر کر کے رکھ دیا اور اگر ہم عبادات کا اہتمام کرلیں تو یوں سمجھا جاتا ہے کہ ہم نے سو فی صد دین اپنالیا ہے۔ کوئی آدمی نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، زکوۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتا ہے، حج، عمرے کرلیا کرتا ہے تو وہ خود اپنے متعلق اور دوسرے لوگ بھی اس کے متعلق سمجھتے ہیں کہ یہ آدمی ۱۰۰ رفی صد دین کا پابند بن گیا، حالاں کہ جیسا کہ ابھی میں نے بتایا کہ دین کے جو مسائل بیان کیے گئے ہیں، یہ عبادات تو اس کا صرف پچیس فی صد حصہ ہے اور باقی ۷۵ رفی صد حصے کا تعلق معاملات اور معاشرت سے ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ باللّٰه من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ باللّٰه من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا و نعوذ باللّٰه من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، و نشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له و نشهد أن سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا و نذيرا، و داعيا إلى اللّٰه بإذنه و سراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالى عليه و على آله و أصحابه و بارك و سلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:
﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ [النساء: ۲۹]

شریعت کی حقیقت

محترم حضرات! نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے زندگی گذارنے کا جو جامع دستور العمل عطا فرمایا، جس کو ہم شریعت مطہرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق تفصیلی رہنمائی اور ہدایت موجود ہے۔

شریعت کے پانچ شعبے

شریعت کے پانچ شعبے ہیں: (۱) عقائد (۲) اخلاق (۳) عبادات (۴) معاملات (۵) معاشرت۔

علم کلام وعقائد اور ان سے تعلق رکھنے والے علماء

جن حضراتِ علمائے کرام نے شریعت کے ان احکام کو تفصیل کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے، ان کی مختلف جماعتیں اور گروہ ہیں: ایک وہ جماعت ہے جس نے عقائد کے ساتھ تعلق رکھنے والے مسائل کو تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں بیان کیا، قرآن وحدیث کے دلائل سے اس پر بحث کی، اس علم کو علماء کی اصطلاح میں علم کلام اور علم عقائد کہتے ہیں، یہ دین کا ایک مستقل شعبہ ہے اور اس شعبے سے تعلق رکھنے والے علماء کو ''متکلمین'' کہا جاتا ہے، ان علماء نے اس شعبے کے مسائل کو امت کے سامنے تفصیل کے ساتھ پیش کیا۔

شعبۂ اخلاق اور ان سے تعلق رکھنے والے علماء

دوسرا شعبہ اخلاق کا ہے، تصوف اور سلوک میں اسی شعبے سے بحث کی جاتی ہے اور اس سے متعلق تفصیلی چیزیں بیان کی جاتی ہیں، اس شعبے سے تعلق رکھنے والے علماء کو صوفیاء کہا جاتا ہے۔

باقی تین شعبے اور ان سے تعلق رکھنے والے علماء

فقہاء نے ان دونوں شعبوں کو اپنی کتابوں میں چھیڑا نہیں ہے، ان کے علاوہ

دین کے جو تین شعبے ہیں: (۱) عبادات (۲) معاملات (۳) معاشرت، ان سے متعلق احکام کو فقہاء نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ علم فقہ میں ان تین چیزوں سے بحث کی جاتی ہے۔

فقہ کی ایک کتاب ''ہدایہ'' کا مختصر تعارف

ہمارے یہاں مدارس میں ایک کتاب پڑھائی جاتی ہے، جس کا نام ''ہدایہ'' ہے، کوئی بھی شخص عالم نہیں بنتا، جب تک کہ یہ کتاب نہ پڑھ لے، یہ کتاب چار حصوں میں ہے، ان چار حصوں میں سے پہلے حصے میں پاکی ناپاکی کے مسائل سے لے کر حج تک عبادات سے تعلق رکھنے والے مسائل بیان کیے گئے ہیں، عبادات کا شعبہ اس کتاب کے ایک حصے میں ہے اور باقی تین حصوں میں معاملات اور معاشرت سے تعلق رکھنے والے مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔

معاملات اور معاشرت کی اہمیت

آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ معاملات اور معاشرت یہ دین کا کیسا اہم اور بنیادی شعبہ ہے، یوں سمجھیے کہ حضراتِ فقہائے کرام نے دین کے ان تین شعبوں کو جہاں بیان کیا ہے، وہاں ایک حصہ تو عبادات سے متعلق ہے یعنی ۲۵ رفی صد عبادات سے متعلق ہے اور باقی ۷۵ رفی صد حصے میں معاملات اور معاشرت سے متعلق احکامات بیان کیے ہیں۔

دین کو عبادات میں محدود سمجھنے والے مسلمان

آج کل ہم نے معاملات اور معاشرت کو اپنی زندگی سے خارج کر رکھا ہے، ہم نے اپنی ناواقفیت کی وجہ سے یا اپنی محدود سوچ کی وجہ سے دین کو عبادات میں منحصر کر کے رکھ دیا اور اگر ہم عبادات کا اہتمام کر لیں تو یوں سمجھا جاتا ہے کہ ہم نے سو فی صد دین اپنالیا ہے۔ کوئی آدمی نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، زکوۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتا ہے، حج، عمرے کرلیا کرتا ہے تو وہ خود اپنے متعلق اور دوسرے لوگ بھی اس کے متعلق سمجھتے ہیں کہ یہ آدمی ۱۰۰ ر فی صد دین کا پابند بن گیا، حالاں کہ جیسا کہ ابھی میں نے بتایا کہ دین کے جو مسائل بیان کیے گئے ہیں، یہ عبادات تو اس کا صرف پچیس فی صد حصہ ہے اور باقی ۷۵ ر فی صد حصے کا تعلق معاملات اور معاشرت سے ہے۔

عبادات کی پابندی کے ساتھ معاملات اور معاشرت میں کوتاہی لوگوں کی بدگمانی کا باعث ہے

اور یہ معاملات اور معاشرت سے تعلق رکھنے والے مسائل ایسے بنیادی اور اہم ہیں کہ اگر ایک آدمی عبادات سے تعلق رکھنے والے احکام پر پوری طرح عمل کرتا ہے لیکن معاملات اور معاشرت سے تعلق رکھنے والے مسائل سے غفلت برتتا ہے تو اس کی یہ غفلت لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔

یہی آدمی اگر لوگوں کے ساتھ معاملات درست نہیں رکھتا، دوکان پر بیٹھ کر

شریعت کے مطابق معاملات نہیں کر رہا ہے، لوگوں کے مال کے ساتھ کھلواڑ کرتا ہے، معاشرت میں لوگوں کی عزت و آبرو کے ساتھ کھلواڑ کرتا ہے، ان کا جیسا احترام اور عظمت ملحوظ رکھنی چاہیے، نہیں رکھتا تو لوگ اس کے متعلق چرچا کریں گے کہ فلانے صاحب پہلی صف میں نماز پڑھتے ہیں اور تہجد کے بھی پابند ہیں، ہر سال عمرہ کرنے بھی جاتے ہیں، پورا رمضان حرم میں گذارتے ہیں، روزے کے بھی پابند ہیں، زکوۃ، صدقات بھی ادا کرتے ہیں، ان کے یہاں فقراء اور مساکین کی لائن لگتی ہے لیکن معاملات میں اس طرح کی گڑبڑ کرتے ہیں۔

ایک کارپینٹر (بڑھئی) نے اس کے گھر میں فلاں کام کیا اور پوری ایمان داری سے کیا لیکن جب کارپینٹر نے ان سے اپنی اجرت مانگی تو ٹال مٹول کرنے لگا، اب اس کی اجرت ادا نہیں کر رہے ہیں، بہانے بنا رہے ہیں۔

فلاں بجلی کا کام کرنے والے نے ان کے یہاں مکان کی تعمیر کے وقت بجلی کا کام کیا لیکن ان کا بل بھی ابھی باقی ہے، اس کو بھی لٹکا رکھا ہے۔

فلانے کے یہاں سے مال سامان لائے تھے، اس کی قیمت آج تک ادا نہیں کی اور سفید پوش بن کر کے لوگوں میں پھر رہے ہیں۔

دیکھیے! ایک آدمی دین کے ایک شعبے عبادات پر عمل کر رہا تھا اور اسی کو عام طور پر دین کا بنیادی شعبہ سمجھا جاتا ہے لیکن معاملات کی خرابی نے دین کے متعلق لوگوں کے دلوں میں اس کے متعلق بدگمانیاں پیدا کر دیں۔

عبادات کی پابندی کے ساتھ معاملات میں بے اصولی کا ایک نقصان

اب اگر یہ آدمی کچھ کام کر کے دو چار لوگوں کو مسجد میں لاتا بھی ہے لیکن اپنے معاملات کی خرابی کی وجہ سے دس آدمیوں کو دین سے دور کرنے کا سبب بھی بن رہا ہے۔ پھر جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کا حساب ہوگا کہ دیکھو! اس کے کھاتے میں کتنا جمع ہے اور کتنا باقی ہے تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس کے پاس جمع کتنا نکلے۔

الغرض! معاملات کا شعبہ ایسا بنیادی شعبہ ہے کہ اس کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرنے کی ضرورت ہے، یہ تو دینی اعتبار سے مسئلہ ہے۔

اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی احادیث کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو بھی جب تک معاملات درست نہ ہوں، وہاں تک عبادات اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں قبول نہیں ہوتیں۔

شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیث ہے، فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنِ اشْتَرَى ثَوْبًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَفِي ثَوْبِهِ دِرْهَمٌ مِنْ حَرَامٍ لَا يَقْبَلُ اللهُ لَهُ صَلَاةً مَا دَامَ عَلَيْهِ مِنْهُ شَيْءٌ[1] کہ ایک آدمی نے کوئی کپڑا دس درہم میں خریدا، اس میں نو درہم حلال کے

---

[1] شعب الإیمان [الناشر: مکتبة الرشد للنشر والتوزیع بالریاض بالتعاون مع الدار السلفیة ببومباي بالهند]: ۸/۲۱۰، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ تعالی عنهما، بَابٌ فِي الْمَلَابِسِ وَالزِّيِّ وَالْأَوَانِي وَمَا يُكْرَهُ مِنْهَا، رقم الحدیث: ۵۷۰۷.

اور ایک درہم حرام کا ہے تو حضورِ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر ہے، اس کی کوئی نماز چاہے فرض ہو یا نفل، قبول نہیں ہوگی۔

حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

اب اندازہ لگاؤ! وہ تو اپنے زعم میں یوں سمجھتا ہے کہ میں عبادات کا برابر اہتمام کررہا ہوں لیکن ؎

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے	❁	حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

وہ یوں سمجھتے ہیں کہ میں کچھ کررہا ہوں، بس وہ ان کی ایک سمجھ ہے، ورنہ حقیقت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں، قبولیت نہیں ہے، اس پر کوئی اجر وثواب نہیں ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

پھر بھی اس کا عبادات کرنا، فرائض ادا کرنا، اس سے اس کا ذمہ بری ہوجاتا ہے، بالکل بے کار بھی نہیں ہے، اس کو ذہن میں رکھیں، اگر کوئی شخص نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں آئے اور اس کی ساری کمائی حرام کی ہے تو اس کی نماز بھلے ہی قبول نہ ہو لیکن جب کسی مفتی سے پوچھیں گے کہ ایک آدمی ہے جس کی ساری کمائی حرام کی ہے، وہ پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے جو پانچ وقت کا فریضہ لازم کیا ہے، وہ ادا ہوگا یا نہیں؟ تو مفتی صاحب جواب دیں گے کہ ادا ہوجائے گا۔ اس کو آپ برابر یاد رکھنا، ورنہ کل آپ میرا حوالہ دے کر کہیں گے کہ انھوں نے ایسا کہا تھا کہ ایسے آدمی کی نمازیں

قبول نہیں ہوتیں، اس لیے ہم نے نمازیں چھوڑ دی تھیں، ایسا نہیں ہے، اس کا نمازیں پڑھنا ایک دم بے کار بھی نہیں ہے، اس کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے، کل قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں نماز نہ پڑھنے پر اس کی گرفت نہیں ہوگی، جو لوگ اس کو بالکلیہ بے کار کہتے ہیں، وہ غلط ہیں، ہاں! یہ ضرور ہے کہ نماز کے اثرات، نماز کے ثمرات، نماز کے فوائد، نماز کے برکات، نماز کے کے انوارات جو حاصل ہونے چاہئیں، کمائی میں حرام کا عنصر ملنے کی وجہ سے وہ اس سے محروم کر دیا گیا اور اسی کو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر موجود ہے، وہاں تک اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوگی۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما اپنے کانوں میں انگلی دے کر فرماتے ہیں: صُمَّتَا إِنْ لَمْ أَكُنْ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: میرے یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں، اگر میں نے یہ بات حضورِ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے نہ سنی ہو۔

بہر حال! یہ معاملات بڑی اہمیت کے حامل ہیں، اس کا اثر انسان کی پوری زندگی پر پڑتا ہے بلکہ معاملات کی خرابی کے نتیجے میں حرام عنصر جب مال کے اندر آ جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں اس کی نیکیوں کی توفیق چھین لی جاتی ہے، عام طور پر اس کو نیک کام کرنے کی توفیق نہیں ملتی، اس کی اولاد میں نافرمانی پیدا ہوتی ہے، بیوی، ماتحت سب اس کی نافرمانی کرتے ہیں، یہ ساری خرابیاں اس پر مرتب ہوتی ہیں، بزرگوں کے اقوال

اس کی شہادت دیتے ہیں۔

حلال وحرام غذا کے سلسلے میں سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ بڑے بزرگ گذرے ہیں، ان کا مقولہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے کہ: **من أكل الحرام عصت جوارحه شاء أم أبى، علم أو لم يعلم:** جس آدمی نے حرام غذا کھائی، چاہے اس نے جان بوجھ کر حرام استعمال کیا یا بھول سے، اس کے اعضاء اللہ کی نافرمانی کریں گے، وہ چاہے، نہ چاہے، اس کو معلوم ہو یا معلوم نہ ہو۔ گویا حرام غذا کی قدرتی خاصیت یہ ہے کہ وہ پیٹ میں جانے کے بعد آدمی سے گناہ کے کام ہی کرائے گی۔ نیکی کی توفیق اسے حاصل نہیں ہوتی، کھانے والے کو معلوم ہو یا نہ ہو، بے خبری میں کھالیا تو بھی اس کا یہ اثر ظاہر ہوگا، یہ بات اور رہی کہ بے خبری میں کھانے کی وجہ سے گناہ نہیں ہوگا لیکن اس کا جو اثر ہے، وہ تو ظاہر ہوگا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے مریدین سے معاملات کی صفائی کا اہتمام کروانا

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ معاملات کی صفائی شریعت کی نگاہ میں بہت بنیادی حیثیت رکھتی ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں

---

① إحياء علوم الدين [الناشر: دار المعرفة - بيروت]: ۹۱/۲، كتاب الحلال والحرام.

اس کی طرف بہت زیادہ متوجہ کیا جاتا تھا، چنانچہ آپ سے تعلق رکھنے والوں میں کسی کی طرف سے ذرّہ برابر اس سلسلے میں کوتاہی ہوتی تو بڑی سخت تنبیہ کی جاتی تھی، حضرت خود فرماتے تھے کہ مجھ سے جو حضرات متعلق ہیں، ان میں سے اگر کسی نے معمولات کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو اس سے دل پر اثر ہوتا ہے لیکن یہ اس کا ذاتی نقصان ہے، اس سے مجھے زیادہ تکلیف نہیں ہوتی لیکن اگر اس نے معاشرت یا معاملات میں کوئی گڑبڑ کی تو میرے دل میں اس کی نفرت بیٹھ جاتی ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں معاملات کی صفائی کا اہتمام

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ سہارنپور سے لکھنؤ تشریف لے جارہے تھے، ان کے یہاں بڑی تاکید تھی کہ جب آپ سفر کررہے ہوں تو آپ کے ساتھ جو سامان ہے تو اگر آپ کا ایک ٹکٹ ہے اور اس ایک ٹکٹ کے ساتھ جتنا سامان ریلوے میں لے جانے کی اجازت ہے، اگر آپ اس سے زیادہ سامان لے جارہے ہیں تو حضرت تاکید فرماتے تھے کہ اس کا وزن کرواؤ اور جتنا زیادہ سامان ہے، اس کا کرایہ ادا کرو اور اس کی رسید حاصل کرو، اس کا بڑا اہتمام تھا۔

کیا یہ میری طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں صفائی پیش کردے گا؟

تو ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ سہارنپور سے لکھنؤ تشریف لے جارہے تھے اور اسٹیشن پر اس جگہ لائن میں لگے ہوئے ہیں جہاں سامان کا وزن کیا جاتا ہے، ٹرین کا وقت ہونے ہی والا ہے، ایک گارڈ صاحب حضرتؒ کو دیکھ کر دوڑے

ہوئے آئے اور پوچھنے لگے کہ حضرت! کیا بات ہے؟ فرمایا کہ یہ میرا سامان ہے جس کا وزن کرانا ہے، پوچھا کہ کون سی ٹرین سے جا رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ لکھنؤ جا رہا ہوں تو گارڈ نے کہا کہ میں بھی اسی ٹرین سے جا رہا ہوں، میں اسی ٹرین کا گارڈ ہوں، آپ کو تلوانے کی ضرورت نہیں ہے، آپ ٹرین میں بیٹھ جائیے، حضرت نے پوچھا کہ کیوں تلوانے کی ضرورت نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ میں اسی ٹرین میں آپ کے ساتھ ہی ہوں، پوچھا کہ آپ کہاں تک ہیں؟ اس نے کہا کہ غازی آباد تک ہوں، آپ نے پوچھا کہ اچھا! پھر غازی آباد کے بعد؟ اس نے کہا کہ غازی آباد کے بعد جو دوسری ڈیوٹی والا گارڈ آئے گا، میں اس کو کہہ دوں گا، پوچھا کہ وہ کہاں تک ہے؟ جواب دیا کہ آپ کو لکھنؤ جانا ہے اور وہ لکھنؤ تک ہے، اس کی ڈیوٹی تو اس سے بھی آگے کے اسٹیشن تک ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے تو اس سے بھی آگے جانا ہے، پوچھا کہ کہاں؟ فرمایا کہ مجھے تو آخرت کا سفر درپیش ہے، اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونا ہے، کیا یہ میری طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں صفائی پیش کر دے گا؟ وہ صاحب خاموش ہو گئے۔

حضرت دامت برکاتہم کا بس میں سفر کے دوران ٹکٹ لینے کا اہتمام

ہم بس میں سفر کرتے ہیں، مجھے یاد ہے کہ کبھی مرولی سے ڈابھیل کے لیے بس میں سوار ہو کر جانا ہوتا تھا، ہمارے ایک پہچان والے تھے، دور کی رشتہ داری بھی تھی اور محبت رکھنے والے تھے، وہ اس بس کے کنڈیکٹر تھے، میں ان سے ٹکٹ مانگتا تو وہ کہتے کہ اس کی ضرورت نہیں ہے، میں کہتا کہ نہیں! یا تو میرے پاس سے پیسے لے کر ٹکٹ دو

یا مجھے ٹکٹ دے دو اور تم اپنی جیب سے اس میں پیسے ڈال دینا، بغیر ٹکٹ کے میں نہیں بیٹھوں گا، سیدھی بات ہے۔

کنڈیکٹر کے پاس کسی کو مفت میں سوار کرانے کا اختیار نہیں ہے

یہ کنڈیکٹر جو اس طرح مفت میں لے جاتے ہیں تو کیا محکمہ والوں نے ان کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ اپنی جان پہچان والوں اور دور کے رشتہ داروں کو بھی مفت میں لے جا سکتے ہیں؟ یہ تو ایک ملازم ہے اور بس اس کے پاس محکمہ کی ایک امانت ہے، اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس طرح آپ کو مفت میں بٹھا کر کے لے جائے اور اگر وہ ایسا کر رہا ہے تو خیانت کر رہا ہے اور آپ اس خیانت میں اس کا ساتھ دے رہے ہیں، آپ بھی گنہگار رہیں، وہ بھی گنہگار رہے، دونوں نے خیانت کی ہے تو دونوں اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دِہ ہوں گے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خلیفہ سے اجازت واپس لے لی

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ تھے، ایک مرتبہ اپنے بچے کو لے کر کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت سے ملاقات کرائی، حضرت نے پوچھا کہ آپ کے اس بچے کی کیا عمر ہے؟ جواب دیا کہ ۱۳؍سال کی عمر ہے، پوچھا کہ اس کا ٹکٹ لیا تھا؟ کہا کہ ہاں! لیا تھا، پوچھا کہ کتنا لیا تھا؟ جواب دیا کہ آدھا لیا تھا تو حضرت نے فرمایا کہ آدھا ہی لیا! ۱۳؍سال کی عمر کے بچوں کا تو پورا ٹکٹ لیا جاتا ہے تو اس نے کہا کہ حضرت! یہ دکھنے میں ۱۲؍سال سے بھی کم عمر کا معلوم لگتا ہے تو میں نے آدھا لے لیا تو

حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ نے جو آدھے پیسے بچائے، وہ آپ نے خیانت کی ہے، گویا محکمۂ ریلوے سے اتنی مقدار میں مال آپ نے چرایا، غصب کیا، آپ کے مال میں حرام کی اتنی مقدار آمیزش ہوگئی، آپ کو معاملات کی صفائی کا ذرا بھی اہتمام نہیں ہے اور حضرتؒ نے اسی وقت اجازت واپس لے لی، حالاں کہ وہ عبادات کے شعبے میں بڑے مضبوط تھے، سارے معمولات بڑے اہتمام سے انجام دیتے تھے لیکن معاملات میں اس طرح کی کوتاہی پر حضرتؒ نے فوراً اجازت واپس لے لی۔

چوری کی بجلی استعمال کرنے والے متنبہ ہوں

آج ہمارے معاشرے میں اس طرح کی خیانتیں عام ہو چکی ہیں اور اس کو گناہ اور حرام بھی نہیں سمجھا جاتا، ہمارے یہاں بجلی کے میٹر کی چوری بہت عام ہوگئی ہے، اچھے اچھے لوگ بھی اپنے گھروں میں، دوکانوں میں، فیکٹریوں میں میٹر میں چھیڑ چھاڑ کروا کر چوری کی بجلی سے کام چلاتے ہیں۔

حلال مال میں حرام کی ملاوٹ حلال مال کی برکت کو بھی ختم کر دیتی ہے

ذرا سوچئے! یہ غصب اور چوری کی بجلی ہے، اس کے ذریعہ سے جو کمایا ہے، اس کمائی کو کون حلال قرار دے گا؟ تھوڑا سا پیسہ بچانے کے لیے اپنی حلال کمائی میں حرام کی ملاوٹ کر دی اور اس حرام کی تھوڑی سی ملاوٹ نے حلال کمائی کا بیڑا ہی غرق کر دیا، سارے مال کو مشتبہ بنا دیا، حلال مال کی برکت کو بھی اس نے ختم کر دیا، اس حرام کی ملاوٹ کا اثر سارے مال پر پڑے گا، شریعت اس کی کہاں اجازت دیتی ہے؟ شریعت کا حکم

تو یہ ہے کہ ہماری کمائی میں حرام کا ذرّہ برابر عنصر بھی شامل نہیں ہونا چاہیے۔

اور بجلی کی چوری تو عام رواج بن چکی ہے، اس کو کوئی جرم بھی نہیں سمجھتا، اچھے اچھے پڑھے لکھے اور دین دار سمجھے جانے والے پابند صوم وصلوۃ بلکہ تہجد گزار قسم کے لوگ بھی اس کا ارتکاب کرتے ہیں اور طرّہ یہ کہ اس کو گناہ بھی نہیں سمجھتے۔

گناہ در گناہ در گناہ

اس پر ستم یہ کہ اس چوری کو چھپانے کے لیے مزید گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں کہ اس محکمے کے جو کارندے اور افسران ہوتے ہیں، ان کو رشوت دیتے ہیں، یہ ایک علیحدہ گناہ ہے تو یہ تو گناہ در گناہ در گناہ ہو گیا، آدمی اس میں پھنستا ہی جاتا ہے، اس طرح ہم نے اپنے معاملات خراب کر رکھے ہیں۔

دیکھیے! خالص حرام تو بہت سے لوگ جانتے ہیں، اس لیے اس کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس کا احساس بھی ہوتا ہے، سود لینے دینے کی ضرورت پڑتی ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ میں ایک حرام چیز کا ارتکاب کر رہا ہوں لیکن بعض مرتبہ معاملات کی درستگی نہ ہونے کی وجہ سے ایک چیز حرام ہو جاتی ہے، اس کی طرف خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اپنے معاملات کو صاف رکھو، ملکیتوں کو پاک رکھو۔

معاملات کی عدمِ صفائی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خرابی کی ایک مثال

ہمارے یہاں یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی نے ایک دوکان شروع کی، اس کے

یہاں پہلا بیٹا پیدا ہوا، بڑا ہوا، کاروبار کے لیے بیٹھنے اور کاروبار چلانے کے قابل ہوا تو باپ نے اس کو اپنے ساتھ ملالیا، اب باپ اس کو اپنے ساتھ جس روز بٹھا رہا ہے، کوئی خلاصہ، کوئی وضاحت، کوئی صفائی اس موقع پر پیش نہیں کی جاتی کہ یہ بیٹا جو باپ کے ساتھ کاروبار کر رہا ہے، وہ کس حیثیت سے کر رہا ہے، کیا باپ کا مددگار ہے؟ یا پارٹنر اور شریک ہے؟ یا ملازم اور نوکر کے طور پر کام کر رہا ہے؟ اس کو مہینے کی آخری تاریخ کو کتنی تن خواہ دی جائے گی؟ ایسی کوئی بھی وضاحت نہیں ہوتی، بس! یوں ہی کاروبار میں لگالیا جاتا ہے۔

اب اس آدمی کا دوسرا بیٹا بھی بڑا ہو رہا ہے اور بڑھتے بڑھتے وہ بھی جب اس عمر کو پہنچا تو اس کو بھی کاروبار میں لگادیا پھر تیسرا آیا، چوتھا اور پانچواں تو ابھی اسکول اور مدرسہ میں ہیں اور اسی درمیان ابّا کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد جب میراث تقسیم کرنے کا وقت آیا تو بڑے صاحب زادے ۱۵؍سال سے دوکان پر بیٹھ رہے ہیں، کاروبار کو سنبھال رہے ہیں، وہ کہتا ہے کہ میں نے محنت کی ہے، اس کاروبار کو ترقی دینے کے لیے اپنا خون پسینہ ایک کیا ہے، اس لیے میرا اس میں زیادہ حصہ ہے تو میں اتنی رقم لوں گا، اس طرح جھگڑے شروع ہو گئے، اگر بڑا بیٹا نیک دل ہے تو ٹھیک ہے، وہ سنبھال لیتا ہے لیکن اکثر جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔

اس صورت میں بہت سی مرتبہ کہا جاتا ہے کہ بھائی اپنے معاملات درست کرلو، کہیں بعد میں چل کر جھگڑے نہ ہوں تو جواب ملتا ہے کہ مولوی صاحب! کیا بات کرتے

ہیں!، باپ بیٹے میں اس کی ضرورت ہے؟ کیا بھائی بھائی میں اس کی ضرورت ہے؟ یہ کیا اجنبی پنے والی باتیں ہو رہی ہیں۔

ابھی تو ان کو اجنبی پنے والی بات نظر آتی ہے لیکن جب آگے چل کر جھگڑے ہوں گے اور ایک دوسرے کے سامنے آستینیں چڑھائیں گے تو ایک دوسرے کا منہ دیکھنے کے بھی روادار نہیں ہوں گے، ہمیشہ ایک دوسرے کو ختم کرنے اور گرانے کے چکر ہی میں رہیں گے، ہمارے پاس تو اس نوعیت کے جھگڑے آتے ہی رہتے ہیں۔

معاملات کی عدمِ صفائی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خرابی کی ایک اور مثال

ابھی ایک مسئلہ آیا کہ امی کے پاس مکان ہے، اس کے مختلف روم تھے پھر ایک لڑکے کی شادی ہوئی، اس کو ایک روم تیار کر کے دیا، پھر دوسرے لڑکے کی شادی ہوئی، اس کو دوسرا روم تیار کر کے دیا، پھر تیسرے لڑکے کی شادی ہوئی، اس کو تیسرا روم تیار کر کے دیا، یوں ایک ایک کر کے سب کو دے دیا اور لڑکی تو بیاہ کر کے دوسرے گھر چلی گئی ہے، ماں ایک کمرے میں رہ رہی تھی، اس نے کہا کہ یہ روم میری لڑکی کو دیجیو۔

پھر امی کا انتقال ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ یہ جو روم تیار کر کر کے بچوں کو دیے جاتے رہے، اس کے مالک کون ہیں؟ تو اس سلسلے میں ہم کیا کہیں گے؟ ہم تو یہی جواب دیں گے کہ اگر امی نے ہر بیٹے کو روم تیار کر کے دیتے وقت ہدیے اور بخشش کے طور پر دیا تھا اور قبضہ سونپا تھا تو اس کے مالک بیٹے ہیں اور اگر امی کا ارادہ ہدیے اور بخشش کا نہیں

تھا تو بیٹے اس کے مالک نہیں ہوں گے اور امی کی میراث سمجھی جائے گی لیکن امی کا ارادہ کیا تھا، وہ تو کسی کو معلوم ہی نہیں، اگر دیتے وقت وضاحت کر دی گئی ہوتی تو یہ جھگڑے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

اور یہ ایک روم رہ گیا تھا جس میں ماں اخیر تک مقیم رہی اور اسی میں انتقال ہوا جس کے بارے میں اس نے یہ کہا کہ یہ میری بیٹی کو دیجیو تو یہ تو وصیت ہوئی اور بیٹی وارثوں میں ہے اور حدیث پاک میں ہے، ابوداود شریف کی روایت ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ[1]: وارث کے لیے وصیت معتبر نہیں ہے؛ لہٰذا یہ روم بیٹی کو نہیں مل سکتا، یہ تو سب کی وراثت میں آ گیا، اب بیٹی کہتی ہے کہ سب کو ملا اور میں ہی محروم رہ گئی۔

اپنی غلطیوں کو مفتیوں کے سر ڈالنے والے

اصل یہ ہے کہ لوگ مسائل جانتے نہیں اور علماء سے پوچھے بغیر ہی کر لیتے ہیں اور بعد میں جب اختلافات ہوتے ہیں تو صحیح مسئلہ معلوم کرنے کے لیے مفتیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور مفتی حضرات جب انھیں صحیح مسئلہ بتاتے ہیں تو اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ سب کو ملا اور مجھے کیوں نہیں ملا، یہ تو تمھاری حماقت ہے۔

---

(۱) سنن أبي داود، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ البَاهِلِيِّ رضی اللہ تعالی عنه، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَصِيَّةِ لِلْوَارِثِ، رقم الحديث: ۲۸۷۰.

دنیوی معاملات میں دس وکیلوں سے مشورہ کرنے والے دینی معاملوں میں غفلت کا شکار

اگر آج آپ دو فٹ زمین سورت یا کسی اور شہر میں خریدیں گے تو خریدنے سے پہلے دو وکیلوں سے ملیں گے کہ اس زمین کے سب پیپر ٹھیک ٹھاک ہیں یا نہیں میونسی پل کارپوریشن کی قوانین کے مطابق اس زمین کو خریدنے میں کوئی پریشانی تو پیدا نہیں ہوگی؟ ٹائٹل کلیر ہے یا نہیں؟ اور پتہ نہیں دوسری کیا کیا معلومات حاصل کریں گے اور دس آدمیوں سے مشورے کریں گے اور یہاں ایک معاملہ کرنے جارہے ہیں لیکن کسی بھی عالم اور شریعت کے جاننے والے سے پوچھنے کی توفیق نہیں ہوتی، حالاں کہ یہاں وکیلوں سے پوچھنے جاتے ہیں تو وہ وکیل فیس بھی لیتا ہے اور مفتیوں کے پاس پوچھنے جاتے ہیں تو وہ ایک پیسہ بھی نہیں لیتے، بغیر جواب کا خط بھیجتے ہیں تو بھی یہ مفتیانِ کرام اپنی طرف سے ٹکٹ لگا کر جواب بھیجتے ہیں کہ اللہ کے ایک بندے نے مسئلہ پوچھا ہے تو وہ صحیح مسئلہ پر عمل تو کر لے، وہ شریعت پر عمل کرے گا تو ہمیں بھی ثواب ملے گا، یہ حضرات اس چکر میں نہیں رہتے کہ اس نے غیر جوابی خط بھیجا ہے تو اس کو جواب ہی مت دو۔

تو یہاں مفت جواب ملتا ہے تو بھی اس کا اہتمام نہیں ہے، اس کی کوئی پڑی نہیں ہے اور وہاں پیسے خرچ کر کے مشورہ لینے کے لیے جاتے ہیں، یہ کیا ہے؟ یہ شریعت کے احکام کے معاملے میں ہماری غفلت ہے، کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا جواب دینا پڑے گا۔

قوانین سے ناواقفیت کہیں بھی عذر شمار نہیں ہوتا

دنیا کے کسی بھی ملک میں قانون سے ناواقفیت عذر شمار نہیں ہوتا، آپ نے کوئی جرم کیا، حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کی، آپ نے شہر میں کسی جگہ کوئی مکان خریدا اور پھر میونسی پل کارپوریشن والوں کی طرف سے پکڑ دھکڑ ہوئی، اس پر آپ کہیں کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ قاعدہ ہے، اس لیے میں نے خرید لیا تو وہ کہیں گے کہ قاعدہ معلوم نہیں تھا، یہ تمھارا قصور ہے، یہ حکومت کا قصور نہیں ہے۔ کسی بھی ملک میں قانون اور قاعدہ سے ناواقفیت عذر شمار نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کو قاعدہ قانون سے واقف کرانے کے لیے کوئی سینٹر اور مرکز بھی نہیں بنایا جاتا کہ جہاں لوگوں کو حکومتی قوانین وقواعد سے روشناس کرایا جائے، وکیل اپنی دوکانیں اور آفس کھول کے بیٹھے ہیں، وہاں جائیں گے اور پیسے دے کر قاعدہ معلوم کرنا پڑے گا۔

اسلام کی فیاضی اور ہماری ناقدری

اور یہاں اسلام نے تو ایسے سینٹر اور مراکز کھول رکھے ہیں کہ آپ کو دینی مسائل اور قواعد وقوانین معلوم کرنا ہے تو آؤ اور معلوم کرلو لیکن پھر بھی یہاں یہ حال ہے کہ پہلے سے اِدھر اُدھر سے معلومات حاصل کرتے ہیں کہ ہمارے حصے میں بھی کچھ آسکتا ہے یا نہیں، اگر انھیں معلوم ہو کہ ہمیں بھی کچھ ملنے والا ہے تو کہیں گے کہ چلو! مفتی صاحب جو فیصلہ کریں گے، وہ ہمیں منظور ہے اور اگر ان کو پہلے سے یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے حصے میں کچھ آنے والا نہیں ہے تو مفتی صاحب کے پاس جانے ہی سے انکار کردیں گے

کہ وہاں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ عجیب معاملہ ہے۔

یہاں سرکاری قانون میں کوئی چیز نہ ملتی ہو تو وہاں تو نہیں کہتے کہ نہیں جانا، اگر نہیں جائیں گے تو پولیس پکڑ کر کے لے جائے گی، دنیا کی پولیس اور قاعدے قانون کا تو ہمیں اتنا ڈر رہے، کل قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں جب گرفت ہوگی، تب پتہ چلے گا کہ دو پیسوں کے لیے ہم نے اپنی عاقبت اور دائمی زندگی کو برباد کر دیا، اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنے معاملات کو صاف شفاف رکھیں اور اس کے بارے میں علمائے کرام اور مفتیانِ عظام سے بار بار پوچھتے رہیں اور وہ جو بتائیں، اس کے مطابق عمل کریں؛ تاکہ دنیا بھی برباد نہ ہو، آخرت بھی برباد نہ ہو اور یہ ساری عبادتیں جو ہم جی جان سے کر رہے ہیں، وہ بھی اکارت نہ جائیں، اللہ تبارک وتعالیٰ عمل کی توفیق اور سعادت نصیب فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اسلام میں باہمی مدد اور تعاون کی بنیاد

بمقام: مانگرول

بوقت: ۴/ ۱۲/ ۲۰۱۵

اقتباس

ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہما کی روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کعبۃ اللہ کا طواف کررہے ہیں اورطواف کے دوران کعبہ کوخطاب کر کے،اس کو اپنا مخاطب بنا کرفرمارہے ہیں: مَا أَطْيَبُكِ وَأَطْيَبُ رِيحَكِ، مَا أَعْظَمُكِ وَأَعْظَمُ حُرْمَتَكِ وَالَّذِى نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ حُرْمَةً مِنْكِ مَالِهِ وَدَمِهِ وَأَنْ نَظُنَّ بِهِ إِلاَّ خَيْرًا.: اے کعبہ! تو کیسا پاکیزہ ہےاورکیسی پاکیزہ ہے تیری خوشبواورتو کیسا عظمت والا ہےاور کیسا عظمت والا ہے تیرادرجہ، قسم ہےاس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے کہ ایک مؤمن کی عظمت اور بڑائی اورحرمت اللہ تعالٰی کی نگاہوں میں تجھ سے بڑھ کر ہے، اس کی جان کی بھی، اس کے مال کی بھی اوراس کی عزت اورآبرو کی بھی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یهده اللّٰہ فلا مضل له، ومن یضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا اللّٰہ وحده لا شریك له ونشهد أن سیدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلی كافّة الناس بشیرا ونذیرا، وداعیا إلی اللّٰہ بإذنه وسراجا منیرا، صلی اللّٰہ تعالی علیه وعلی آله وأصحابه وبارك وسلّم تسلیما كثیرا كثیرا، أما بعد:

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:
﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ﴾ [الحجرات: ۱۳]

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالی عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ التَّقْوَى هَاهُنَا» وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ «بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ»[1].

---

(۱) صحیح مسلم، بَابُ تَحْرِيمِ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ، وَخَذْلِهِ، وَاحْتِقَارِهِ وَدَمِهِ، وَعِرْضِهِ، وَمَالِهِ، رقم الحدیث: ۶۶۴۳.

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت اہل عرب میں حسب ونسب پرفخر کا عام مزاج

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس شہر میں اور جس قوم میں مبعوث فرمایا، ان کے زمانے میں ان کے یہاں اپنے نسب اور خاندان کی بنیاد پر اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور اس پر فخر کرنا لوگوں کا عام مزاج بنا ہوا تھا، خود عرب قوم جس میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، وہ اپنے آپ کو دوسری تمام قوموں کے مقابلے میں افضل اور بہتر سمجھتی تھی، چنانچہ اپنے علاوہ دوسری قوموں کو عجمی کے نام سے یاد کرتے تھے اور اپنے آپ کو عرب کہتے تھے۔

اہل عرب کا اپنی زبان پرفخر اور دوسروں کی زبان پر طنز

عربی لغت کے اعتبار سے ''عجمی'' کا ترجمہ ہوتا ہے ''گونگا'' گویا بولنے کی صلاحیت تو ان ہی میں تھی، چنانچہ جب کوئی آدمی عربی زبان میں بات کرتا، تب تو اس کو ''نَطَقَ'' اور ''قَالَ'' کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے یعنی بولا، بات کی اور عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں، مثلاً فارسی زبان میں کوئی آدمی بات کرتا تو اس کے بارے میں کہتے تھے: ''رَطَنَ بِالْفَارِسِيَّةِ''[1] بڑبڑایا، اپنے بارے میں تو کہا: ''بولا''، گویا عربی زبان میں بات

---

[1] (رَطَنَ)(س) فِي حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ «قَالَ أَتَتْ امْرَأَةٌ فَارِسِيَّةٌ فَرَطَنَتْ لَهُ» الرَّطَانَةُ بِفَتْحِ الرَّاءِ وَكَسْرِهَا، والتَّرَاطُنُ: كَلَامٌ لَا يَفْهمه الجُمْهُورُ، وَإِنَّمَا هُوَ مُواضَعة بَيْنَ اثْنَيْنِ أَوْ جَمَاعَةٍ، وَالْعَرَبُ تَخُص بِهَا غَالِبًا كلامَ الْعَجَمِ.(النهاية في غريب الحديث والأثر[الناشر: المكتبة العلمية-بيروت]: ۲/۲۳۳، بَابُ الرَّاءِ مَعَ الطَّاءِ)

کرنے کو بولنے سے تعبیر کرتے تھے، گویا بولنا تو حقیقت میں ان ہی کا بولنا تھا، باقی دوسری زبانوں میں کوئی آدمی بات چیت کرے گا تو وہ اس کو بولنا نہیں کہتے تھے بلکہ بڑبڑانے سے تعبیر کرتے تھے، جیسے آدمی خواب میں بولتا ہے، بڑبڑاتا ہے، بکواس کرتا ہے، اس کو ''رَطَنَ'' کہتے ہیں۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ان کے یہاں اپنی زبان، اپنے خاندان، اپنے قبیلے اور اپنی قومیت پر فخر اتنا عام تھا کہ وہ دوسروں کو اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخلہ

یہ آیتِ کریمہ جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس کا شانِ نزول اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ فتح مکہ کے موقع پر جب نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے، مکہ مکرمہ میں آپ کا جب فاتحانہ داخلہ ہوا تو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالی عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے، یہ حضرت علی کی رضی اللہ تعالی عنہ کی سگی بہن ہیں، وہاں غسل فرمایا، غسل کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعتیں ادا فرمائیں [1] اور اس کے بعد وہاں سے حرم شریف میں آئے۔

---

[1] صحیح البخاری، عَنْ أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ تعالی عنہا، بَابُ مَنْ تَطَوَّعَ فِي السَّفَرِ فِي غَيْرِ دُبُرِ الصَّلَوَاتِ وَقَبْلَهَا، رقم الحدیث: ۱۱۰۳۔

کعبۃ اللہ کے اندر باہر کی صفائی

حرم میں آنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۃ اللہ کی چابی منگوائی اور دروازہ کھلوا کر کعبۃ اللہ کے اندر انھوں نے جو تصویریں وغیرہ بنا رکھی تھیں، ان سب کی صفائی کروائی اور اس وقت بیت اللہ کے چاروں طرف دیواروں میں مشرکین مکہ نے ۳۶۰ بت سیسہ پگھلا کر چپکا رکھے تھے، طواف کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لاٹھی سے ان بتوں کی طرف اشارہ فرماتے تھے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے: ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ [الإسراء]، اس پر وہ بت گر جاتا تھا، اس طرح سارے بت گر کر ختم ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبۃ اللہ میں

باہر کی صفائی کے بعد نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبۃ اللہ میں تشریف لے گئے اور اپنے ساتھ حضرتِ بلال رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرتِ اسامہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ جن کے پاس کعبۃ اللہ کی چابی رہتی تھی، کلید بردار تھے، ان تین آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے اندر تشریف لے گئے اور دروازہ بند کر دیا اور کعبۃ اللہ کے الگ الگ کونوں میں جا کر دیر تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا اور تکبیر، تہلیل، تسبیح، تحمید وغیرہ پڑھتے رہے اور دعائیں کیں۔

کعبۃ اللہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ

کافی دیر تک اندر رہنے کے بعد نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم نے باہر تشریف لاتے ہوئے دروازہ کھولا اور کعبہ کے دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے رہے اور کعبۃ اللہ کے دروازے پر کھڑے ہوکر نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم نے اپنا وہ مشہور خطبہ دیا جو فتح مکہ کے موقع کے خطبے سے مشہور ہے۔

اسی موقع پر نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم نے ان کو بتلادیا تھا کہ یہ جو تم اپنے نسب اور خاندان کی بنیاد پر فخر وغرور کرتے ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ سب ختم کردیا ہے اور فرمایا: أَنْتُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ[1]: تم سب کے سب حضرتِ آدم علیه الصلوۃ والسلام کے بیٹے ہو اور ان کی اولاد ہو اور حضرتِ آدمؑ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا تھا، ایک روایت میں فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ[2]: اے لوگو! تم سب کا پروردگار ایک ہی ہے اور تمھارا باپ بھی ایک ہی ہے،

---

(۱) سنن أبي داؤد، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللّٰہ تعالی عنه، بَابٌ فِي التَّفَاخُرِ بِالْأَحْسَابِ، رقم: ۵۱۱٦.

(۲) شعب الإيمان [الناشر: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند]: ۷/۱۳۲، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی اللّٰہ تعالی عنهما، فَصْلٌ، وَمِمَّا يَجِبُ حِفْظُ اللِّسَانِ مِنْهُ الْفَخْرُ بِالْآبَاءِ، وَخُصُوصًا بِالْجَاهِلِيَّةِ، وَالتَّعْظِيمِ بِهِمْ، رقم الحديث: ۴۷۷۴.

سنو! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی سرخ کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر، محض خاندان کی بنیاد پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

فضیلت اور بزرگی کا معیار تقویٰ ہے

یہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعتبار تقویٰ کا ہے، جو جتنا اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرماں بردار ہوگا، جتنا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچانے کا اہتمام کرنے والا ہوگا، اتنا ہی وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہوں میں لاڈلا، محبوب اور پیارا ہوگا، اتنا ہی وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں مکرم اور باعزت سمجھا جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضیلت اور بزرگی کا معیار بتلادیا کہ تقویٰ ہے، اور کوئی چیز نہیں۔

فتح مکہ کے روز کعبۃ اللہ کی چھت پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذانِ ظہر

جب ان سب سے فارغ ہوئے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چوں کہ صبح کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے، اس وقت سے دوپہر تک یہ سارے سلسلے جاری رہے، یہاں تک کہ جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کو حکم دیا کہ کعبۃ اللہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دو، حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کی آواز بڑی بلند تھی، انھوں نے کعبۃ اللہ پر چڑھ کر جو اذان دینا شروع کیا تو یہ منظر مکہ کے مشرکین اور کفار کے لیے کہ جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے، بڑا ناقابلِ برداشت ہوگیا، کچھ لوگ حرم کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے، جن

میں ابوجہل کے بھائی حارث بن ہشام رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے جو بعد میں ایمان لے آئے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ایمان کی سعادت عطا فرمائی اور اس کے بعد بڑے کارنامے انجام دیے، وہ ہیں، حضرت ابوسفیان ہیں، دو بھائی عتاب بن اسید، خالد بن اسید ہیں، صفوان بن امیہ ہیں۔

حضرت بلالؓ کے اذان کہنے پر کفار کی چہ می گوئیاں

یہ سب بیٹھے ہوئے ہیں اور آپس میں بات چیت میں مشغول تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کعبۃ اللہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دے رہے ہیں، اللہ اکبر کی جو اذان سنی تو بس ایک بھونچال سا آ گیا اور کہنے لگے- العیاذ باللہ- کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کیا سوجھی کہ اذان دینے کے لیے اس کالے کوّے کو چڑھا دیا، کوئی عرب ان کو نہیں ملا، عتاب بن اسید، خالد بن اسید دونوں بھائی کہتے ہیں: **الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَكْرَمَ أَبِي فَلَمْ يَسْمَعْ بِهَذَا الْيَوْمَ** کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے والد کو آج کے اس منظر کو دیکھنے سے پہلے ہی اوپر اٹھالیا اور (حضرت) بلال (رضی اللہ تعالی عنہ) کو کعبہ پر اذان دیتے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی، ابوسفیانؓ نے کہا: **أَمَّا أَنَا فَلا أَقُولُ شَيْئًا، لَوْ قُلْتُ شَيْئًا لأَخْبَرَتْهُ هَذِهِ الْحَصَى** کہ میں تو کچھ بولوں گا نہیں، کیوں کہ اگر میں کچھ بولنے جاؤں گا تو یہ کنکریاں بھی میری تو چغلی کردیں گی، ایسی باتیں ہو رہی تھیں۔

کفار کی چہ می گوئیوں کی بذریعۂ وحی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعۂ وحی نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی

ان سب باتوں سے باخبر کر دیا کہ فلاں نے یہ بات کہی اور فلاں یہ بولا اور یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ ط﴾: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت یعنی حضرتِ آدم اور حضرتِ حوّا علیہما الصلوٰۃ والسلام سے پیدا کیا ہے، ﴿وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا﴾: اور ہم نے تم کو مختلف قوموں اور خاندانوں میں تقسیم کیا اور ان خاندانوں اور قوموں کو بنانے کا سبب یہ نہیں ہے کہ تم اس کو لے کر ایک دوسرے پر فخر کرو، اپنی بڑائی جتلاؤ، اپنے آپ کو دوسرے کے مقابلے میں اونچا ظاہر کرو بلکہ یہ قومیں اور یہ خاندان محض آپس کی پہچان کے لیے بنائے ہیں۔

خاندان اور قبائل بنانے کی اصلی غرض

ایک نام کے کئی آدمی ہوتے ہیں، ایک یہ عبداللہ ہے، ایک یہ عبداللہ ہے تو دونوں میں تمیز کیسے ہوگی؟ تو اسی خاندان کے ذریعہ ہوگی کہ یہ عبداللہ فلانے خاندان کا ہے اور یہ عبداللہ فلانے خاندان کا ہے تو یہ خاندان آپس کی پہچان کے لیے بنائے ہیں، کوئی کسی خاندان میں پیدا ہو گیا تو صرف اسی بنیاد پر اس کو کسی دوسرے آدمی پر کوئی فضیلت اور فوقیت حاصل نہیں ہو جاتی۔

عمل کے بغیر کسی کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا

ایک دوسرے موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ، لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ[۱] کہ: جس کا عمل اس کو پیچھے رکھے گا یعنی کوئی آدمی اپنے اعمال کی کمزوریوں کی وجہ سے کوئی کمال حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوا تو اس کا نسب اس کو آگے نہیں بڑھا سکتا، نسب کی وجہ سے کسی کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی، اصل تو انسان کے ذاتی کمالات ہیں، آدمی اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو عطا بھی فرمائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ اور مذکورہ حضرات کا قبولِ اسلام

بہر حال! یہ آیت نازل ہوئی تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان حضرات کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے ابھی یہ یہ بات کہی تھی نا؟، حارث بن ہشام سے کہا کہ تم نے یہ بات کہی تھی اور عتاب بن اسید اور خالد بن اسید سے کہا کہ تم نے یہ بات کہی تھی، یہ لوگ حیرت زدہ رہ گئے اور سوچا کہ ہم تو ابھی یہیں پر بیٹھے ہیں، ہم میں سے کوئی آدمی یہاں سے ہلا بھی نہیں ہے، پھر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہماری یہ سب باتیں کیسے معلوم ہو گئیں!؟ یقیناً! یہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، یہ کہہ کر سب ایمان لے آئے، ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کہا تھا کہ اللہ کے رسول! میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا ہے، یہ سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسکرا دیے[۲]۔

---

(۱) صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالى عنه، بَابُ فَضْلِ الِاجْتِمَاعِ عَلَى تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَعَلَى الذِّكْرِ، رقم الحديث: ۶۹۵۲.

(۲) مثير الغرام الساكن إلى أشرف الأماكن لابن الجوزي [الناشر: دار الحديث، القاهرة]، ص: ۲۴۱، بَابُ أَذَانُ بِلالٍ عَلَى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ يَوْمَ الْفَتْحِ.

میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ اس آیت کے ذریعہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیامت تک آنے والی انسانیت کو بتلادیا کہ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ محض اپنے خاندان، اپنے قبیلے، اپنی قوم اور اپنی کمیونٹی کی بنیاد پر دوسروں پر اپنی بڑائی اور اپنی عظمت کو جتائے۔

زمانۂ جاہلیت کی سوچ کی دورِ حاضر کے مسلمانوں میں دراندازی

آج کل یہ مصیبت مسلمانوں بھی عام ہو چلی ہے، اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں آپس کے تعلقات کی بنیاد خاندان ہوا کرتے تھے کہ میرے خاندان کا ہے تو میں یہ کہتا تھا کہ یہ میرا ہے، اپنا ہے، دوسرے خاندان کا ہے تو میں یہ کہتا تھا کہ یہ پرایہ ہے، یہ غیر ہے، میرے وطن کا ہے تو اپنا، دوسری جگہ کا ہے تو غیر، اس زمانے میں اس طرح کی بنیادیں قائم تھیں۔

آج یہ مصیبت مسلمانوں میں بھی آگئی اور اسی نے ان میں تفرقے ڈال دیے اور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جو اسلامی اتحاد قائم فرمایا تھا، اس کو ختم کردیا۔

قومیت کا باہمی تعاون وتناصر کی بنیاد ہونا زمانۂ جاہلیت کا فلسفہ ہے

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو دین دنیائے انسانیت کو عطا فرمایا، جو تعلیمات دیں، ان تعلیمات میں ایک اہم تعلیم یہ بھی ہے کہ فوقیت اور فضیلت کا معیار قومیت اور خاندان نہیں ہے، قومیت کی بنیاد پر کسی کی مدد کرنا، کسی کو اپنا سمجھنا یہ تو زمانۂ جاہلیت میں ہوا کرتا تھا۔

غزوۂ بنوالمصطلق سے واپسی کے موقع پر مہاجرین وانصار میں نزاع کا ایک واقعہ

غزوۂ بنوالمصطلق، غزوۂ مریسیع کے موقع پر جس میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، اس غزوے سے واپسی میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اپنے صحابہؓ سمیت جارہے تھے، راستے میں ایک ایسی جگہ قیام کیا جہاں پانی کی قلت اور کمی تھی، البتہ وہاں چھوٹے چھوٹے گڑھوں کے اندر تھوڑا پانی موجود تھا تو جو لوگ وہاں پہلے پہنچے تو کسی نے اس کے پاس اپنا کپڑا رکھا، کسی نے اپنی کوئی اور چیز رکھ کر پانی پر قبضہ جمالیا اور اس نے ایک جھگڑے کی شکل اختیار کرلی۔

اب ایک مہاجری صحابیؓ نے اسی طریقے سے ایک پانی پر قبضہ کرر کھا تھا، ایک انصاری صحابیؓ نے ان سے پانی مانگا تو انھوں نے دینے سے انکار کردیا، بالآخر دونوں میں جھگڑا ہوگیا اور مہاجری نے انصای کو دھکا مارا۔

دھکا مارنے پر اس انصاری صحابیؓ نے اپنے ساتھیوں کو پکارتے ہوئے کہا: **يَا لَلْأَنْصَارِ**: اے انصار! میری مدد کے لیے آؤ۔ جب انھوں نے یہ کہا تو اس مہاجری نے بھی آواز لگائی: **يَا لَلْمُهَاجِرِينَ**: اے مہاجرین! تم میری مدد کو پہنچو۔

انصار اور مہاجرین سب سے عمدہ لقب ہے

دیکھو! انصار اور مہاجرین سے بڑھ کر اعلی لقب کون سا ہوسکتا ہے؟، یہ تو وہ لقب ہے کہ جس کے اوپر اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے مغفرت کی بشارتیں سنائی گئیں۔

انصاری اور مہاجری کے اپنے اپنے قبیلوں کو مدد کے لیے پکارنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی

لیکن اس موقع پر محض طرف داری کی بنا پر اس کا نعرہ لگایا گیا اور یَا لَلْأَنْصَارِ اور یَا لَلْمُهَاجِرِينَ کی پکار کی گئی، اس پکار کو سن کر ایک طرف سے انصار اور دوسری طرف سے مہاجرین نکل پڑے، حالاں کہ یہ سب چیزیں ختم ہو گئی تھیں لیکن شیطان کو اپنا کام کرنے کا وہاں موقع مل گیا، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ایک جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش مبارک میں: کان مبارک میں یہ جملہ پہنچا تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے عجیب جملہ ارشافرمایا: مَا بَالُ دَعْوَى الجَاهِلِيَّةِ، دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ کہ: یہ جاہلیت والا نعرہ، یہ غیر اسلامی نعرہ کہاں سے آیا، اس کو چھوڑو، یہ بڑا بدبودار نعرہ ہے [1] حق اور باطل کو دیکھے بغیر خاندان کی بنیاد پر، قبیلے کی بنیاد پر کسی سے مدد مانگنا، اسی کو عصبیت کہتے ہیں، اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے، اسلام تو کہتا ہے کہ دین کی بنیاد پر، حق کی بنیاد پر اپنے بھائی کی مدد کرو۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، بَابُ قَوْلِهِ: {يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى المَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الأَعَزُّ مِنْهَا الأَذَلَّ، وَلِلَّهِ العِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ المُنَافِقِينَ لاَ يَعْلَمُونَ} [المنافقون: ۸] رقم الحدیث: ۴۹۰۷.

زمانۂ جاہلیت کے ایک محاورے کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اصلاح

زمانۂ جاہلیت میں ایک جملہ بہت چلتا تھا: أُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا، أَوْ مَظْلُومًا کہ: اپنے بھائی کی یعنی اپنے خاندان والے کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، یہ مت دیکھو کہ وہ حق پر ہے یا باطل پر ہے، تمھارے خاندان کا ہے تو اس کی مدد کرو، بس! نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کی عجیب تربیت فرمائی اور ایسے غلط جملوں کو بھی درست کر دیا، ان کے مفہوم اور مطلب میں بھی ایک انقلابی تبدیلی پیدا کردی، چنانچہ ایک موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہی جملہ أُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا، أَوْ مَظْلُومًا ارشاد فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جملے کی اصلاح کرنا چاہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب فرمایا ''اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو'' چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کی جو تربیت فرمائی تھی، ان کا جو مزاج بنایا تھا، اس کی وجہ سے آپ کو یقین تھا کہ جب میں یہ جملہ کہوں گا تو ضرور سامنے سے کوئی پوچھے گا۔

چنانچہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جب یہ جملہ ارشاد فرمایا: أُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا، أَوْ مَظْلُومًا تو فوراً ایک صحابیؓ نے سوال کیا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنْصُرُهُ إِذَا كَانَ مَظْلُومًا، أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ ظَالِمًا كَيْفَ أَنْصُرُهُ؟: اے اللہ کے رسول! اگر میرا بھائی مظلوم ہے، تب تو میں اس کی مدد کروں گا لیکن اگر وہ ظالم ہے تو آپ ہی بتلایئے کہ

میں اس کی کیسے مدد کروں؟۔

یہ اسی تعلیم اور تربیت کا اثر تھا جو نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم نے ان کی فرمائی تھی اور نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم نے یہ اسی لیے ارشاد فرمایا تھا کہ حضراتِ صحابۂ کرامؓ اس کے بارے میں کچھ پوچھیں تو ان کو بتایا جائے کہ اس کا وہ مطلب نہیں ہے جو آج تک تم سمجھتے رہے۔

چنانچہ نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: **تَحْجُزُہُ، أَوْ تَمْنَعُهُ، مِنَ الظُّلْمِ فَإِنَّ ذَلِكَ نَصْرُهُ** کہ: ظالم کی مدد یہ نہیں ہے کہ تم ظلم میں اس کا ساتھ دو بلکہ اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم کرنے سے روک دو۔ یہ بھی اس کی مدد ہے، یہ ظلم کر کے اپنے پاؤں پر بھی کلہاڑا مار رہا ہے اور اپنے بھائی پر بھی زیادتی کر رہا ہے، اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم مت کرنے دو[۱]۔ دیکھیے! ایک چلتا ہوا جملہ تھا، نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم نے اس کا کیسا مفہوم دل و دماغ میں بٹھایا، یہ نبیٔ کریم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم کی تربیت کا ایک انداز تھا۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام سے پہلے آپس کے تعاون، آپس کے تناصر، آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی بنیاد صرف قبائلی، خاندانی اور نسبی تعلقات تھے۔

---

① صحیح البخاری، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب يَمِينِ الرَّجُلِ لِصَاحِبِهِ إِنَّهُ أَخُوهُ إِذَا خَافَ عَلَيْهِ الْقَتْلَ أَوْ نَحْوَهُ، رقم الحدیث: ۶۹۵۲.

صلح حدیبیہ کے موقع پر کافروں کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنا

اسی وجہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کی ڈیڑھ ہزار کی جماعت کو لے کر عمرے کے لیے تشریف لائے اور مکہ والوں نے آپ کا راستہ روکا تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے مکہ والوں کو پیغام پہنچایا کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے ہیں، ہم تو بس بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں، اس لیے ہم کو طواف اور سعی کا موقع دیا جائے، ہم اپنا کام کر کے واپس ہو جائیں گے لیکن مکہ والوں نے یہ طے کر کے رکھا تھا کہ ان کو کسی بھی حال میں اندر نہیں آنے دینا ہے، اس لیے کہ آنے دیں گے تو ہماری ناک کٹ جائے گی، لوگ ہم کو طعنہ دیں گے کہ دیکھو! مکہ والوں نے ڈر کے مارے ہار مان کر اپنے دشمن کو طواف کے لیے آنے دیا، اس لیے کچھ بھی ہو جائے، ان کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دینا ہے۔

اور اس موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت اور مصلحت بھی یہی تھی کہ لڑائی نہ ہو بلکہ صلح ہو، چنانچہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے خود ہی کہلوایا کہ ہم صلح کر لیں۔

حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ کا حضراتِ صحابہؓ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک اشکال

اس موقع پر قریش کی طرف سے حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ تعالی عنہ جو طائف کے رہنے والے اور قبیلۂ ثقیف کے سرداروں میں سے تھے اور اس وقت تک

ایمان نہیں لائے تھے اور اس موقع پر قریش کی مدد کے لیے آئے ہوئے تھے، بعد میں ایمان لائے ہیں، انھوں نے اس موقع پر مکہ والوں سے کہا کہ میں تمھارے لیے باپ کی طرح اور تم میرے لیے اولاد کی طرح نہیں ہو؟ یعنی تمھارے ساتھ میری خیر خواہی پر تمھیں کوئی شک اور شبہ تو نہیں ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ نہیں تو انھوں نے کہا کہ میں تمھاری طرف سے بات کرنے کے لیے جاؤں؟ مکہ والوں نے کہا کہ جاؤ۔

چنانچہ وہ بات کرنے کے لیے آئے، انھوں نے اس موقع پر بطور اعتراض کے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے جو سب سے بڑی بات کہی تھی، وہ یہی کہی تھی کہ آپ یہ مختلف قبیلوں کے لوگوں کو لے کر آئے ہیں،، وہ کہاں آپ کی مدد کریں گے، مصیبت کے وقت یہ سب آپ کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں گے [۱]۔

گویا ان کے ذہن میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی تھی کہ حق کی بنیاد پر بھی کسی کی مدد کی جاسکتی ہے۔

ایمان والے آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں

بہر حال! نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ایسے ماحول میں، ایسی فضا میں ایسے نظریات کے حامل لوگوں کے درمیان اسلامی معاشرے اور اسلامی سماج کی بنیاد ڈالی اور اس کی بنیاد خاندان پر نہیں، قبیلے پر نہیں بلکہ دین اسلام پر ڈالی، قرآن کہتا ہے:

---

(۱) صحیح البخاری، بَابُ الشُّرُوطِ فِي الجِهَادِ وَالمُصَالَحَةِ مَعَ أَهْلِ الحَرْبِ وَكِتَابَةِ الشُّرُوطِ، رقم الحدیث: ۲۷۳۱۔

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾[الحجرات:۱۰]: ایمان والے آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں، یہ نہیں کہ اس کا کون سی قوم سے تعلق ہے، کون سی کمیونٹی سے تعلق ہے بلکہ اہل ایمان ایک ہیں۔

مسلمان باہم ایک جسم کی طرح ہیں

حدیث پاک میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، كَمَثَلِ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى[1]، اس حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ایک جسم سے تشبیہ دیتے ہیں کہ ایک جسم کا حال یہ ہے کہ اگر اس میں کسی ایک عضو کو تکلیف ہو تو پورے جسم کو تکلیف ہوتی ہے اور اس کے ساتھ جسم کے سارے اعضاء بھی بیدار رہتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ کان کو تکلیف ہوئی تو آنکھ خوشیاں منائے کہ کان میں درد ہے تو میرے باپ کا کیا جاتا ہے، نہیں! بلکہ کان کی تکلیف کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آنکھ بھی پریشان ہے، ہاتھ بھی پریشان ہے، دل اور دماغ بھی پریشان ہے، سب کی نیند اڑی ہوئی ہے، سب بے چینی محسوس کر رہے ہیں۔

اسی طرح سبھی اہل ایمان کا آپسی تعلق ایک جسم کی طرح ہونا چاہیے کہ ایک مؤمن پر کوئی تکلیف آئی تو دوسرے مؤمن بھی اس کی اس تکلیف کی وجہ سے ایسے

---

[1] صحیح البخاری، عَنِ النُّعْمَانِ بن بشیر رضی اللہ تعالی عنہما، بَابُ رَحْمَةِ النَّاسِ وَالبَهَائِمِ، رقم الحدیث ۶۰۱۱.

بے چین اور پریشان ہوجائیں، جیسے وہ مصیبت زدہ مؤمن خود ہے، جیسے ایک عضو کو اگر تکلیف ہوجائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جو نظام لے کر آئے تھے، اس کو اس طرح عجیب وغریب مثالوں کے ذریعہ سمجھا رہے ہیں اور اسی بنیاد پر ایک دوسرے کی مدد کا حکم بھی دیا۔

تو ایک دوسرے کی مدد کی بنیاد دین اسلام اور ایمان ہے، قبیلہ اور خاندان نہیں، ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کیا حقوق ہیں، وہ سب بتائے، آپ حدیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیجیے، ذخیرۂ احادیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بہت سارے ارشادات مل جائیں گے۔

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق

مسلم شریف میں حدیث ہے: حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں: إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ، وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللهَ فَشَمِّتْهُ، وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ: جب اس سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرو، جب تمھیں دعوت دے تو اس کو قبول کرو، جب تم سے خیر خواہی کا مطالبہ کرے تو اس کے ساتھ خیر خواہی کا سلوک کرو، جب اس کو چھینک آئے اور الحمد للہ کہے تو تم اس کو ''یرحَمُكَ اللهُ'' کہو اور جب وہ بیمار ہوجائے تو اس کی بیمار پرسی کرو اور جب مر جائے تو اس کے جنازے کے پیچھے چلو[1]۔

---

[1] صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ مِنْ حَقِّ الْمُسْلِمِ لِلْمُسْلِمِ رَدُّ السَّلَامِ، رقم الحدیث: ۵۷۰۲۔

مسلمان کی غیبت سے ممانعت

صرف یہی نہیں بلکہ اور بھی بہت ساری چیزیں بیان فرمائیں، یہاں تک کہ اپنے مسلمان بھائی کی ذات میں کوئی عیب ہے تو اس کی غیر حاضری میں اس کے اس عیب کو لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے بھی منع فرمایا کہ آپ لوگوں سے یوں کہیں کہ اس میں یہ عیب ہے اور اس کا نام غیبت رکھا۔

ورنہ تو وہ بہتان ہے

غیبت میں ایک آدمی اپنے بھائی کی جو کمزوری اور عیب لوگوں کے سامنے بیان کر رہا ہوتا ہے، وہ کمزوری اس میں حقیقت میں ہوتی ہے، چنانچہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے غیبت کی ممانعت فرمائی تو آپ سے پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! جو کمزوری اس میں ہے، میں اسی کو بیان کروں تو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تبھی تو وہ غیبت ہے، اگر وہ کمزوری اس میں نہیں ہے، تب تو وہ بہتان کہلائے گا، الزام کہلائے گا[۱]۔

خیر خواہی کی بنیاد پر غیبت کی اجازت ہے

تو اگر کسی مؤمن میں کوئی عیب ہے تو اس عیب کو اس کی غیبوبت میں، اس کی

---

(۱) شعب الإيمان [الناشر: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند]: ۹/۸۶، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالى عنه، فَصْلٌ فِيمَا وَرَدَ مِنَ الْأَخْبَارِ فِي التَّشْدِيدِ عَلَى مَنِ اقْتَرَضَ مِنْ عِرْضِ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ شَيْئًا بِسَبٍّ أَوْ غَيْرِهِ، رقم الحديث: ۶۲۹۳.

غیر موجودگی میں لوگوں کے سامنے بیان کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی، ہاں! کچھ صورتیں مستثنیٰ ہیں لیکن اس میں بھی خیر خواہی پیش نظر ہونی ضروری ہے، مثلاً اس کی اس غلط عادت کی وجہ سے کسی اور کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، جیسے کوئی آدمی اپنی بیٹی کا رشتہ ایک آدمی سے کرنا چاہتا ہے اور اس آدمی میں کچھ کمزوری اور عیب ہے، باپ آپ کے پاس اس آدمی کی تحقیق کے لیے آیا کہ فلاں آدمی کے یہاں سے نکاح کا پیغام آیا ہے تو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو اگر آپ اس آدمی کے عیب کو اس لیے بیان کرتے ہیں؛ تاکہ دوسرا بھائی جو اس کے نکاح میں اپنی بیٹی دینا چاہتا ہے، اس کو نقصان نہ ہو، بعد میں پچھتاوے کی نوبت نہ آئے تو اس کی اجازت ہے تو یہاں بھی جو اجازت دی گئی ہے، وہ محض خیر خواہی کی بنیاد پر ہے۔

طعن و تشنیع کے طور پر کسی کے سامنے کسی کے عیوب بیان کرنا بھی ناجائز ہے

الغرض! کسی مؤمن میں جو عیب ہے، شریعت اس کو بھی غائبانہ بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتی اور جو عیب ہے، اس کو اس کے سامنے بھی طعن و تشنیع کے طور پر بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝﴾: ہلاکت ہو اس آدمی کے لیے جو اپنے بھائی کی غائبانہ اور اس کی موجودگی میں برائی بیان کرے، جس کو ٹونٹنگ (taunting) کہتے ہیں کہ کسی کے سامنے اس کے عیب اس طرح بیان کرنا جو اس کے دل کو ٹھیس اور تکلیف پہنچائے۔

خیر خواہی اور بھلائی کے طور پر اگر اس کو تنہائی میں کہے کہ بھائی! یہ جو حرکت آپ کرر ہے ہیں، یہ آپ کے لیے اچھی نہیں ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور ان شاء اللہ! اس کو بھی نا گوار نہیں گذرے گا لیکن جب لوگوں کے سامنے کہو گے تو نا گواری اور تکلیف ہوگی۔

شماتت کی حقیقت اور اس کی ممانعت

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ایسی حرکت نا جائز اور حرام ہے کہ جو آپ کے مسلمان بھائی کو تکلیف پہنچائے، چنانچہ ترمذی کی حدیث میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: لاَ تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لأَخِيكَ فَيَرْحَمَهُ اللهُ وَيَبْتَلِيكَ [۱]۔

ہمارا مزاج یہ ہے کہ ہماری کسی سے نہیں بنتی، دشمنی چل رہی ہے، اگر وہ حالات کا شکار ہو گیا، اس پر کوئی مصیبت آ گئی، بھلے وہ مصیبت ہم نے نہیں پہنچائی، قدرت کی طرف سے خود آئی ہے لیکن ہم دل ہی دل میں خوش ہوتے ہیں کہ اچھا ہے، مار کھا رہا ہے، یہ اسی لائق ہے۔ اس کو شماتت کہتے ہیں، کسی کی تکلیف دیکھ کر خوش ہونا، اسلام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا، ذرا اندازہ لگاؤ کہ کیسی بھلائی ہے، بھلائی کی انتہا کر دی۔

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے بھائی کی مصیبت اور تکلیف پر خوشی کا اظہار مت کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تبارک وتعالی اس کو تو اس مصیبت

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الأَسْقَعِ رضی اللہ تعالی عنہ، أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم الحدیث: ۲۵۰۶۔

سے نجات دے دیں اور تم کو اس میں مبتلا کر دیں۔

بعض بزرگ کا قول ہے کہ بہت سے لوگ کہ جن کی ذات میں کوئی عیب نہیں ہے لیکن وہ لوگوں کی مصیبتوں کو دیکھ کر خوش ہونے کی وجہ سے مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔ آج ہمارے سماج میں ایسے بہت سے لوگ ہیں، آپ جائزہ لے کر دیکھیں تو پتہ چل جائے گا کہ وہ محض اس لیے مصیبتوں کا شکار ہیں کہ وہ دوسروں کو طعن و تشنیع کرتے ہیں، عار دلاتے ہیں۔

اس وقت تک موت نہیں آئے گی

عار دلانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کسی مسلمان بھائی میں کوئی عیب ہے، اس کو وہ عیب اور کمی یاد دلا کر اس کو شرمندہ کیا جائے، خیر خواہی کے طور پر کہا جائے، وہ اور بات ہے، حدیث میں آتا ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **مَنْ عَيَّرَ أَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتَّى يَعْمَلَهُ** کہ: اگر کسی نے اپنے مسلمان بھائی کو کسی گناہ پر عار دلائی تو جب تک وہ اس گناہ میں مبتلا نہیں ہوگا، اس کو موت نہیں آئے گی[1]۔

آج ہمارے سماج میں ایک بہت بڑا طبقہ جو بہت ساری مصیبتوں کا شکار ہوتا ہے، اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے کی جو بنیاد رکھی، اس بنیاد کی نسبت سے اہل ایمان، مسلمان بھائیوں

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ تعالی عنہ، أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم الحدیث: ۲۵۰۵

کے جو آپسی حقوق بتلائے، اس کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

یہاں سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجیے کہ شریعت کی نگاہ میں ایک مسلمان کی جان، اس کا مال اور اس کی عزت و آبرو بہت زیادہ قابل احترام ہے، شریعت کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق اگر کسی کو اس نے نقصان پہنچایا، کوئی ایسی حرکت کی کہ جس سے ایک مسلمان کی جان یا مال یا عزت و آبرو پر آنچ آئے تو شریعت اس کی بالکل اجازت نہیں دیتی۔

اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں ماحول یہ تھا کہ نہ کسی کی جان محفوظ تھی، نہ کسی کا مال محفوظ تھا، نہ کسی کی عزت و آبرو محفوظ تھی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک خطاب فرمایا، اس موقع پر مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس خطاب کو سن رہی ہے، بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالی عنہ اس حدیث کے راوی ہیں کہ حجۃ الوداع میں یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا، امام بخاری نے کئی جگہ پر اس حدیث کو بیان کیا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنے اس خطبے میں بہت ساری باتیں ارشاد فرمائیں۔

پہلا سوال: یہ کون سا مہینہ ہے؟

اسی خطبے میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین سے ایک سوال کیا: أَيُّ شَهْرٍ هَذَا؟ کہ: یہ کون سا مہینہ ہے؟، راوی

کہتے ہیں کہ ہم نے یعنی صحابہ نے جواب میں عرض کیا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ کہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

جب ایسا کوئی سوال نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے کیا جاتا تھا تو حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین عام طور پر ایسا ہی جواب دیا کرتے تھے، اپنی طرف سے کوئی جواب دیتے نہیں تھے۔

راوی کہتے ہیں کہ ہمارا یہ جواب سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور اتنے خاموش ہوئے کہ ہمیں یوں لگنے لگا کہ آپ اس مہینے کا کوئی دوسرا نام تجویز کریں گے۔

لیکن پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: أَلَيْسَ ذَا الْحِجَّةِ؟ کہ: کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟، جب خود نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہی نام لے لیا تو حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین نے عرض کیا کہ جی ہاں!۔

دوسرا سوال: یہ کون سا شہر ہے؟

اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسرا سوال کیا: أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟ کہ: یہ کون سا شہر ہے؟، مکہ مکرمہ تھا، منیٰ میں یہ خطبہ ہو رہا تھا تو صحابہؓ نے اپنی عادت کے مطابق جواب میں عرض کیا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ کہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ ہمارا یہ جواب سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دیر تک خاموش ہوگئے: حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ: اور اتنے خاموش ہوئے کہ ہمیں یہ گمان ہوا کہ شاید آپ مکہ کے لیے کوئی دوسرا نام تجویز فرمائیں گے۔

لیکن پھر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے پوچھا: أَلَيْسَ الْبَلْدَةَ؟ کہ: کیا یہ "البَلْدہ" نہیں ہے؟، مکہ مکرمہ کے بہت سارے نام ہیں، ان ناموں میں سے ایک نام "البَلْدہ" بھی ہے، قرآنِ پاک میں بھی اللہ تبارک وتعالی نے اس نام کا استعمال فرمایا ہے: ﴿لَآ أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝﴾، اس میں مکہ مکرمہ کی قسم کھائی ہے۔

بہر حال! نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے پوچھا: أَلَيْسَ الْبَلْدَةَ؟ کہ: کیا یہ مکہ مکرمہ نہیں ہے؟، تو ہم نے جواب میں عرض کیا: بَلٰى: ضرور، کیوں نہیں!۔

تیسرا سوال: یہ کون سا دن ہے؟

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: فَأَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟: آج کون سا دن ہے؟، حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین جانتے تھے اور ساری دنیا جانتی ہے کہ یہ دسویں ذی الحجہ کا دن ہے اور عربی میں دسویں ذی الحجہ کو یوم النحر کہتے ہیں یعنی قربانی کا دن لیکن حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پوچھ رہے ہیں تو کوئی تو بات ہوگی، اس لیے راوی کہتے ہیں کہ ہم نے جواب میں عرض کیا: اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَعْلَمُ کہ: اللہ تعالی اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوال کے جواب میں اللّٰہُ وَرَسُولُہٗ أَعْلَمُ کہنے کی حکمت

حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے سوچا کہ آج دسویں ذی الحجہ کا دن ہے، یوم النحر ہے، یہ تو بالکل صاف اور کھلی ہوئی حقیقت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اس کے باوجود پوچھ رہے ہیں کہ آج کون سا دن ہے؟ شاید ایسا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج کے دن کو کوئی دوسرا نام دینا چاہتے ہیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سوال فرمایا ہے، اس لیے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے جواب میں یہ کہنے کے بجائے کہ آج یوم النحر ہے، یوں کہا: اللّٰہُ وَرَسُولُہٗ أَعْلَمُ کہ: اللہ تعالی اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ یہ جواب سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پھر سے تھوڑی دیر تک خاموش ہو گئے، حَتّٰی ظَنَنَّا أَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ بِغَیْرِ اسْمِہٖ: یہاں تک کہ ہمیں یہ خیال ہونے لگا کہ شاید آپ آج کے دن کے لیے- دسویں ذی الحجہ کو "یوم النحر" کہتے ہیں- کوئی دوسرا نام تجویز فرمائیں گے۔

یہاں تک کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: أَلَیْسَ یَوْمَ النَّحْرِ؟: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ تو صحابہ نے جواب میں عرض کیا: بَلٰی: ضرور، کیوں نہیں!۔

ان سوالات کی غرض

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ تین سوال کیے، دراصل نبیٔ کریم صلی

اللہ تعالی علیہ وسلم ان تین سوالات کے ذریعہ پورے مجمع کے دل ودماغ میں ایک چیز مستحضر کرنا چاہتے ہیں، وہ چیز کیا ہے؟۔

زمانۂ جاہلیت اور بدامنی کی انتہا

دیکھو! زمانۂ جاہلیت میں عرب میں جو بدامنی، لوٹ مار اور قتل وغارت گیری کا ماحول تھا، اس کے پیشِ نظر نہ کسی کی جان محفوظ تھی، نہ کسی کا مال محفوظ تھا، نہ کسی کی عزت وآبرو محفوظ تھی۔

حرمت والے مہینے

لیکن ان ساری برائیوں کے باوجود ایک بات تھی کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی جو شریعت تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو جو احکام عطا فرمائے تھے تو یہ لوگ اس دینِ ابراہیمی کے کچھ احکام کا بڑا اہتمام کرتے تھے، ان میں سے ایک یہ تھا کہ حرمت والے جو چار مہینے ہیں، ان کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے، حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے سے بلکہ جب سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس زمین اور آسمان کو پیدا کیا اور ان بارہ مہینوں کا نظام بنایا، اس وقت سے یہ چار مہینے حرمت والے قرار دیے گئے: (۱) ذوقعدہ (۲) ذوالحجہ (۳) محرم، یہ تین تو ایک ساتھ ہیں، اور (۴) رجب، یہ اشہرِ حرم کہلاتے ہیں یعنی حرمت والے مہینے۔

کفار مکہ کے یہاں حرمت والے مہینوں کا احترام

ان مہینوں کا عربوں کے یہاں اتنا زیادہ لحاظ کیا جاتا تھا کہ ان مہینوں میں وہ

کسی پر ہاتھ نہیں ڈالتے تھے، اگر ان کو ان مہینوں میں کوئی دشمن بھی مل جاتا، دنیا کے کسی بھی کونے میں مل جاتا تو وہ نہ ان کے مال پر ہاتھ ڈالتے تھے، نہ ان کی جان پر حملہ کرتے تھے اور نہ اس کی عزت و آبرو پر کوئی وار کرتے تھے، یہاں تک کہ اگر ان کو ان کے باپ کا قاتل بھی ان مہینوں میں مل جاتا تو اس کو بھی وہ ہاتھ نہیں لگاتے تھے کہ یہ حرمت والے مہینے ہیں، ابھی اس کو کچھ نہیں کرنا ہے، بعد میں دیکھی جائے گی، ان کے نزدیک ان حرمت والے مہینوں کا اتنا زیادہ احترام پایا جاتا تھا۔

مذکورہ مہینوں کو حرمت والے بنانے کی حکمت

کیوں کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے ذریعہ کعبۃ اللہ کی تعمیر ہوئی اور کعبۃ اللہ بن جانے کے بعد یہ حکم ہوا کہ اس کا حج کرو اور اس کا عمرہ بھی ہونا چاہیے، حج کے لیے تو وقت طے کردیا اور وہ ذوالحجہ کا مہینہ ہے اور اس کے لیے لوگ دور دور سے سفر کر کے آتے تھے اور اس زمانے میں دورِ حاضر کی طرح تیز رفتار سواریوں کی سہولتیں تو تھیں نہیں کہ پانچ گھنٹے میں ممبئی سے جدّہ پہنچ جائیں، اتنی مسافت طے کرنے میں ۱۵، ۲۰/دن، مہینہ لگ جاتا تھا تو حج کے لیے آنے میں بھی مہینہ دیڑھ مہینہ درکار ہوتا تھا اور حج سے فارغ ہونے کے بعد جانے میں بھی مہینہ دیڑھ مہینہ درکار ہوتا تھا، اس لیے تین مہینے مسلسل رکھے: (۱) ذوقعدہ (۲) ذوالحجہ (۳) محرم، ذوقعدہ اس لیے تاکہ لوگ اطمینان سے آسکیں اور بعد میں محرم اس لیے رکھا کہ اطمینان سے جاسکیں اور کسی کی جان اور مال کو خطرہ لاحق نہ ہو اور عام طور پر رجب کے مہینے میں وہ لوگ عمرے کا سفر کرتے

تھے، اس کے لیے رجب کو حرمت والا بنایا گیا۔ حرمت والے مہینوں کی یہ حکمتیں علمائے کرام نے لکھی ہیں[1]۔

حرم کی حقیقت

یہی حال حرم کا تھا، حرم مکہ مکرمہ کے آس پاس چاروں طرف ایک مخصوص علاقہ اور ایریا ہے، کچھ حدیں مقرر کی گئی ہیں، اللہ تبارک وتعالی نے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے ذریعہ اس کی حدود کو متعین کروائیں۔

موجودہ زمانے میں حرم اور غیر حرم کے درمیان فرق کی علامت

آپ جب حج یا عمرہ کے لیے وہاں جاتے ہیں اور جدہ سے مکہ مکرمہ کے لیے نکلتے ہیں تو جہاں سے حرم کی حدود شروع ہوتی ہیں، وہاں باقاعدہ نشانات لگے ہوئے ہیں، راستے میں محراب نما کمان آتی ہے، جیسے رحل کے اوپر قرآن رکھا ہو، اس کے اندر داخل ہوئے تو حرم آ گیا، یہ حرم کا علاقہ ہے۔

ایک تو حرم مسجد حرام کو کہتے ہیں اور مسجد حرام کے علاوہ ایک بہت بڑا رقبہ اور علاقہ ہے، اس میں مکہ مکرمہ تو داخل ہی ہے، مکہ مکرمہ کے علاوہ اس کے باہر کا علاقہ بھی حرم میں ہے، منٰی اور مزدلفہ دونوں حرم میں ہیں اور عرفات حرم میں نہیں ہے تو مختلف جہتوں اور مختلف سمتوں میں حرم کا یہ علاقہ کہیں دور اور کہیں قریب ہے، سب سے قریب تنعیم کا

---

[1] تفسیر ابن کثیر [الناشر: دار الكتب العلمية، منشورات محمد علي بيضون - بيروت]: ۱۳۰/۴، فی تفسیر قولہ تعالی: "إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللّٰهِ" [التوبة: ۳٦]

علاقہ ہے جہاں مسجد عائشہؓ بنی ہے، عام طور پر لوگ عمرہ کے لیے نکل کر وہیں جاتے ہیں؛ کیوں کہ وہ حرم سے باہر ہے، گویا مکہ مکرمہ کے آس پاس ایک ایریا ریزرو کردیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام ہی نے مقرر کیا تھا، وہ حرم کہلاتا ہے۔ ورنہ ہم لوگ مسجد حرام کو بھی حرم کہہ دیتے ہیں، وہ مراد نہیں ہے۔

حرمِ مکی اور کفار کے دلوں میں اس کی حرمت

اس حرم میں کفارِ مکہ کسی کو چھیڑتے نہیں تھے، حرم میں اگر انھیں اپنے باپ کا قاتل بھی مل جاتا تھا، کسی بھی مہینے میں، کسی بھی دن میں، کسی بھی وقت میں تو اس کو کچھ کرتے نہیں تھے، کسی کی جان، مال عزت اور آبرو پر ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔

مشرکین مکہ کے نزدیک یوم نحر کی عظمت اور حرمت

اسی طرح یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کے دن کا بھی بڑا احترام کرتے تھے، اس دن میں بھی وہ کسی کی جان، مال عزت اور آبرو پر ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔

یہ تین حرمتیں ان کے یہاں ایسی تھیں جو ان کے یہاں زمانۂ قدیم سے چلی آ رہی تھیں، ہر آدمی کیسا ہی کیوں نہ ہو، اس کا احترام کرتا تھا، وہ ان تینوں مواقع پر کسی کی ذات اور جان پر ہاتھ ڈالنا، کسی کے مال کو چھین لینا، کسی کی عزت اور آبرو کو چھین لینا بہت بڑا جرم سمجھتے تھے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یہ تین سوالات کر کے اس وقت آپ کے سامنے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کا جو مجمع تھا، ان کے دل ودماغ

میں اس تصور کو تازہ اور مستحضر فرمانا چاہتے تھے، کیوں کہ یہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں بھی ان تینوں حرمتوں کا بڑا پاس ولحاظ کرتے تھے تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے یہ فرمارہے ہیں کہ تمھیں یاد ہے نا کہ تم یوم النحر کا کتنا احترام کرتے تھے کہ اس دن میں کسی کی جان ومال کو ہاتھ لگایا نہیں کرتے تھے۔

قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے دوسرے لوگوں کے بارے میں ایک اصول

اس کے بعد نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے قیامت تک کے لیے ایک اصول ارشاد فرمایا: فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ کہ: تمھاری جانیں، تمھارے اموال اور تمھاری عزت اور آبرو ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے، جیسے اس دن میں، اس مہینے میں، اس شہر میں [1]۔

یعنی تین تین حرمتیں جمع ہو گئیں اور تم تو ایک ایک حرمت کا اتنا لحاظ کرتے ہو تو یہ تینوں حرمتیں اگر جمع ہو جائیں تو تم کتنا زیادہ لحاظ کرو گے؟ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال دے کر امت کے دل ودماغ میں یہ بٹھانا چاہا کہ ہر مسلمان کی جان،

---

[1] صحیح البخاری، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »رُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ«، رقم الحدیث: ٦٧.

مال اور عزت وآبرو کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کتنی قدروقیمت ہے، کتنی حرمت ہے، کتنی عزت ہے تو کتنی حفاظت کرنی چاہیے، اس لیے جان لو کہ قیامت تک کے لیے ہر مسلمان کی جان، مال اور عزت وآبرو حرام ہے، کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کی جان پر ہاتھ ڈالے، کسی کو ضرر اور نقصان کی غرض سے اس کی طرف ایک انگلی بھی بڑھائے، کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کی ایک پائی بھی ناحق طریقے سے لے لے، کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کی عزت وآبرو کو مجروح کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام امت کے نام

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس حدیث اور فرمان کے ذریعہ دنیا کے ہر مؤمن اور ہر مسلمان کے لیے یہ تین حقوق بیان فرمائے، دنیا کا کوئی بھی مسلمان ہو، چاہے وہ مکہ مکرمہ میں نہیں ہے، یہاں مانگرول میں ہے، چاہے وہ حرمت والا مہینہ نہ ہو، کوئی اور مہینہ ہو، حرمت والا دن نہ ہو، کوئی اور دن ہو تو بھی ہمارے لیے اس کی ان تین چیزوں کا احترام ضروری ہے، کوئی ایسی حرکت جس سے اس کے جسم کو تکلیف پہنچتی ہو، اس کی اجازت نہیں ہے، جان پر ہاتھ ڈالنے کا مطلب اس کو جان سے مارنا نہیں ہے بلکہ اس کو طمانچہ مارنا، کسی اور طریقے سے اس کو ذرا سی تکلیف پہنچانا ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

اسی طرح کسی کے مال کو ناحق طریقے سے لینے کی اجازت نہیں ہے، شریعت نے جہاں اجازت دی ہو، وہاں اس کے مال کو لینے کی اجازت ہے لیکن جہاں اس کا

مال لینے کی اجازت نہیں، وہاں اس کی ایک پائی کو لینا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح اس کی عزت وآبرو کا احترام بھی ضروری ہے، کوئی ایسی حرکت کرنا جس سے اس کی عزت وآبرو پر آنچ آتی ہو، جیسے اس پر کوئی تہمت لگائی کہ تم بدمعاش ہو، آپ نے یہ کہہ کر کے اس کی عزت کو مجروح کیا، زخمی کیا، آپ نے اس کی عزت لینے کی کوشش کی، یہ بہت بڑا اور خطرناک گناہ ہے۔

مؤمن کی حرمت کعبہ کی حرمت سے بڑھ کر ہے

ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہما کی روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کعبۃ اللہ کا طواف کررہے ہیں اور طواف کے دوران کعبہ کو خطاب کر کے، اس کو اپنا مخاطب بنا کر فرمارہے ہیں: **مَا أَطْيَبُكِ وَأَطْيَبُ رِيحَكِ، مَا أَعْظَمُكِ وَأَعْظَمُ حُرْمَتَكِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ حُرْمَةً مِنْكِ مَالِهِ وَدَمِهِ وَأَنْ نَظُنَّ بِهِ إِلاَّ خَيْرًا.:** اے کعبہ! تو کیسا پاکیزہ ہے اور کیسی پاکیزہ ہے تیری خوشبو اور تو کیسا عظمت والا ہے اور کیسا عظمت والا ہے تیرا درجہ، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے کہ ایک مؤمن کی عظمت اور بڑائی اور حرمت اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں تجھ سے بڑھ کر ہے، اس کی جان کی بھی، اس کے مال کی بھی اور اس کی عزت اور آبرو کی بھی[1]۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، باب حرمة دم المؤمن وماله، رقم الحديث: ۳۹۳۲۔

دورِ حاضر اور مؤمن کی عزت کی نیلامی

یہ ہے ایک مؤمن کی جان، مال اور عزت و آبرو کا مقام اور درجہ، ایک مؤمن کی حرمت وعظمت کا ایسا پاس ولحاظ ہونا چاہیے لیکن آج کیا ہو گیا؟ آج معمولی معمولی باتوں پر مؤمنوں کی عزتوں کی بازاروں میں نیلامی ہوتی ہے اور وہ بھی جھوٹی باتوں پر، لوگوں کے مالوں کو چھیڑا جاتا ہے، جانوں کو چھیڑا جاتا ہے، جس کے لیے نبیؐ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اتنی زیادہ تاکید فرمائی۔

اسی حرمت کی بنا پر شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ کوئی آدمی کسی آدمی کے ساتھ زیادتی کرے۔

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے

یہ حدیث جو میں نے پڑھی: **اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ**: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، **لَا یَظْلِمُہُ وَلَا یَخْذُلُہُ، وَلَا یَحْقِرُہُ** کہ: جب وہ بھائی ہے تو وہ اس کی نہ حق تلفی کرے گا، نہ اس کی جان کو چھیڑے گا، نہ طمانچہ مارے گا، نہ آنکھیں نکالے گا، نہ گالی دے گا،، نہ اس کے مال پر ہاتھ ڈالے گا، نہ اس کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ کرے گا۔

وَلَا یَخْذُلُہُ: اور نہ اس کو بے یار ومددگار چھوڑتا ہے، خود تو ظلم کرنا درکنار، کوئی دوسرا آدمی تمھارے مؤمن اور مسلمان بھائی پر ظلم کر رہا ہے اور آپ وہاں موجود ہیں اور اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو آپ اس کو برداشت نہیں کریں گے۔

تکلیف دور کرنے کی قوت ہوتے ہوئے کسی مسلمان کو بے یار و مددگار چھوڑنا جائز نہیں ہے

ایک مسلمان ہمارے سامنے تکلیف میں مبتلا ہے، کوئی اس پر ظلم و زیادتی کر رہا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو طاقت اور قوت دی ہے، آپ اس مصیبت میں اس کی مدد کر سکتے ہیں تو آپ کے لیے اس کو یوں ہی بے یار و مددگار چھوڑنا جائز نہیں ہے، اس کی مدد آپ کے ذمہ ضروری ہے، شریعت آپ پر اس کی مدد کو فرض اور واجب قرار دیتی ہے، اس کو بے یار و مددگار مت چھوڑو، اگر آپ یہاں اس کی مدد نہیں کریں گے تو کل قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا۔

تو قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے

اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ اگر کسی مجلس میں کسی مسلمان کی برائی ہو رہی ہو اور دوسرے لوگ بیٹھ کر اس کو سن رہے ہیں، سننے والوں میں ایک آدمی ایسا بھی ہے جو جانتا ہے کہ یہ برائی اس میں نہیں ہے تو نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کہے کہ تو جو بات کہہ رہا ہے، وہ غلط ہے، یہ برائی اس میں نہیں ہے، اگر نہیں کہے گا تو قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے، جب اس کو مدد کی ضرورت ہوگی۔

ہم سب اپنے لیے قبر کھود رہے ہیں

آج کیا ہو رہا ہے؟ کون ہے جو اپنے مسلمان بھائی کی طرف داری کرتا ہو، اس کا سپورٹ کرتا ہو، ہماری مجلسوں میں ایسا ہوتا ہے، لوگ جانتے ہیں کہ یہ غلط ہے، تو بھی ہم اس کی تردید کرنے کی ہمت وجرأت اور تکلیف گوارا نہیں کرتے، حالاں کہ بعض اوقات تو ایسا کرنے والے ہمارے چھوٹے ہوتے ہیں، ہم ان کو آسانی سے روک سکتے ہیں لیکن نہیں روکتے، مزید براں اس پر ہنستے رہتے ہیں، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی، اس طرح تو ہم سب اپنے لیے قبر کھود رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی مدد کو اپنے سے دور کر رہے ہیں۔

تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ**: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، **لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ** کہ: وہ خود بھی اس پر ظلم نہیں کرتا، **وَلَا يَخْذُلُهُ**: جب کوئی دوسرا اس پر زیادتی کرے تو اس کو بے یار ومددگار نہیں چھوڑتا، اس کی مدد کر کے اس کی حفاظت کرتا ہے۔

کسی کو حقیر سمجھنے کی ممانعت

وَلَا يَحْقِرُهُ: اور اس کو حقیر بھی نہیں سمجھتا، حقارت سے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

دیکھو! یہاں مارنے کی بات نہیں ہے، خالی دل میں اس کو حقیر اور ہلکا سمجھنا اور اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا اور اچھا سمجھنا، شریعت اس کی بھی اجازت نہیں

دیتی، کوئی مسلمان کیسا ہی گیا گذرا ہو۔

دنیوی اعتبار سے کمتر کو حقیر سمجھنا

اور گیا گذرا دو حیثیت سے ہوتا ہے، دنیوی حیثیت سے کہ اس کے پاس مال و دولت نہیں ہے، بے چارہ ''مفلس'' آدمی ہے، پہننے کے لیے ڈھنگ کا لباس بھی نہیں ہے، پھٹے پرانے کپڑے ہیں، دولت کے اعتبار سے بالکل خالی ہے، بے سروسامان ہے، جب کوئی آدمی ایسی حالت میں ہوتا ہے تو دیکھنے والے اس کی اس حالت کی وجہ سے اس کو حقیر اور معمولی سمجھتے ہیں اور خود کو اس کے مقابلے میں بڑا اور اچھا سمجھتے ہیں، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

کوئی آدمی شکل وصورت کے اعتبار سے معمولی ہوتا ہے، آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حسن دیا ہے، آپ حسین وجمیل ہیں، ہینڈسم ہیں اور آپ کا ایک بھائی اتنا حسین نہیں ہے، کالا کلوٹا ہے، بدصورت ہے تو بہت سے لوگ محض اس کی بدصورتی کی وجہ سے اس کو حقیر اور معمولی سمجھتے ہیں، شریعت اس کی بھی اجازت نہیں دیتی۔

دینی اعتبار سے کمتر کو حقیر سمجھنا

آپ ماشاءاللہ! دین دار ہیں، نمازی ہیں، پہلی صف میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور ایک دوسرا مسلمان بھائی ہے جو نماز ہی نہیں پڑھتا، ایسا ہی پڑا رہتا ہے، اس کا یہ فعل اپنی جگہ پر غلط ہے لیکن آپ اس کو سمجھا بھی سکتے ہیں کہ بھائی! مسلمان ہو، نماز پڑھو۔ اس طرح نصیحت کر سکتے ہیں لیکن اس بنیاد پر آپ اس کو

حقیر سمجھیں کہ یہ نماز نہیں پڑھتا، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

ایک مسلمان ہے جو شراب کا عادی ہے اور شراب پینا حرام ہے تو شریعت کے اعتبار سے ایک حرام چیز کا وہ مرتکب ہے، اس لیے اس کو اس سے روکیں گے، اس کے عمل کو برا سمجھیں گے لیکن اس کی وجہ سے اس کو حقیر سمجھنے کی اجازت نہیں ہے۔

بدعملی بھی ایک طرح کی بیماری ہے

یہ ایسا ہے، جیسے ایک آدمی کو کینسر کا مرض ہو گیا، ٹی بی ہو گئی اور ٹی بی اس حد تک پہنچ گئی کہ اس کے بدن سے بدبو آتی ہے، اب اس بدبو کی وجہ سے ہم اس بیماری کو تو برا سمجھتے ہیں لیکن کیا ہم اس آدمی کو برا سمجھتے ہیں؟ نہیں سمجھتے۔

یہی حال عملی خرابی کا بھی ہے کہ وہ جو برا عمل کر رہا ہے، اس کو تو برا سمجھیں گے لیکن اس کی وجہ سے اس مسلمان کو ہی برا سمجھنا کسی بھی طرح درست نہیں، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو نماز کی توفیق دی ہے تو اس کی بنیاد پر آپ یہ سمجھیں کہ میں اچھا ہوں! ارے! یہ تو اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے، اگر وہ چھین لے گا تو کہاں مارے مارے پھرو گے، پتہ بھی نہیں چلے گا۔ میں حدیث کی بنیاد پر کچھ واقعات بیان کرتا ہوں:

شراب پہلے حلال تھی، سب پیتے تھے، بعد میں حرام ہوئی ہے، اہل علم اس کو جانتے ہیں، غزوۂ احد کے موقع پر بھی حلال تھی اور مسلمان شراب پی کر لڑنے کے لیے گئے تھے اور اسی حالت میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے لیکن چوں کہ اس وقت حلال

تھی، اس لیے گناہ کا کوئی سوال ہی نہیں، بعد میں حرام ہوگئی۔

حرمتِ خمر کا اعلان اور احکامِ شریعت پر عمل پیرا ہونے کا صحابہؓ کا عجیب جذبہ

حرام ہونے کے بعد یہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللّٰہ تعالی علیہم أجمعین ہی کا دل گردہ تھا کہ انھوں نے شراب یکلخت چھوڑ دی، جیسے ہی اعلان ہوا کہ شراب حرام ہے تو روایتوں میں آتا ہے کہ بعض لوگوں کے ہاتھ میں گلاس ہے اور یہ اعلان سنا تو گلاس نیچے پھینک دیا، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ بعضوں کے منہ میں جو گھونٹ تھا، اس کو حلق سے نیچے نہیں اتارا، باہر نکال دیا[۱] اور جن مٹکوں میں شراب تھی، وہ مٹکے توڑ دیے گئے۔ بخاری شریف میں روایت موجود ہے کہ حضرت انس رضی اللّٰہ تعالی عنہ کے سوتیلے ابّا حضرت ابوطلحہ رضی اللّٰہ تعالی عنہ نے اپنے گھر میں اپنے دوستوں کو دعوت دی تھی اور شراب پی رہے تھے، خود حضرت انس رضی اللّٰہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے سوتیلے ابّا حضرت ابوطلحہ رضی اللّٰہ تعالی عنہ کے گھر میں فلاں فلاں صحابہ کو شراب پلا رہا تھا، اتنے میں باہر سے اعلان کی آواز آئی، حضرت ابوطلحہ رضی اللّٰہ تعالی عنہ نے حضرت انس رضی اللّٰہ تعالی عنہ سے کہا کہ دیکھو! کس چیز کی آواز ہے، کیا اعلان ہو رہا ہے؟۔ گھر میں اس طرح کا اعلان عام طور پر سنائی نہیں دیتا تو آدمی اس کو سننے کے لیے باہر نکلتا

---

(۱) تفسیر ابن کثیر [الناشر: دار الكتب العلمية، منشورات محمد علي بيضون - بيروت]: ۱۶۷/۳، في تفسير قوله تعالى: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ الآية" [المائدة: ۹۰].

ہے، گیلری میں یا دروازے سے باہر نکل کر سنتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ انھوں نے مجھے کہا کہ جاؤ! ذرا باہر جا کر دیکھو، سنو۔ فرماتے ہیں کہ میں نے باہر جا کر سنا اور پھر اندر آ کر بتایا کہ شراب حرام کردی گئی تو اسی وقت شراب کے سبھی مٹکے توڑ دیے[۱]۔

کہتے ہیں کہ مدینے میں اس دن اس کثرت سے شراب بہی ہے جیسے تیز بارش کے زمانے میں ساری نالیاں پانی سے بھر کر بہنے لگتی ہیں اور مدتوں تک ایسا ہوا کہ بارش ہوتی تھی تو اس کے پانی میں شراب کا رنگ اور اس کی بدبو ظاہر ہوتی تھی۔ یہ قربانی دینے والے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین تھے، ان کے دلوں میں اسلامی احکام پر عمل کا ایسا جذبہ تھا، سبھی حضرات نے شراب گھر سے باہر نکال کر پھینک دی، بہت سے لوگوں کے پاس تجارتی شراب تھی، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان سے بھی فرمایا کہ بھائی تمھارے گوڈاؤن میں جتنا بھی شراب والا مال ہے، لا کر جمع کراؤ، چنانچہ سب نے لا کر جمع کر دیا[۲]۔

ایک صحابیؓ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظرافت

شراب کی حرمت نازل ہونے کے بعد ایک صحابی کا واقعہ پیش آیا، بخاری

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، بَابُ قَوْلِهِ {إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنْصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ}، رقم الحديث: ۴۶۱۷.

(۲) تفسیر ابن کثیر [الناشر: دار الكتب العلمية، منشورات محمد علي بيضون - بيروت]: ۱۶۶/۳، في تفسير قوله تعالى: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ الآية" [المائدة: ۹۰].

شریف میں روایت موجود ہے، ایک صحابی -رضی اللہ تعالی عنه- تھے عبداللہ، ان کا لقب ''الحِمار'' تھا، ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے، ان کے اندر ظرافت تھی، کبھی کوئی تجارتی قافلہ آیا اور ان کے پاس سے شہد یا کوئی اچھی چیز گھی وغیرہ خریدی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر ہدیہ کے طور پر پیش کیا، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے وہ ہدیہ قبول فرمالیا، بعد میں جب وہ تاجر قیمت کا مطالبہ کرتے تو یہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر آتے اور کہتے کہ اے اللہ کے رسول! وہ شہد جو میں نے آپ کو پیش کیا تھا، اس کی قیمت ان کو دے دیجیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ وہ تو تم ہدیہ کے طور پر لائے تھے تو وہ کہتے کہ اے اللہ کے رسول! جب وہ شہد بکتے ہوئے میں نے دیکھا تو چوں کہ مجھے آپ کے ساتھ محبت ہے، اس لیے میرے جی میں آیا کہ آپ اس کو تناول فرماویں، میرے پاس قیمت تو تھی نہیں، اس لیے میں نے ادھار خرید لیا اور آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، اب آپ ہی قیمت ادا کر دیجیے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا کر قیمت ادا کر دیا کرتے تھے(۱)۔ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ساتھ ان کا ایسا تعلق تھا۔

بعض روایتوں میں یہ نُعیمان کے بارے میں آتا ہے اور بعض نے ابن نُعیمان

---

(۱) فتح الباری، ج ۱۲ ص ۷۷، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج ۴ ص ۱۴۸، عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما، باب ثواب الهدیة والثناء والمکافأة، رقم الحدیث: ۶۷۷۱۔

بتایا ہے①بعض کہتے ہیں کہ نعیمان اور یہ دونوں ایک ہیں②۔

شراب کے نشے میں مست صحابی پر لعنت کرنے والے ایک صحابیؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنبیہ

شراب کی حرمت نازل ہونے کے بعد ان سے کوتاہی ہوئی کہ شراب پی لی، شراب حرام ہونے کے بعد شریعت نے کوڑوں کی شکل میں شراب پینے کی جو سزا مقرر کی تھی، وہ لائے گئے تو وہ سزا ان پر جاری بھی کی گئی، لوگوں کو کہا کہ مارو تو کوڑوں کے بجائے لوگوں کے پاس جو کچھ تھا، اس سے مارا، کسی کے پاس ڈنڈا تھا تو اس سے مارا، کسی نے چادر سے مارا۔

---

① بخاری شریف میں نشے کی حالت میں لائے جانے والے صحابی کا یہی نام تردید کے ساتھ مذکور ہے: عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الحَارِثِ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِنُعَيْمَانَ، أَوْ بِابْنِ نُعَيْمَانَ، وَهُوَ سَكْرَانُ، فَشَقَّ عَلَيْهِ، وَأَمَرَ مَنْ فِي البَيْتِ أَنْ يَضْرِبُوهُ، فَضَرَبُوهُ بِالجَرِيدِ وَالنِّعَالِ، وَكُنْتُ فِيمَنْ ضَرَبَهُ.(بَابُ الضَّرْبِ بِالْجَرِيدِ وَالنِّعَالِ، رقم الحديث: ۶۷۷۵.)

② علامہ ابن الاثیرؒ نے اسد الغابہ میں دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے، چنانچہ نعیمان بن عمرو کے ترجمے کے تحت فرماتے ہیں: وأخباره فِي مزاحه مشهورة، وَكَانَ يشرب الخمر، فكان يؤتى بِهِ النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فيضربه بنعله، ويأمر أصحابه فيضربونه بنعالهم، ويحثون عَلَيْهِ التراب، فلما كثر ذَلِكَ مِنْه قَالَ لَهُ رجل من أصحاب النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لعنك الله، فقال النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لا تفعل، فإنه يحب الله ورسوله .(ج۵ ص۳۳۱)

دو تین مرتبہ ایسا ہوا کہ اس جرم میں ان کو پکڑ کر لایا گیا اور ان پر سزا جاری کی گئی، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے کہ جب تیسری مرتبہ لائے گئے تو مجلس میں سے ایک صحابیؓ کی زبان سے یہ جملہ نکلا: اَللّٰهُمَّ الْعَنْهُ، مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتَى بِهِ؟ کہ: اے اللہ! اس پر لعنت فرما، کتنی مرتبہ ان کو شراب پینے کے جرم میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پاس لایا جارہا ہے؟۔

جب نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ سنا تو فوراً سختی کے ساتھ ارشاد فرمایا: لَا تَلْعَنُوهُ، فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ أَنَّهُ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ: اس پر لعنت مت بھیجو، جہاں تک میں جانتا ہوں، یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے[1]، تمھیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کے لیے اس طرح کے جملے استعمال کرو۔

کسی کے ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ مت کیجیے

میں تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دیکھئے! یہ دینی بدحالی ہے، شراب پینے کے جرم میں گرفتار کر کے لائے جا رہے ہیں، اس پر ایک آدمی کی زبان سے لعنت کا یہ جملہ نکلا تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فوراً تنبیہ فرمائی کہ ایسا مت کہو۔ اس لیے کسی کے دل کا کیا حال ہے، وہ ہم نہیں جانتے، ہم تو ظاہر کو دیکھ رہے ہیں، اس کے پھٹے پرانے کپڑوں کے دیکھ رہے ہیں، اس کی کالی کلوٹی شکل وصورت کو دیکھ رہے ہیں اور اس کو برا

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ لَعْنِ شَارِبِ الْخَمْرِ، وَإِنَّهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنَ الْمِلَّةِ، رقم الحديث: ۶۷۸۰۔

سمجھ کر اس کے مطابق فیصلہ کر رہے ہیں۔

اوروں کو حقیر سمجھنے کے عبرت ناک انجام پر دلالت کرنے والا ایک سبق آموز واقعہ

طبقات ابن سعد میں واقعہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں جب سورج غروب ہوا، جنھوں نے حج کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ سورج غروب ہونے کے بعد عرفات سے روانگی ہوتی ہے اور وہاں سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہونا پڑتا ہے تو سورج غروب ہو گیا، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اپنے اونٹ پر سوار روانگی کے لیے تیار کھڑے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ کسی کا انتظار فرما رہے ہیں، جانے کا وقت ہو گیا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانے کے لیے تیار نظر نہیں آتے، اس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پاس یمن کے اونچے گھرانے، شاہی گھرانے کے کچھ لوگ موجود تھے، وہ سوچنے لگے کہ ایسا لگ رہا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کسی کا انتظار کر رہے ہیں، دیکھیں تو سہی کہ کس کا انتظار کر رہے ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت

اتنے میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہما جو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بہت لاڈلے تھے، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بیٹے ہیں جو حضور کے آزاد کردہ غلام تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے لاڈلے تھے تو ان کے صاحب زادے حضرت اسامہ رضی اللہ

تعالی عنہ بھی حضور کے بڑے لاڈلے تھے، "حِبُّ الرسول" ان کا لقب تھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لاڈلے، چہیتے اور عام طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری پر ان ہی کو اپنے پیچھے بٹھاتے تھے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہما کے والد ماجد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ بڑے گورے چٹے تھے، چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالی عنہ کا نکاح حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالی عنہا سے کرایا تھا اور حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالی عنہا سیاہ فام تھیں تو بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالی عنہ ماں کی طرح سیاہ فام پیدا ہوئے۔

الغرض! حجۃ الوداع کے موقع پر جب عرفات سے مزدلفہ کی طرف چلنے کا وقت آیا تو لوگوں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتظار کررہے ہیں۔ اس وقت حضرت اسامہ رضی اللہ تعالی عنہ قضائے حاجت کے لیے گئے تھے، وہ فارغ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، یہ یمن کے شاہی گھرانے کے لوگ ان کو پہچانتے نہیں تھے، بہر حال! جب وہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے پیچھے بٹھایا اور روانہ ہو گئے۔

اہلِ یمن کے فتنۂ ارتداد میں مبتلا ہونے کی وجہ

اب جیسا کہ بتایا کہ حضرت اسامہؓ بالکل سیاہ فام یعنی سانولے رنگ کے تھے، چھریرے بدن کے تھے، ناک چپٹی، چہرہ بھی کوئی حسین نہیں تھا، دیکھنے میں کچھ حسین نہیں تھے، ان کو دیکھ کر یمن کے شاہی گھرانے کے لوگ آپس میں کہنے لگے کہ اچھا! ایک نوجوان چھوکرا، سیاہ فام، چپٹی ناک والا، گھنگھریالے بالوں والا، ان کی وجہ

سے ہم کور کنا پڑا!، ان کے دل میں تحقیر آئی۔

اس واقعے کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہما سے صاحبِ طبقات امام محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد صاحبِ طبقات نے حضرت عروہ بن زبیرؓ کا جملہ نقل کیا ہے:

فَلِذَلِكَ كَفَرَ أَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ أَجْلِ ذَا: اہل یمن اپنے اسی جملے کی وجہ سے کفر وارتداد کی آزمائش میں مبتلا ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد پھیلا، بہت سے لوگ مرتد ہو گئے، تو فرماتے ہیں کہ یمن کے یہ قبیلے جو ارتداد میں مبتلا ہوئے، ان کے اس جملے کی وجہ سے مبتلا ہوئے۔ (یعنی انھوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالی عنہما کو دیکھ کر جب کہا تھا: ''اچھا! ان کی وجہ سے ہم کور کنا پڑا'' اس جملے کی نحوست کی وجہ سے ان کو ارتداد کے فتنے میں مبتلا ہونے کی نوبت آئی۔)

صاحبِ طبقات کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہما کا یہ جملہ اپنے استاذ یزید بن ہارون- جو بہت بڑے محدث ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بھی استاذ ہیں- کے سامنے بیان کیا اور حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہما کے اس جملے کا مطلب پوچھا تو انھوں نے اس کا یہی مطلب مجھ سے بیان فرمایا، معلوم ہوا کہ کسی کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے انسان کو ایسے فتنوں میں بھی مبتلا ہونا پڑتا ہے[1]۔

---

(۱) الطبقات الکبری لابن سعد علیہ الرحمہ ج ۴ ص ۶۳، أُسَامَةُ الْحِبُّ بْنُ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ.

انھوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالی عنہ کو ظاہری شکل وصورت کی وجہ سے حقیر سمجھا تھا اور شراب پینے کے واقعے میں ان صحابیؓ کو ایک حرام کام شراب نوشی کی وجہ سے یعنی دین کی بنیاد پر حقیر سمجھا تھا اور اس پر یہ وبال پیش آیا۔

دنیوی اعتبار سے حقیر آدمی کو حقیر سمجھنے کی مذمت

اب اس کی بھی مثال دے دوں کہ مال ودولت اور غربت کی وجہ سے حقیر سمجھنے کا کیا وبال ہے، بخاری شریف میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے: ایک مرتبہ نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کے درمیان تشریف فرما ہیں کہ ایک بڑا آدمی جو معاشرے اور سوسائٹی میں بڑا باوقعت اور مرتبے والا سمجھا جاتا تھا، وہ نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مجلس کے پاس سے گذرا تو نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے حضراتِ صحابہؓ سے پوچھا: **مَا تَقُولُونَ فِي هَذَا؟**: اس آدمی کے سلسلے میں تم کیا کہتے ہو؟ یہ کیسا آدمی ہے؟۔

چوں کہ بڑے آدمی تھے، اس لیے جواب میں حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین نے عرض کیا: **حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ يُنْكَحَ، وَإِنْ شَفَعَ أَنْ يُشَفَّعَ، وَإِنْ قَالَ أَنْ يُسْتَمَعَ**: اے اللہ کے رسول! یہ بہت بڑا آدمی ہے، اگر کسی کے گھر پیغامِ نکاح بھیج دے تو وہ اس کے پیغام کو رد نہیں کر سکتے، اس کا نکاح وہاں ہو جائے گا، اگر کسی کی سفارش کر دے تو اس کی سفارش رد نہیں کی جائے گی، سب قبول کر کے اس کے مطابق عمل کریں گے اور ایسا بڑا آدمی ہے کہ اگر کوئی بات کہے تو لوگ کان دھر کے بہت

غور سے سنیں گے، بے توجہی نہیں برتیں گے اور کہیں گے کہ حضور! فرمائیے! کیا ہے؟۔ بڑا آدمی جب بات کرتا ہے تو پاس بیٹھنے والے اپنے کان اس کے منہ کے پاس لے جاتے ہیں۔

اس کے بعد راوی کہتے ہیں کہ کچھ دیر خاموشی چھائی رہی: **فَمَرَّ رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِينَ**: اس کے بعد ایک اور آدمی گذرا جو بے چارہ غریب مسلمان تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین سے دریافت فرمایا: **مَا تَقُولُونَ فِي هَذَا؟** کہ: اس آدمی کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟۔

تو جواب میں حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین نے عرض کیا:

حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ لاَ يُنْكَحَ، وَإِنْ شَفَعَ أَنْ لاَ يُشَفَّعَ، وَإِنْ قَالَ أَنْ لاَ يُسْتَمَعَ: اے اللہ کے رسول! یہ ایسا آدمی ہے کہ اگر کہیں پیغامِ نکاح بھیجے تو کوئی ان کو چھوکری نہیں دے گا، سب انکار کردیں گے کہ اس کے پاس ہے کیا؟ نہ گھر ہے، نہ دوکان ہے، اس کو لڑکی دے کر کیا کریں گے؟۔ ہمارے یہاں لوگ ایسا ہی کہتے ہیں۔

اور کسی کی سفارش کرے گا تو کوئی قبول نہیں کرے گا، سب رد کردیں گے اور کوئی بات کرے گا تو کوئی دھیان سے نہیں سنے گا، کان دھرنے کے لیے بھی کوئی تیار نہیں ہوگا۔

دنیا کی نظروں میں حقیر لیکن متقی آدمی اہل دنیا کے نزدیک عالی مرتبت سے کہیں زیادہ بہتر ہے

اس جواب کو سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا؟ عجیب بات ارشاد فرمائی، راوی کہتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: هَذَا خَيْرٌ مِنْ مِلْءِ الْأَرْضِ مِثْلَ هَذَا: اُس جیسے لوگ زمین بھر کر کے ہوں، ان سے یہ افضل ہیں[۱]۔ حالاں کہ وہ بھی مؤمن تھے، یہ بھی مؤمن تھے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ بہت بڑے عالم ہیں، علماء جانتے ہیں، فرماتے ہیں کہ حدیث میں اتنا بڑا مبالغہ میری نظر سے نہیں گذرا[۲]۔ یہ مال داری اور غربت والا واقعہ ہے کہ ہم غربت کی وجہ سے لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں، حالاں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اس جیسے زمین بھر کے ہوں تو بھی اس ایک کے برابر نہیں ہوسکتے۔ ہم لوگ تو سطحی نظر کے حامل ہیں، کسی کے متعلق ظاہری شکل وصورت دیکھ کر فیصلہ کر دیتے ہیں۔

اس لیے مال ودولت اور روپیہ پیسہ کی کمی کی بنیاد پر کسی کو حقیر مت سمجھو، کوئی حسین وجمیل نہیں ہے، بدصورت یا کم خوب صورت ہے تو اس کی وجہ سے اس کو حقیر مت سمجھو، کوئی مفلوک الحال ہے تو اس کی وجہ سے اس کو حقیر مت سمجھو، کوئی عملی کمزوری میں ہے تو اس کو حقیر مت سمجھو۔ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نماز کی توفیق دی تو اس کا شکر ادا

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ تعالی عنه، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ الأَكْفَاءِ فِي الدِّينِ، رقم الحديث: ۵۰۹۱.

(۲) ولم أر التكثير والمبالغة مِثْله في الحديث إلا نادرًا. (فيض الباري على صحيح البخاري، ج ۵ ص ۵۰۵، تحت الحديث المذكور)

کرو لیکن اس کی وجہ سے جو لوگ نماز نہیں پڑھتے، ان کو حقیر سمجھنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال نہ ہوتا تو کوئی بھی نیک نہ ہوتا

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [النور: ۲۱] بڑا عجیب وغریب ارشاد ہے، ہمارے علماء یہاں موجود ہیں، وہ اس کو سمجھ سکتے ہیں، جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال کرنے کی توفیق دی ہے، ان کے متعلق باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت اگر تمہیں شامل حال نہ ہوتی تو ﴿مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا﴾ عربی جاننے والے علماء یہاں موجود ہیں کہ نکرہ نفی کے ماتحت آیا ہے، اس لیے مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی آدمی نیک نہیں بن سکتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے بزرگوں کے بخیے اُدھیڑ دیے ہیں

مجھے اور آپ کو دو رکعت نماز پڑھنے کی توفیق ملی ہے، وہ میرا اور آپ کا کمال نہیں ہے، یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جب چاہے چھین لے، اس غرور میں مت رہنا کہ میں بہت نیک ہوں، بڑا متقی ہوں، بڑا بزرگ ہوں، بڑے بڑے بزرگوں کے بخیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُدھیڑ دیے ہیں۔

شیطان ۷ رلاکھ سالہ عبادت کے باوجود مردود ہوا

شیطان کو دیکھ لو! ۷ رلاکھ سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی، ہم اور آپ تو شب برأت میں صرف آدھی رات جاگے ہوں تو دوسرے دن ایسا سوچتے ہیں کہ اب حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے لیے وحی لے کر آئیں گے، اس نے ۷ رلاکھ سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی لیکن غرور اور کبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہنکال دیا گیا۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے

اس لیے جو جس کے پاس ہے، اس پر ہرگز غرور نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین کی نعمت عطا فرمائی ہے، آپ کو نیک بنایا ہے، نماز پڑھنے کی توفیق دی ہے، آپ کو عالم بنایا ہے، علم کی نعمت عطا فرمائی ہے، آپ کو مال دار بنایا ہے، دنیا کی دولت عطا فرمائی ہے، حکومت میں کوئی بڑا عہدہ آپ کو ملا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن و جمال سے مالا مال فرمایا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کی ہوئی نعمتیں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جس کو چاہتے ہیں، عطا فرماتے ہیں، اس میں آپ کا کوئی کمال نہیں ہے۔

خالص اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نعمتیں

یہ جتنی بھی چیزیں ہیں، ان میں سے بہت سی چیزوں کے متعلق تو خود انسان کا یہ ماننا ہے کہ اس میں اس کا کوئی کمال نہیں ہے، مثلاً کسی کا چہرہ بہت حسین ہے، وہ حسین اپنے حسن کی وجہ سے دوسروں کو حقیر سمجھے تو آپ اس سے پوچھئے کہ یہ حسن تو نے کمایا؟ تو نے محنت کی ہے کہ جس پر تجھے یہ حسن ملا؟۔

کسی کی آواز اچھی ہے، اچھی قرأت پڑھتا ہے، اچھی نظم پڑھتا ہے، وہ اپنے حسنِ صوت کی وجہ سے دوسروں کو حقیر سمجھے تو آپ اس سے پوچھئے کہ یہ حسنِ صوت تو نے کمائی؟ تو نے کوئی محنت کی تھی کہ جس پر تجھے یہ اچھی آواز ملی؟ بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا فرمائی ہے۔

وہ نعمتیں جن میں بندوں کی محنتوں کا قدرے دخل ہے

اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جس میں انسان تھوڑی بہت محنت کرتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کو اپنے متعلق غلط فہمی ہوجاتی ہے، غلط گمان ہوجاتا ہے کہ مجھے یہ نعمت میری محنت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے، جیسے مال ودولت ہے، وہ یوں سمجھتا ہے کہ میں نے تجارت کی، بیوپار کیا، میں نے فٹ پاتھ سے شروعات کی تھی پھر ایک کیبن لی پھر ایک چھوٹی دوکان لی پھر بڑی دوکان لی پھر میں نے یہاں مانگرول میں چار شوروم بنائے اور اب میں نے کئی فیکٹریاں بھی بنالی ہیں، یہ سب میری محنتوں کا نتیجہ ہے، وہ اپنے زعم میں یہ سمجھتا ہے مگر یہ بھی ایک دھوکہ ہے۔

''محنت کے نتیجے میں نعمت کے ملنے'' کے دھوکہ سے نکلنے کا علاج

اس کو ذرا پوچھو کہ تو جن محنتوں کا تذکرہ کررہا ہے، کیا ایسی محنتیں تو نے اکیلے نے کی ہیں یا اور بھی بہت سے ہیں کہ جنھوں نے ایسی محنتیں کی ہیں؟ ان سب کو بھی ایسا ملا ہے؟ نہیں ملا ہے۔

آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ایک مزدور چلچلاتی ہوئی دھوپ میں کڑی

محنت کرتا ہے، آپ تو اپنی آفس میں بیٹھ کر کام کرتے ہیں، وہ باہر کھڑے ہو کر کام کر رہا ہے، کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ وہ ہم سے زیادہ محنت کر رہا ہے، تو بھی اس کو اتنا زیادہ نہیں ملا۔ معلوم ہوا کہ اس نعمت کے ملنے میں ہماری محنت کا دخل نہیں ہے، دینے والی ذات فقط اللہ تعالیٰ کی ہے۔

ایک دیہاتی اور توازن برقرار کرنے کے لیے اونٹ کے دونوں طرف سامان لادنے کا قصہ

ایک قصہ یاد آ گیا، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ایک دیہاتی سفر کر رہا تھا، ساتھ میں اونٹ تھا جس پر بوجھ لاد رکھا تھا، اس کی دونوں طرف دو بوریاں رکھی تھیں اور وہ خود پیدل چلا جا رہا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ جب جانور پر اس طرح بوجھ لادتے ہیں تو بیلنس اور توازن قائم رکھنے کے لیے دونوں طرف بوجھ رکھنا پڑتا ہے، ایک طرف رکھنے سے کام نہیں چلتا۔

یہ پیدل چلا جا رہا ہے اور ایک دوسرا آدمی جو پڑھا لکھا تھا، ہوشیار اور دانش مند، سمجھ دار تھا، وہ بھی اس سفر میں اس کے ساتھ ہو گیا، چلتے چلتے اس پڑھے لکھے نے اس گاؤدی سے پوچھا کہ ان بوریوں میں کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ ایک بوری میں گیہوں اور دوسری میں ریت بھری ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا کی یہ ریت کی کیا ضرورت ہے؟ پورا صحرا پڑا ہے، جتنی چاہے لے لو، اس ریت کی کیا اہمیت ہے کہ تو اس کو اس پر لاد کر کے لے جا رہا ہے؟ تو اس نے کہا کہ یہ توازن اور بیلنس (balance) برقرار رکھنے

کے لیے ایسا کیا ہے، اس نے کہا کہ اللہ کے بندے! توازن باقی رکھنے کے لیے تو ایسا بھی تو کرسکتا تھا کہ اس بوری کے گیہوں کو آدھا آدھا کرکے دو بوریوں میں بھر دیتا تو توازن بھی برقرار رہتا اور اونٹ کا بوجھ بھی کم ہوجاتا اور اس کے لیے چلنا بھی آسان ہو جاتا۔ اس کی سمجھ میں بات آگئی کہ ٹھیک بات کہہ رہا ہے، واقعی ایسا کرنا بہتر تھا، چنانچہ ریت والی بوری میں سے ریت نکال کر پھینک دیا اور گیہوں والی بوری میں سے گیہوں نکالے اور دو حصوں میں تقسیم کرکے بیلنس برابر کردیا۔

رزق کا مدار علم وعقل پر نہیں ہے

سفر آگے جاری رہا، اب وہ دیہاتی اپنے دل میں سوچنے لگا کہ اس نے اتنا اچھا مشورہ مجھے دیا، اتنی اچھی بات بتائی تو یہ بڑا عقل والا ہے، یقیناً اس کے پاس تو مجھ سے زیادہ مال ودولت ہوگی۔ اس نے پڑھے لکھے آدمی سے پوچھا کہ تمھارے پاس اونٹ کتنے ہیں؟ جواب دیا: کچھ بھی نہیں۔ پوچھا: گائیں کتنی ہیں؟ جواب دیا: ایک بھی نہیں، پوچھا: بکریاں کتنی ہیں؟ جواب دیا: ایک بھی نہیں۔ گھوڑے کتنے ہیں، اس نے کہا کہ ایک بھی نہیں، یہ جس مال کے متعلق بھی پوچھتا ہے، وہ انکار کرتا ہے تو وہ دیہاتی اس سے کہتا ہے: تو بڑا منحوس آدمی ہے، تیرے مشورے پر میں عمل نہیں کروں گا۔ چنانچہ اس نے بوریاں اتاریں اور دوبارہ وہ گیہوں ایک بوری میں کرکے دوسری بوری میں ریت بھر کر توازن ٹھیک کردیا۔

تو بے وقوف بھوکے مرتے

ہم اور آپ اس کی بے وقوفی پر ہنس رہے ہیں لیکن مال کس کے پاس زیادہ تھا؟

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہ دولت وثروت علم وعقل کے ذریعہ نہیں آتی، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دولت عقل سے آتی تو دنیا میں جتنے کم عقل لوگ ہیں، سب بھوکے مرتے، حالاں کہ دنیا میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ شاعر کہتا ہے:

كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ أَعْيَتْ مَذَاهِبُهُ ... وَجَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوقًا[1]

بہت سے عقل مند، دانش مند ایسے ہیں کہ ان کے لیے روزی کے راستے بند ہیں اور بہت سے ان پڑھ، جاہل بے وقوف ایسے ہیں کہ آپ دیکھیں گے کہ ان کے یہاں مال ودولت کی ریل پیل ہے۔

میرے کہنے کا منشا یہ ہے کہ ہمارے پاس جو بھی نعمتیں ہیں، وہ محض اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے ہمیں ملی ہیں، چاہے وہ دینی نعمت ہو یا دنیوی نعمت ہو، جس کے پاس دولت ہے، وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ دولت میری محنت سے ملی ہے بلکہ یہ مال ودولت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل ہے۔

کوئی صاحبِ نعمت اس کو حقیر نہ سمجھے جو اس نعمت سے محروم ہے

کوئی عالم ہے تو وہ یہ سوچے گا کہ پڑھنے کے زمانے میں مَیں نے بہت محنت

---

(۱) ملاعلی قاریؒ نے مرقات میں اس کو ابن راوندی کا شعر کہا ہے۔(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح[الناشر: دار الفكر، بيروت - لبنان]:۸/۳۱۶۱، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الثالث)

کی ہے، رات کو دودو بجے تک جاگ کر مطالعہ کرتا تھا، تب جا کر یہ علم حاصل ہوا ہے تو اس کو سوچنا چاہیے کہ ایسی محنت میں نے اکیلے تو نہیں کی تھی، میرے ساتھ اور بھی بہت سے ساتھی تھے جو مجھ سے بھی زیادہ محنت کرتے تھے، ان کو یہ مقام حاصل نہیں ہوا اور مجھے حاصل ہوا تو یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی عطا ہے۔

ساری نعمتیں اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے فضل سے حاصل ہوتی ہیں، یہ اس کی حکمت ہوتی ہے کہ کسی کو دیتا ہے، کسی کو محروم رکھتا ہے، وہ مالک ہے، ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ اس آدمی کو جس کے پاس مال نہیں ہے، محض اس بنیاد پر کہ میرے پاس مال ہے، اس کے پاس مال نہیں ہے، میں اس کو حقیر سمجھوں۔

میرے پاس علم ہے تو محض اس بنیاد پر کہ میرے پاس علم ہے اور اس کے پاس علم نہیں، میں اس کو حقیر سمجھوں۔

میں پابندی سے نماز پڑھتا ہوں، نیک بنا ہوا ہوں اور وہ دوسرا بے نمازی ہے، بے دین ہے تو مجھے یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ میں اس کو حقیر سمجھوں بلکہ یہ ضروری ہے کہ میں اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں سمجھ کر اس کا شکر ادا کروں۔

تکبر کی حقیقت حدیث کی روشنی میں

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ: جس آدمی کے دل میں ذرّہ برابر تکبر ہو، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ یہ سن کر مجلس میں موجود لوگوں میں سے ایک آدمی نے عرض کیا: إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ

أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً: اے اللہ کے رسول! آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ میرے کپڑے اچھے ہوں اور میرے جوتے اچھے ہوں۔ پوچھنے والے کا مقصد یہ تھا کہ اچھے کپڑے اور اچھے جوتے استعمال کرنا بھی کبر ہے؟ تو جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ، وَغَمْطُ النَّاسِ: اللہ تعالیٰ جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے، خوب صورت ہے، خوب صورتی کو پسند کرتا ہے، تکبر حق بات کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے[۱]۔

اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے پیسے دیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شکرانے کے طور پر میں اچھے کپڑے خرید کر پہنوں تو یہ تکبر نہیں ہے، ہاں! اچھے کپڑوں کی وجہ سے میں یہ سمجھوں کہ میرے کپڑے پانچ ہزار کے اور اس کے کپڑے دو ہزار کے ہیں، اس لیے میں اچھا اور یہ برا اور گھٹیا، یہ تکبر ہے۔ ان اچھے کپڑوں کی وجہ سے کسی دوسرے کو حقیر سمجھنے کی مجھے اجازت نہیں ہے، مصیبت یہ ہے، اچھے کپڑے پہننا برا نہیں ہے لیکن اس کی وجہ سے تمھارے دماغ میں جو خُمار آیا، شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کی نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ کہ: وہ نہ اس کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ کرتا ہے اور نہ اس کو بے یار ومددگار چھوڑتا ہے اور اس کو حقیر بھی نہیں سمجھتا۔

تقویٰ دل میں ہے

---

(۱) صحیح مسلم، بَابُ تَحْرِيمِ الْكِبْرِ وَبَيَانِهِ، رقم الحدیث: ۱۴۸۔

آگے فرماتے ہیں: التَّقْوٰی هَاهُنَا« وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ: یہ فرما کر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اپنے سینے کی طرف اشارہ فرمایا کہ تقوی یہاں ہے، تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا۔

یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں عزت تقویٰ کی وجہ سے ملتی ہے اور تقویٰ دل میں ہے اور کس کے دل میں کتنا تقویٰ ہے، کوئی نہیں جانتا، آج تک ایسا کوئی تھرمامیٹر نہیں بنا کہ جس کے ذریعہ کوئی ہمارا اور آپ کا تقویٰ ناپ سکے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں کس کا کیا مقام ہے، میں اور آپ اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔

بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ«: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کی برائی کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر اور کمتر سمجھے۔

اس لیے آج کی اس مجلس سے یہ سبق لے کر جاؤ کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے کسی بھی بندے کو حقیر نہیں سمجھیں گے، اگر حقیر سمجھ لیا تو اس کا تو کچھ نہیں بگڑے گا، اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑا مارو گے، اپنا نقصان ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ میری اور آپ کی حفاظت فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

سفرنامہ عراق، شام واردن

اقتباس

یہاں ایک بات خاص طور پر اہل علم سے عرض کرنی ہے کہ شام کے اکثر علاقوں میں بھی دیکھا، وہاں دین سے متعلق کوئی محنت نہیں ہے اور وہاں اہل علم کا طبقہ بھی نہیں ہے اور نہ مدارس کا کوئی سلسلہ ہے، ان ساری جگہوں کو دیکھ کر آنے کے بعد میں اپنے یہاں دیکھتا ہوں کہ دین کی جو محنتیں اور اس کے سلسلے ہیں، اسلام کی ساری نشانیاں ہیں، جگہ جگہ ڈاڑھی والے مسلمان نظر آتے ہیں، اسلامی وضع قطع اور لباس نظر آتا ہے، مدارس ہیں، مکاتب ہیں، مساجد میں نمازوں کا اہتمام ہے، فضا میں اذانوں کی آوازیں وقفے وقفے سے گونجتی ہیں، وہاں تو بعض جگہیں ایسی بھی دیکھیں کہ جہاں اذان کی آواز سننے کو ہم ترس جاتے تھے، اس لیے یوں سمجھیے کہ یہ تو ہمارے لیے دارالاسلام ہے، ہمارا یہ علاقہ تو جنت کا نمونہ ہے۔

ہماری یہ محنتیں جو ہمارے بڑوں نے شروع کی تھیں اور الحمد للہ! چل رہی ہیں، محنتوں کا یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے، دین کا یہ سلسلہ باقی رہے، ہماری طرف سے جو کوتاہیاں ہوتی ہیں، ان ہی کوتاہیوں کے نتیجے میں قدرتی طور پر کچھ رکاوٹیں حکومتی لائن سے اور دوسری طرف سے آتی ہیں لیکن ہم اگر اپنی ان کوتاہیوں کو درست کرلیں اور خود احتسابی کرتے ہوئے اپنی ان کمزوریوں کا ازالہ کرلیں تو ان شاء اللہ! سارے معاملات ٹھیک ہوجائیں گے۔ نوجوان طبقے پر بھی محنت ہو، مسلمانوں میں یہ مدارس اور مکاتب اور تبلیغی جماعت کا سلسلہ جاری رہے، اس کی کوششیں ہوں تو یہ چیزیں باقی رہیں گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادي لہ، ونشھد أن لا إلہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد أن سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ، أرسلہ إلی کافّة الناس بشیرا ونذیرا، وداعیا إلی اللّٰہ بإذنہ وسراجا منیرا، صلی اللّٰہ تعالی علیہ وعلی آلہ وأصحابہ وبارك وسلّم تسلیما کثیرا کثیرا، أما بعد:

محترم حضراتِ علمائے کرام اور عزیز طلبہ!

اسلامی سلطنت کے مراکز اور دار السلطنت کی تاریخ

ابھی سفرِ حج سے فراغت کے بعد ایک سفر قدیم اسلامی مراکز کا ہوا۔ ویسے جو آدمی اسلامی تاریخ سے واقف ہو، وہ جانتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور حضراتِ خلفائے ثلاثہ: سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ، سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ، سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں اسلامی حکومت کا دار السلطنت اور مرکز مدینہ منورہ رہا۔

اسلامی مرکزیت کا مدینہ منورہ سے کوفہ کی طرف انتقال

پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے بعد جب سیدنا حضرت

علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالی عنہ امیر المؤمنین بنے تو ابتدا ہی میں آپ کو بصرہ جانا پڑا اور وہاں کے حالات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے آپ نے کوفہ کو اپنا مرکز بنایا، گویا مدینہ منورہ کے بعد اسلامی سلطنت کی مرکزیت، اس کا دار السلطنت اور کیپٹل مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل ہوا۔

کوفہ کی علمی مرکزیت اور اس کے منبع حضرت ابن مسعودؓ

ویسے کوفہ کو اس سے پہلے ہی سے علمی اعتبار سے اونچا مقام حاصل ہو چکا تھا، کیوں کہ کوفہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں بسایا گیا تھا، وہ ایک نیا شہر تھا، بصرہ بھی سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے دورِ خلافت میں آباد کیا گیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اہل کوفہ کی تعلیم کے واسطے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کو وہاں بھیجا تھا اور ساتھ میں کوفہ والوں کے نام ایک خط بھیجا تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے علم کا میں زیادہ محتاج ہوں اور مجھے ان کی ضرورت ہے لیکن میں آپ لوگوں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہوئے ان کو آپ کے یہاں بھیج رہا ہوں ①۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے وہاں جو کام کیا اور پھر آپ کے شاگردوں نے ان کی علمی وراثت کو جس طرح آگے بڑھایا، اس کو اسلامی تاریخ اور اس کے فنون سے واقف لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ فقہ کے اعتبار سے، حدیث کے اعتبار سے، قرأت و تجوید کے اعتبار سے، نحو اور صرف کے اعتبار سے، فصاحت و بلاغت

---

① سیر أعلام النبلاء [الناشر: دار الحدیث-القاهرة]: ۲۹۷/۳، رقم الترجمة: ۹۲.

کے اعتبار سے کوفہ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔

سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں کوفہ کو اسلامی سلطنت کی مرکزیت حاصل رہی۔

اسلامی مرکزیت کا کوفہ سے دمشق کی طرف انتقال

ان کے بعد جب سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا دور آیا تو چوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دورِ خلافت سے شام کے گورنر رہے تھے اور ان کا مرکز دمشق تھا اور سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے پورے دورِ خلافت میں ان کو شام کی گورنری پر برقرار رکھا۔

اور پھر جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالی عنہ کا زمانہ آیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے قاتلین کے معاملے میں ان دونوں حضراتِ اکابر کے درمیان اختلاف ہوا اور جنگ کی نوبت آئی، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں ایک تو جنگ جمل ہوئی ہے۔

جنگ جمل کا پیش خیمہ

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو لوگ حج کے لیے مکہ مکرمہ میں تھے اور یہاں مدینہ منورہ میں یہ صورتِ حال رونما ہوئی اور مکہ مکرمہ میں لوگوں کو یہ اطلاع پہنچی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے قاتلین بالکل آزاد ہوکر دندناتے پھر رہے ہیں اور ان سے قصاص نہیں لیا جارہا ہے تو ان کے قصاص کی آواز

اٹھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو بھی لوگوں نے آمادہ کیا، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہما اور دوسرے حضرات بھی اس میں شریک ہوئے اور ایک بڑی جماعت وہاں سے یہ مطالبہ لے کر چلی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے قاتلین سے قصاص لیا جائے اور یہ جماعت بصرہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

بلوائیوں کی کامیاب سازش اور جنگ جمل کی صورت میں اندوہ ناک نتیجہ

اِدھر جب حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو معلوم ہوا تو آپؓ مدینہ منورہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئے اور بصرہ کے قریب ہی جنگ کی نوبت آ گئی، یہ جنگ بھی قاتلین کی طرف سے چلائی جانے والی ایک سازش کے نتیجے میں ہوئی، ورنہ تو آپس میں کچھ ایسی گفتگو ہو چکی تھی کہ معاملہ صاف ہی ہو گیا تھا لیکن قاتلین نے محسوس کیا کہ اگر ان دونوں جماعتوں کی آپس کی غلط فہمی دور ہو جاتی ہے تو پھر ہماری خیر نہیں، اس لیے انھوں نے ایک سازش رچی کہ یہ قاتلین دو گروہ میں بٹ کر دونوں لشکروں میں پھیل گئے اور رات کے وقت ایک لشکر میں چھپے ہوئے سازشیوں نے دوسرے لشکر پر اور دوسرے لشکر میں چھپے ہوئے سازشیوں نے اس لشکر پر تیر برسائے اور اس سے غلط فہمی بڑھی اور جنگ کی نوبت آ گئی، اسلامی تاریخ پڑھنے والے اس کی تفصیل سے واقف ہیں۔

اور یہ یاد رہے کہ جنگ جمل میں ۳۵ ہزار آدمی شہید ہوئے ہیں، اس سے پہلے کسی جنگ میں اتنے مسلمان شہید نہیں ہوئے تھے۔

جنگ صفین

اس کے بعد جنگ صفین کی نوبت آئی، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی جانب سے یہی مطالبہ تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے قاتلین سے قصاص لینے میں کوئی تامل نہیں تھا لیکن شروع میں ان کا موقف یہ رہا کہ قاتلین کی تعیین کے بعد ایسے حالات بھی پیدا ہوں کہ ان سے بآسانی قصاص وصول کیا جاسکے۔ بعض مرتبہ ایک کام کے معاملے میں اتفاق ہوتا ہے لیکن اس کام کے لیے کون سا وقت مناسب رہے گا، اس کی تعیین میں اختلاف ہو جایا کرتا ہے، بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ رہا اور جنگ صفین کی نوبت آئی اور اس میں ۸۵ رہزار آدمی شہید ہوئے، یہ دو بڑی جنگیں تھیں۔

اس جنگ کے اختتام پر دونوں گروہ میں صلح ہوئی، صلح کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے لشکر ہی کا ایک گروہ جو آگے چل کر خوارج اور حروریہ کے نام سے مشہور ہوا، ان کے ساتھ بھی جنگ کی نوبت آئی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت اور فریقین میں صلح

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے بعد آپ کے صاحب زادے حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ کو آپ کا جانشیں اور قائم مقام مقرر کیا گیا لیکن ان کے متعلق نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پہلے ہی پیشین گوئی فرما چکے تھے: **ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللهَ**

أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ[1] کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی پیشین گوئی یوں پوری ہوئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے لشکر میں بھی کچھ لوگ ایسے آگے بڑھے اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی یہ خیال ہوا کہ آپس کی لڑائی کا یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا اور مسلمان عورتیں کب تک بیوہ ہوتی رہیں گی، مسلمان بچے کب تک یتیم بنتے رہیں گے، اس لیے صلح کی جنبش ہونی چاہیے۔

دارالسلطنت دمشق

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک کورا کاغذ کچھ ذمہ داروں کے حوالے کرتے ہوئے یہ پیشکش کی کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ جو شرطیں بھی رکھیں، میں اس کو ماننے کے لیے تیار ہوں، چنانچہ فریقین سے صلح کی تیاریاں ہوئیں اور اس میں حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ امیر المؤمنین بنے تو چوں کہ وہ پہلے ہی سے دمشق میں مقیم تھے، اس لیے انھوں نے شام کے اسی بڑے شہر دمشق کو اپنا اور اسلامی سلطنت کا مرکز اور دارالسلطنت بنایا، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے

---

[1] صحيح البخاري، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ تعالی عنہ، بَابُ مَنَاقِبِ الحَسَنِ وَالحُسَيْنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، رقم الحديث: ٣٧٤٦.

اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو اپنا نائب بنایا تھا اور اس کے بعد خلافت بنوامیہ کا سلسلہ چلا۔

دار السلطنت مکہ مکرمہ

درمیان میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ ایک مدت تک امیر المؤمنین رہے اور انھوں نے مکہ مکرمہ کو اپنا دار السلطنت بنایا تھا، آج تک مکہ مکرمہ صرف اسی تھوڑے سے عرصے کے لیے اسلامی سلطنت کا دار السلطنت رہا ہے۔

پھر دوبارہ بنوامیہ آئے اور ایک زمانے تک ان کی حکومت رہی اور ان کے پورے دورِ خلافت میں دمشق ہی دار السلطنت رہا۔

بغداد کی طرف دار السلطنت کا انتقال

اس کے بعد بنو عباس کا دور آیا اور انھوں نے اپنے لیے بطور دار السلطنت کے بغداد کا انتخاب کیا، اس زمانے میں بغداد کوئی بڑا شہر نہیں تھا اور نہ بڑی آبادی تھی، ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔

بغداد کی وجہ تسمیہ

اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ ایک غلام تھا جو ''بغ'' نامی بت کی پوجا کیا کرتا تھا، اس کے آقا نے اس کو یہ علاقہ بخشش کے طور پر دے دیا تو اس نے اس کا نام رکھ دیا: ''بغ داذ'' یعنی میرا یہ بت جس کی میں پوجا کیا کرتا ہوں، اس نے مجھے یہ دیا[1]۔ اسی لیے بعض اہل اسلام اس وجہ تسمیہ کی وجہ سے اس نام

---

(۱) معجم البلدان للحموی [الناشر: دار صادر، بیروت]: ۱/۴۵۶.

کو پسند نہیں کرتے[۱]۔

بغداد کا اسلامی نام

چوں کہ دوسرے علاقوں کے مقابلے میں بنو عباس کا اثر ورسوخ عراق میں زیادہ تھا، اس لیے انھوں نے یہ طے کیا کہ ہم اپنا مرکز یہیں بنائیں گے اور باقاعدہ اس جگہ کا معائنہ کرنے کے بعد ایک شہر آباد کیا اور اس کا نام دار السلام رکھا گیا تھا لیکن اس کا پرانا نام ہی غالب رہا اور اسی سے مشہور ہو گیا اور آج تک اسی نام سے وہ یاد کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد بنو عباس کی سلطنت سات صدیوں تک جاری رہی اور یہی بغداد اسلامی حکومت کا مرکز رہا۔

اس کے بعد بھی کئی خاندان برسر اقتدار آئے، اور انھوں نے بھی بغداد ہی کو مرکزی حیثیت دی، اس طرح عرصۂ دراز تک بغداد اسلامی حکومت کا مرکز رہا ہے۔

اسلامی حکومت کے ان سارے مراکز کو تاریخ اسلامی کا ایک طالب علم بخوبی جانتا ہے کہ یہ سارے اسلامی مراکز رہے ہیں اور ہر ایک کے دل میں یہ خواہش اور تمنا ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان مراکز کی زیارت سے سرفراز فرمائے؛ تاکہ ہر مرکز کی

---

[۱] وقال موسى بن عبد الحميد النسائي: كنت جالسا عند عبد العزيز بن أبي دؤاد فأتاه رجل فقال: من أين أنت؟ قال من بغداد. قال: لا تقل بغداذ. فإن بغ صنم وداد عطاء. ولكن قل مدينة السلام. فإن الله هو السلام والمدائن كلّها له.(البلدان لابن الفقيه[الناشر: عالم الكتب، بيروت]، ص:۲۷۸، مجلس الكوفيين والبصريين عند المأمون.)

جو ایک تاریخ ہے، اس تاریخ کی مناسبت سے اس علاقے کا دورہ ہو اور ان مقامات کو دیکھا جائے۔

بغداد وغیرہ علاقوں کے سفر کا پس منظر

اسی قلبی جذبے کے پیش نظر دل میں مدت سے یہ تمنا تھی اور بعض احباب اس کے لیے اصرار بھی کرتے تھے، بلیشور والے حاجی عمر آبوت صاحب مسلسل دو چار سال سے اصرار کر رہے تھے، آخری مرتبہ بہت اصرار کیا تو میں نے کہا کہ ٹھیک ہے، ہم ایک سفر ان علاقوں بھی کرلیں گے۔ چنانچہ جب حج کا پروگرام بنا تو یہ پروگرام بھی بن گیا۔

عام طور پر ہمارے علاقے میں یہ طریقہ رہا ہے کہ جو لوگ ان اسلامی علاقوں کی زیارت کے لیے جانا چاہتے ہیں تو بعض ٹور والے ایسے ہیں جو اس کا نظم کرتے ہیں، اسی طرح ہمارا پروگرام بھی بنا۔

جدّہ سے عمان اور عمان سے بغداد

حج سے فراغت کے بعد جب ہماری واپسی ہوئی تو جورڈن ہوائی جہاز سے ہم لوگ جدّہ سے عمان پہنچے، عمان جورڈن کا دار السلطنت ہے، وہاں جانے کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ وہاں قیام رہا اور پہلے سے بنے بنائے پروگرام کے مطابق بس تیار تھی، بغداد جانے کے واسطے اس بس میں سوار ہوئے، تقریباً بارہ سوا بارہ بجے سوار ہوئے تھے اور دوسرے دن دس بجے کے قریب بغداد پہنچے، اس پورے راستے کے درمیان میں دو بارڈر آتی تھی، اُردن کی سرحد ختم ہوتی تھی اور عراق کی سرحد شروع ہوتی تھی اور بارڈر پر

جو قانونی کاروائیاں اور دوسرے امور انجام دیے جاتے ہیں، اس کی وجہ سے تاخیر بھی ہوتی ہے۔

سردی خوب زوروں پر تھی، ہم دوسرے روز دس گیارہ بجے کے قریب بغداد پہنچے، بغداد میں ''سعدون'' نامی علاقے میں ایک ہوٹل میں قیام کا انتظام کیا گیا تھا، وہاں قیام رہا، وہاں کھانے وغیرہ ضروریات سے فارغ ہوکر طے شدہ پروگرام کے مطابق ظہر پڑھ کر کچھ دیر آرام کیا، طے یہ ہوا تھا کہ عصر کے قریب سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جائیں گے۔

تعدادِ مساجد کے اعتبار سے بغداد اور ہمارے مسلم علاقوں میں فرق

یہاں ایک بات عرض کردوں کہ ہمارا قیام جس علاقے میں تھا، وہ ایک بڑا علاقہ ہے اور ہم نے نماز کے اوقات میں یہ کوشش کی کہ قریب میں کوئی مسجد ہو تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہو، چنانچہ تحقیق کی کہ قریب میں کوئی مسجد ہے؟ تو بتایا گیا کہ قریب میں کوئی مسجد نہیں ہے، کافی دور ہے، ہوٹل والوں نے ایک آدمی مسجد کا پتہ بتلانے کے لیے ساتھ بھیجا تو ایک یا سوا کیلومیٹر کی دوری پر ایک مسجد تھی۔

ہم لوگوں کے لیے سب سے پہلی قابل تعجب چیز یہ تھی کہ ہمارے یہاں کسی علاقے میں مسلمانوں کی آبادی اتنی کثیر اور تسلسل کے ساتھ ہو تو اتنے علاقے میں ہمیں بیسیوں مسجدیں ہر گلی کے نکڑ پر ملا کرتی ہیں، قریب قریب مسجدیں ہوتی ہیں کہ اوقاتِ نماز میں جن کی اذان کی آوازیں بھی ہم بار بار سنتے ہیں اور یہاں اتنی دوری پر مسجدیں واقع ہیں اور اس کا حال بھی یہ تھا کہ جب ہم وہاں پہنچے تو وہ نماز کا وقت نہیں تھا، اس لیے

اس پر تالا لگا ہوا تھا۔

بغداد میں باجماعت نماز کی ادائیگی کی دشواری

یہ حال دیکھ کر ہم نے یہ محسوس کیا کہ مسجد میں آکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا یہاں ہمارے لیے ممکن نہیں ہے اور ہوٹل میں باجماعت نماز کا انتظام نہیں تھا، ہمارا پورا قافلہ ۳۴/ آدمیوں کا تھا، یہ پورا قافلہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرپاتا، اتنا بڑا کمرہ بھی ہوٹل میں نہیں تھا، اگر جماعت کے ساتھ ہم نماز ادا کرنا چاہتے بھی تو ہوٹل میں جو بڑی سے بڑی جگہ تھی، وہ اتنی تھی کہ اس میں زیادہ سے زیادہ آٹھ دس آدمی سما سکتے تھے، پھر بھی ہم نے اپنے طور پر اس کا انتظام کیا۔

زیارت کے اسفار میں نمازوں کا عدمِ اہتمام اور حضرت دامت برکاتہم کی طرف سے اس کا شدتِ اہتمام

ہم جب عمان سے بغداد کی طرف چلے تھے تو راستے میں بھی الحمدللہ! نمازوں کا اہتمام رہا، ٹور کا جو آرگنائزر تھا، جب اخیر میں ہمارا سفر ختم ہوا تو اس نے خاص طور پر مجھے ایک بات کہی کہ تیری وجہ سے اس مرتبہ تمام نمازیں چاہے دورانِ سفر ہوں یا قیام گاہ پر ہوں، پڑھنے کی نوبت آئی، ورنہ عام طور پر زیارت کی ٹور میں جتنے بھی ٹور والے ہوتے ہیں، وہ بھی اور ان کے ساتھ جانے والوں کا بھی یہ حال ہوتا ہے کہ درمیانِ سفر تو نماز کی نوبت ہی نہیں آتی اور ایسا سمجھا جاتا ہے کہ گویا نماز ہے ہی نہیں اور قیام گاہ پر بھی جس کا جی چاہتا ہے، نماز پڑھتا ہے اور جس کا جی نہیں چاہتا، نہیں پڑھتا لیکن میں زور

دیتا رہا تو ساتھی بھی اس کا اہتمام کرتے رہے۔

مقاماتِ مقدسہ کی زیارت زیادہ تر اہل بدعت کیا کرتے ہیں

ایک بات یاد رہے کہ عام طور پر زیارت کے لیے جو حضرات سفر کرتے ہیں، وہ وہی ہوتے ہیں جن کو ہم اہل بدعت سمجھتے ہیں، ہمارے نظریات اور خیالات سے تعلق رکھنے والے کم ہی ہوا کرتے ہیں، ایک مصیبت یہ بھی ہے، ہمارے ٹور میں بھی اکثریت ان ہی کی تھی لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو جزائے خیر دے، میں نے اپنی طرف سے ایسی کوئی بات نہیں کی لیکن جہاں جہاں ایسا موقع آتا تھا کہ خاص خاص مقامات کی زیارت کے لیے جانا ہوتا تھا تو وہاں اپنی معلومات کی حد تک کچھ بتایا جاتا تھا تو اس کی وجہ سے وہ بھی خیال رکھتے تھے۔

یہ بھی ہمارے لیے بسا غنیمت ہے

لطیفے کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ ہمارے ایک ساتھی سورت کے تھے، وہ خاص میرے ساتھ تعلق ہی کی وجہ سے اس سفر کے لیے تیار ہوئے تھے اور انھوں نے بڑی خدمت بھی کی، جب ہم کسی جگہ زیارت کے لیے جاتے تھے تو ہمارے یہ ساتھی کہتے تھے کہ جب آپ اس جگہ سے باہر نکل جاتے ہیں پھر ان لوگوں کو اس جگہ کچھ چومنا چاٹنا ہو تو آپ کے باہر نکل جانے کے بعد یہ لوگ چوم چاٹ لیتے ہیں، آپ کے سامنے ایسا نہیں کرتے۔ حالاں کہ ہم نے تو ان کو ایسا کچھ کہا بھی نہیں لیکن وہ اپنے طور پر اتنا کرتے تھے، یہ بھی ہمارے لیے بسا غنیمت ہے۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

حالاں کہ ہم نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی، کبھی گفتگو کے دوران حکمت بھرے انداز میں ایسی باتیں کرتے تھے، ورنہ ان کو کبھی صراحۃً ایسی بات کہنے کی نوبت نہیں آئی اور جب سفر ختم ہوا تو ان پر اس کا بہت اثر بھی رہا اور سمجھے کہ ہماری بہت ساری غلطیوں کی اصلاح ہوگئی اور بعضوں نے تو اس کا اقرار بھی کیا۔

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری

الغرض! ہمارا پروگرام یہ تھا کہ عصر کے قریب سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جائیں گے، چنانچہ ہم وہاں پہنچے۔ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ وہاں مثلِ اول پر عصر کی نماز ہوتی ہوگی لیکن جب وہاں پر پہنچے تو پتہ چلا کہ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے متصل جو مسجد ہے، وہ حنفی ہے اور وہاں مثلِ ثانی پر عصر ہوا کرتی ہے تو وہاں عصر کی نماز ختم ہو رہی تھی، ہم نے اپنی عصر کی نماز پڑھی اور اس کے بعد ان کے مزار پر حاضری ہوئی۔

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات

ویسے حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا مقام ہے، ان کی مستقل سیرتیں لکھی ہوئی ہیں اور انھوں نے بغداد میں پہنچ کر جو اصلاحی کام کیے اور درس وتدریس کا جو سلسلہ شروع کیا، ان ہی کے جو پیر ہیں، ان کا ایک مدرسہ اس احاطے میں تھا، اس وقت اس کی حیثیت بہت کمتر تھی، وہ ان کے حوالے کیا گیا اور انھوں نے اس کو ترقی دی اور

حدیث کا، قرآنِ پاک کی تفسیر کا، فقہ کا اور دوسرے علوم کے درس شروع کیے، خود سبعہ کے قاری تھے، اس لیے ایک مقررہ وقت میں لوگوں کو قرآنِ پاک بھی قرأتِ سبعہ میں سناتے تھے، فتویٰ بھی دیا کرتے تھے اور ان کا فتویٰ شافعی اور حنبلی مسلک کے مطابق ہوا کرتا تھا۔

حضرت شاہ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور توحید

اور ان کا جو روحانی مقام ہے، اس کو تو ساری دنیا جانتی ہے، سنا ہوا تو ہے ہی اور حقیقی مقام سے تو ہم کیا واقف ہو سکتے ہیں لیکن شہرت کی وجہ سے سب کو ان کا خیال ہے۔ آپ توحید کے بڑے داعی تھے، آپ کے جو وعظ فیوضِ یزدانی وغیرہ ناموں سے چھپے ہوئے ہیں، اگر آپ ان کا مطالعہ کریں تو آپ پر واضح ہوگا کہ آپ بڑی شدت کے ساتھ توحید کی دعوت دیا کرتے تھے لیکن یہ بھی زمانے کی ستم گری ہے کہ ان کے مزار پر ایسی ایسی حرکتیں ہوتی ہیں جو توحید کے بالکل منافی ہیں۔

مزار کی زیارت کے معاملے میں لوگوں کا اختلافِ مزاج

ہم وہاں گئے، وہاں کے اعتبار سے ان کا مزار بھی خوب سجایا گیا تھا، اندر شیشے لگے ہوئے ہیں، بڑی چمک دمک ہے، روشنیوں کا کافی انتظام ہے، لوگ آتے ہیں اور اپنے اپنے خیالات کے مطابق زیارت کرتے ہیں، جو صحیح خیالات کے ہیں، وہ مسنون طریقے پر زیارت کرتے ہیں اور دوسرے اپنے طور پر زیارت کرتے ہیں۔

ویسے بغداد میں عام طور پر یہ دیکھا کہ بزرگوں کے مزارات پر لوگ خوب

کرنسی نوٹ ڈالتے ہیں، وہاں دینار چلتا ہے، دینار وہاں کی کرنسی ہے اور چوں کہ آج کل عراق اقتصادی پابندیوں کا شکار ہے اور ایک مدت سے یہ سلسلہ ہے، اس لیے اس کی کرنسی کی زیادہ قدر و قیمت بھی نہیں رہی ہے، ایک وقت تھا کہ ایک دینار چار امریکی ڈالر کے برابر ہوتا تھا اور آج ایک امریکی ڈالر کے برابر دو ہزار دینار ہیں، وہاں کی کرنسی کا اتنا برا حال ہو گیا ہے۔

عراق کی اقتصادی زبوں حالی

وہاں پابندی کی وجہ سے اصلی چیزیں تو بہت کم آتی ہیں اور بنتی بھی نہیں ہیں تو لوگ ایک کالے رنگ کا مشروب تیار کرتے ہیں اور پیپسی کے نام سے بیچتے ہیں، وہ ۲۵۰ / دینار میں ملتا ہے اور ایک کباب سو، ڈیڑھ سو دینار کا ملتا ہے لیکن پھر بھی ہم نے پورے سفر میں یہ محسوس کیا کہ ہمارے ساتھیوں کو خرید و فروخت میں جتنی سہولت وہاں رہی، کسی اور ملک میں نہیں رہی، سب کہتے تھے کہ یہاں دوسری جگہوں کے مقابلے میں سب سستا معلوم ہو رہا ہے۔

حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

سیدنا حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی اور فاتحہ خوانی کر کے وہاں تھوڑی دیر رہے اور پھر وہاں سے ہم حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گئے۔ شیعہ اثنا عشریہ جو بارہ اماموں کے قائل ہیں، ان کے یہاں یہ حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ بھی امام سمجھے جاتے ہیں، سادات خاندان سے ان کا تعلق ہے، حضرت حسن رضی

اللہ تعالی عنہ کی اولاد میں سے ہیں، خلفائے عباسیہ کے زمانے میں یہ بڑے بزرگ تھے، جیسے ہر زمانے میں اہل حکومت کو اپنی حکومت کے متعلق ایسے مشہور لوگوں سے اور ان کے اثر ورسوخ سے خطرہ لگا رہتا ہے تو ان کی طرف سے بھی خطرہ محسوس کر کے ان کے زمانے میں کے خلفاء نے ان کو جیل میں بھی رکھا، وہاں ان کا مزار ہے جو بہت بڑا احاطہ ہے اور اس مزار پر گنبد اور مینار بھی مخصوص انداز سے بنے ہوئے ہیں، عراق میں شیعوں سے تعلق رکھنے والی شخصیتوں کے بہت سارے مزارات ہیں اور ان سب میں بڑے شان دار قسم کے گنبد اور مینار بنے ہوئے ہیں۔

مزارات پر عورتوں کا رش

اور چوں کہ محرم کا مہینہ تھا، اس لیے ایران سے خوب زائرین بسیں بھر بھر کے آئے ہوئے تھے، عورتیں بھی تھیں، مرد بھی تھے بلکہ عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں زیادہ تھی، وہاں مزارات میں جائیں تو پورا عورتوں سے بھرا ہوتا تھا اور رش اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ اندر جاویں تو مس کے بغیر تو چارہ ہی نہیں تھا، اس لیے ایسے موقع پر میں تو باہر ہی رہتا تھا، بس! دور سے دیکھ کر ہی فاتحہ خوانی کر لیتا تھا، دوسرے ساتھی جایا کرتے تھے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

الغرض! مغرب سے پہلے وہاں حاضری دی اور اسی احاطے کے ایک کونے میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے جو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں

میں سب سے اونچے اور عالی مقام سمجھے جاتے ہیں اور ان کے مزار سے متصل ایک مسجد بھی ہے جو جامع ابی یوسف کے نام سے مشہور ہے، چوں کہ پہلے اس سلسلے میں پڑھا تھا، اس لیے ساتھیوں سے کہا کہ یہاں ان کا مزار بھی ہے پھر تلاش کر کے وہاں پہنچے، ابھی مغرب میں کچھ دیر تھی، ہم وہاں پہنچے، وہاں اس مسجد کے امام تھے، سامنے ان کا کمرہ تھا، انھوں نے ہمیں بلایا، ہم سے کہا کہ آپ کے پاس کوئی عطر ہے کہ نہیں؟ اس کی ان کے یہاں بڑی قدر ہے، ہمارے پاس جیب میں عطر کی شیشی پڑی رہتی ہے، وہ پیش کر دی، اور حاجیوں کے پاس بھی تھی، انھوں نے بھی پیش کی، انھوں نے حالات پوچھے۔

اس کے بعد ہم نماز کے لیے گئے، انھوں نے کہا کہ آپ نماز پڑھائیے، میں نے کہا کہ نہیں! آپ امام ہیں، آپ ہی نماز پڑھائیے، وہاں مغرب کی نماز ادا کی اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن

فقہی اعتبار سے فقہِ حنفی میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مقام حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سب سے اونچا ہے، حصولِ علم کی راہ میں انھوں نے جو تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کیں، ہمارے طلبہ اس کو جانتے ہیں۔ چوں کہ ان کے والد کا ان کے بچپنے ہی میں انتقال ہو چکا تھا تو ان کی والدہ نے سوچا کہ پتہ نہیں، بڑے ہو کر ان کے کھانے پینے کا کیا نظم ہوگا اور گذر بسر کا کیا ذریعہ ہوگا، ذریعۂ معاش کیا ہوگا، یہ سوچ کر ایک دھوبی کے حوالے کیا تھا؛ تا کہ آپ یہ ہنر سیکھ لیں تو بڑے ہونے کے بعد اپنے لیے گذر بسر کا سامان کر لیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس درس میں

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ صبح دھوبی کے یہاں جانے کے لیے نکلتے تو راستے میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے درس کی مجلس پڑتی تھی، ایک مرتبہ وہاں بیٹھ گئے، پھر تو اس کا چسکا لگ گیا اور وہیں پابندی کے ساتھ جانے لگے، ان کی والدہ کو پتہ چلا تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آ کر آپ کو برا بھلا کہنے لگیں کہ آپ کو ذرا بھی خیال نہیں، یہ بچہ تو یتیم ہے، ابھی سے کوئی ہنر نہیں سیکھا تو آگے جا کر وہ اپنا گذر بسر کیسے کر سکے گا، پھر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اپنی طرف سے ایک وظیفہ مقرر کر دیا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب واقعہ

بعض حضرات نے ایک قصہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ درس میں حاضری دینے سے پہلے مزدوری کیا کرتے تھے پھر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حاضری دینے لگے تو آپ نے پوچھا کہ کیا کرتے ہو؟ عرض کیا کہ مزدوری کرتا ہوں، پوچھا کہ مزدوری میں کتنا کما لیتے ہو؟ تو عرض کیا کہ پانچ دن میں یا چھے دن میں ایک درہم یا ایک دینار حاصل کر لیتا ہوں تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تم مجھے ایک دینار پیش کرو تو میں تم کو ایک درس دوں گا تو آپ پانچ یا چھے دن مزدوری کرتے تھے اور ساتویں دن آ کر ایک دینار پیش کرتے تھے اور درس میں شریک ہوتے تھے اور ہفتے بھر میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ جتنا پڑھاتے تھے، وہ سب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو پڑھا دیا کرتے تھے۔

جب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اپنی تعلیم سے فارغ ہوئے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ آج تک آپ نے مجھے جتنی رقم دی ہے، میں نے اس کو تجارت میں لگایا تھا اور پھر رجسٹر منگوا کر ان کو دکھایا کہ آپ نے اتنے پیسے جمع کرائے تھے اور اس پر اتنا نفع ہوا ہے۔

تمھارا یہ بیٹا پستے کے تیل کا فالودہ پی رہا ہے

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ جب حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئیں اور آپ کے سامنے کچھ بڑبڑانے لگیں تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ تم فکر نہ کرو، میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارا یہ بیٹا پستے کے تیل کا فالودہ پی رہا ہے[1]۔

امام صاحبؒ کی نگاہوں نے یہ چیز تاڑ لی تھی، بعد میں ایک موقع آیا کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اسلامی سلطنت کے قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس بنے، اسی زمانے میں ہارون رشید نے ایک مجلس میں آپ سے کہا کہ میرے اور میری بیوی زبیدہ خاتون کے درمیان ایک معاملے میں اختلاف ہوگیا ہے، آپ اس کا فیصلہ کیجیے، آپ نے پوچھا کہ کیا اختلاف ہے؟ تو دونوں میں سے ایک کا نام لے کر کہا کہ وہ کہتا ہے کہ کھانوں میں فلاں کھانا سب سے عمدہ ہے اور دوسرے نے کہا کہ پستے کے تیل کا بنا ہوا فالودہ سب سے عمدہ ہے، اب آپ ہی اس کا فیصلہ کریں۔

---

(۱) تاریخ بغداد وذیوله [الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت]: ۲۴۷/۱۴، يعقوب بن إبراهيم، أبو يوسف القاضي، صاحب أبي حنيفة، رقم الترجمة: ۷۵۵۸.

ہارون رشید کے پاس امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا فالودہ پینا

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فیصلہ کا طریقہ تو یہ ہے کہ جو متنازع فیہ چیزیں ہیں، ان کو سامنے لایا جائے اور ان کے گواہوں کو سنا جائے، آپ وہ دونوں چیزیں پیش کریں۔ چنانچہ وہ دونوں چیزیں لائی گئیں، ہارون رشید نے یہ بھی کہا کہ امام صاحب! اس کو نوش فرمائیے، یہ ہم لوگوں یعنی بادشاہوں کو بھی کبھی کبھار نصیب ہوتا ہے، روزانہ نہیں، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ تھوڑی دیر اس کو پیتے تھے پھر اس کو رکھ کر دوسرے کو استعمال کرتے تھے، اس دوران پستے کے تیل کا فالودہ استعمال فرما رہے ہیں تو استعمال کرتے ہوئے مسکرانے لگے، ہارون رشید نے پوچھا کہ آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے وہ قصہ سنایا کہ میرے بچپن میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے میری والدہ سے یہ بات فرمائی تھی[1]۔

چوں کہ آپ قاضی القضاۃ تھے اور جو لوگ اس طرح کے صاحب منصب ہوتے ہیں، عام طور پر ان کے متعلق لوگوں کے دلوں میں غلط فہمیاں اور بدگمانیاں بھی ہوتی ہیں، اس لیے ان کے علمی رفیع مقام کے باوجود کچھ لوگ ان کے متعلق اچھا خیال نہیں رکھتے تھے۔

---

[1] تاریخ بغداد وذیوله [الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت]: ۱۴/۲۴۸، يعقوب بن إبراهيم، أبو يوسف القاضي، صاحب أبي حنيفة، رقم الترجمة: ۷۵۵۸.

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے میں شریک نہ ہونے پر حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا اظہارِ افسوس

آپ بیمار تھے تو اس زمانے کے ایک مشہور بزرگ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک ملنے والے سے کہا کہ معلوم ہوا ہے کہ امام ابو یوسف بیمار ہیں، جب ان کا انتقال ہو جائے تو مجھے بتانا؛ تاکہ میں ان کے جنازے میں شریک ہو سکوں۔ وہ آدمی وہاں سے چلا تو راستے ہی میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ آتا ہوا نظر آیا تو اس نے سوچا کہ اب اگر میں ان کو اطلاع کرنے جاؤں گا تو وہ شریک نہیں ہو سکیں گے۔ چنانچہ خود شریک ہو گئے اور بعد میں جا کر حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع کی تو انھوں نے بڑا افسوس ظاہر کیا۔ اس پر اس آدمی نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ایک دنیا دار آدمی تھے، حکومت کے ایک منصب پر فائز تھے، ان کے جنازے میں شرکت نہ ہونے پر آپ اتنا افسوس کیوں ظاہر کر رہے ہیں؟ تو اس پر حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ جو لوگ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے میں شریک ہوئے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا[1]۔

لوگوں کی بدتمیزیوں پر صبر کرنے کا انعام

---

(1) تاريخ بغداد وذيوله [الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت]: ۱۴/ ۲۶۲، يعقوب بن إبراهيم، أبو يوسف القاضي، صاحب أبي حنيفة، رقم الترجمة: ۷۵۵۸.

انتقال کے بعد کسی نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ لوگ میرے ساتھ جس طرح بدتمیزی کے ساتھ پیش آتے تھے اور میں اس پر صبر کرتا تھا، اس پر مجھے اللہ تعالیٰ نے اونچا مقام عطا فرمایا۔

اس میں اہل علم کے لیے سبق ہے کہ عوام کی طرف سے ان کے لیے ایسی صورتیں پیش آئیں تو صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے۔

بہر حال! امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری سے فراغت کے بعد چوں کہ مغرب کا وقت ہو چکا تھا، اس لیے وہیں پر مغرب کی نماز پڑھی اور اس دن ویسے بھی سفر کے تھکان سے چور تھے، اس لیے اپنی قیام گاہ پر آئے، اس دوران ایک لطیفہ پیش آیا، وہ بیان کر دیتا ہوں۔

جہالت کی انتہاء

ہمارے ایک ساتھی تھے، وہ جامع ابی یوسف میں نماز سے فارغ ہوئے تو کہنے لگے کہ میں ذرا حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ہو کر آتا ہوں، چنانچہ وہ وہاں گئے اور آکر کہنے لگے کہ میں نے وہاں ایک عجیب منظر دیکھا، وہ یہ کہ ایک صاحب کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگ صف بندی کیے ہوئے ہیں اور وہ مائک پر اللہ اکبر کہتے ہیں تو لوگ رکوع میں جاتے ہیں، پھر کرسی پر بیٹھے بیٹھے وہ مائک پر اللہ اکبر کہتے ہیں تو لوگ رکوع سے اٹھتے ہیں، پھر کرسی پر بیٹھے بیٹھے وہ مائک پر اللہ اکبر کہتے ہیں تو لوگ سجدے میں جاتے ہیں، اس طرح ان کے یہاں نماز ہوتی ہے، یہ شیعہ لوگ تھے۔ حالاں کہ شیعوں کے

یہاں بھی نماز کا یہ طریقہ تو نہیں لیکن یہ بھی ان کی جہالت کی انتہاء ہے کہ اس طرح نماز پڑھتے ہیں۔

پھر بعد میں کربلا جانا ہوا تو وہاں اس واقعے کی تائید ہوگئی کہ وہاں بھی ایک صاحب کھڑے کھڑے مائک پر اللہ اکبر کہتے ہیں اور لوگ سجدے میں گئے ہوئے ہیں، اتفاق سے کوئی صاحب ان کے پاس بات چیت کے لیے آ گئے تو وہ باتوں میں مشغول ہو گئے اور خیال ہی نہیں رہا پھر اِدھر مقتدیوں پر نظر پڑی تو جلدی سے اللہ اکبر کہا اور مقتدیوں کا خیال کیا۔

حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

دوسرے روز جمعہ تھا، جمعہ کے روز آرام اور ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم چلے تو حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جانا ہوا، حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات بھی خوب مشہور ہیں، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فضائل صدقات میں ان کے واقعات بیان کرتے ہیں، دوسری کتابوں میں بھی آپ نے ان کے واقعات جستہ جستہ پڑھے ہوں گے۔

حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ اور ہارون رشید

بڑے بزرگ تھے اور ہارون رشید کے زمانے میں ہوئے ہیں لیکن جذب کی سی کیفیت ان پر طاری رہتی تھی اور ہارون رشید ان سے دل لگی اور مزاح کیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ ظریفانہ پیش آتے تھے۔ ہارون رشید نے اپنے چوکیداروں سے کہہ رکھا تھا کہ یہ کسی بھی وقت آئیں تو ان کو آنے سے روکا نہ جائے، کیوں کہ ان کے آنے

سے کوئی خلل نہیں پڑتا تھا اور ان سے ظریفانہ معاملہ کرتے ہوئے کچھ دل لگی بھی کر لیا کرتے تھے۔

یہ چھڑی اس کو دے دینا جو آپ سے زیادہ بے وقوف ہو

ایک واقعہ عبرت کے لیے سناتا ہوں کہ ہارون رشید نے ایک مرتبہ ان کو ایک لکڑی دی اور کہا کہ بہلول! یہ میری ایک امانت ہے جو میں تمھارے حوالے کرتا ہوں، اگر دنیا میں آپ کو آپ کی ذات سے کوئی زیادہ بے وقوف آدمی ملے تو اس کو میری طرف سے یہ ہدیے میں دے دینا۔ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے برا مانے بغیر بڑی مسرت کے ساتھ وہ چھڑی لے لی اور اپنے پاس رکھی۔

ایک مدت کے بعد ہارون رشید بیمار ہوئے اور حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم ہوا کہ امیر المؤمنین سخت بیمار ہیں اور آخری وقت ہے تو آپ وہاں پہنچ گئے اور ان سے پوچھا کہ امیر المؤمنین! کیا حال ہے؟ تو ہارون نے جواب دیا کہ مت پوچھئے! بہت برا حال ہے، طبیعت بالکل خراب ہے اور اب تو جانے کا وقت بالکل قریب نظر آرہا ہے، سفر کا وقت قریب ہے، پوچھا: کہاں کا سفر ہے؟ جواب دیا کہ آخرت کا سفر ہے، پوچھا: کب واپسی ہے؟ جواب دیا کہ بہلول! آپ بھی ہمیشہ ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں، آخرت میں جانے والا بھی کبھی واپس آیا کرتا ہے کیا؟ پوچھا: اس سفر کے لیے کیا تیاریاں کی ہیں؟ جواب دیا کہ کوئی تیاری نہیں ہے۔

بہلول نے کہا کہ امیر المؤمنین! آپ کا حال تو یہ تھا کہ اگر تھوڑی سی دوری پر دو چار روز کے لیے کہیں جانا ہوتا تھا تو لشکر کی ایک ٹکڑی بھیج دیا کرتے تھے جو وہاں پہنچ

کر آپ کے لیے وہاں قیام کا انتظام کرتے تھے، خیمے لگاتے تھے، کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے اور آخرت کا یہ اتنا بڑا سفر ہے اور آپ خود کہہ رہے ہیں کہ اتنا دور کا سفر ہے کہ وہاں سے دوبارہ واپس آنا ناممکن ہے اور اس کے لیے آپ نے کوئی تیاری نہیں کی! آپ کی ایک امانت میرے پاس ہے کہ آپ نے کسی وقت مجھے ایک چھڑی امانت دی تھی اور کہا تھا کہ اگر آپ کو آپ سے زیادہ بے وقوف مل جائے تو یہ چھڑی اس کے حوالے کر دینا، مجھے تو اس وقت آپ سے زیادہ کوئی بے وقوف نظر نہیں آتا کہ دنیا کے چند روزہ سفر کے لیے تو آپ ایسی پرزور تیاریاں کرتے اور کراتے تھے اور اتنے لمبے سفر کے لیے آپ نے کوئی تیاری ہی نہیں کی، اس لیے یہ چھڑی میں آپ کے حوالے کرتا ہوں، یہ آپ ہی رکھئے۔ یہ ایک عبرت کی چیز ہے، ہم میں سے ہر ایک اس حماقت میں مبتلا اور اس کا شکار ہے۔

حضرت یوشع بن نونؑ کے مزار پر

حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب ایک دوسرا مزار تھا جو حضرت یوشع بن نون علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا بتلایا جاتا ہے، آپ انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں، ویسے حضرت یوشع بن نونؑ کا ایک مزار اُردُن میں بھی ہے اور محققین نے اسی کو زیادہ معتبر بتایا ہے، اس لیے کہ تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا میدانِ عمل وہی اردن کا علاقہ تھا، نہ کہ عراق کا علاقہ، اس لیے کہ حضرت یوشع بن نون علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے خادم ہیں، چنانچہ قرآنِ پاک میں جہاں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما الصلوۃ والسلام کا واقعہ بیان کیا گیا

ہے یعنی ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ﴾ [الکہف: ٦٠] میں تو مفسرین نے ''فَتیٰ'' کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ حضرت یوشع بن نون علیہ الصلوۃ والسلام ہیں، ان کے کچھ اور واقعات بھی ہیں جہاں ان کا نام تو نہیں آیا لیکن مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد حضرت یوشع بن نون علیہ الصلوۃ والسلام ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے وفات کے وقت ان ہی کو اپنا جانشین بنایا تھا اور بعد میں ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نبوت بھی دی گئی اور پھر جو لوگ فلسطین کے اوپر، یروشلم کے اوپر قابض تھے، بنی اسرائیل کے ساتھ مل کر ان کے ساتھ انھوں نے ہی جہاد کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے میں جہاد کا حکم دیا گیا تھا لیکن بنو اسرائیل تیار نہیں ہوئے تھے اور یہ کہہ کہ جہاد سے پیچھے ہٹ گئے تھے: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۝۲۴﴾ [المائدۃ]، بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ ایک میدان میں سالہا سال تک سرگرداں رہے اور ان کی نسل ختم ہوگئی اور دوسری نسل آئی تو اس دوسری نسل کے ساتھ مل کر حضرت یوشع بن نون علیہ الصلوۃ والسلام نے جہاد کیا اور یروشلم کو فتح کیا۔

بعض انبیاء جن کے دو دو مزار ہونے کا تذکرہ ہے

تو یہاں بھی حضرت یوشع بن نون علیہ الصلوۃ والسلام کا مزار بتلایا جاتا ہے، بعض انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے متعلق یہ دیکھا گیا کہ دو دو جگہ ان کا مزار بتایا گیا ہے، جیسے حضرت یونس علیہ الصلوۃ والسلام کا مزار ہے کہ عراق کے موصل میں بتایا گیا اور جب فلسطین/ یروشلم پہنچے تو اس کے علاقے اریحا میں جب ہم گئے تو وہاں

بتایا گیا کہ یہ حضرت یونس علیہ الصلوۃ والسلام کا مزار ہے تو ایسا ہے کہ ایک ہی نبی کے متعلق دو دو جگہ مزارات بتائے جاتے ہیں پھر محققین اپنی اپنی تحقیق کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

انبیائے کرامؑ کی قبروں کے متعلق ایک اصول

ایک بات یاد رہے جو وہاں بھی میں اپنے ساتھیوں کو کہتا رہا کہ کتابوں میں یہ بات صراحت کے ساتھ لکھی ہوئی ہے کہ بلا کسی تردد کے حتمی اور یقینی طور پر کسی نبی کی قبر کے متعلق کہا جا سکتا ہے تو وہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے، دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے متعلق کوئی حتمی اور یقینی بات نہیں کہی جا سکتی، بس مشہور ہیں اور قرائن اور شواہد کی روشنی میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ فلاں نبی کی قبر ہو، یہ سب نبی کی قبروں کے متعلق کہا جاتا ہے۔

چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی قبر مبارک کے بعد ہمارے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ کسی اور نبی کی قبر پر حاضری کی نوبت آئی ہو، اس لیے وہاں بھی فاتحہ خوانی کی۔

حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر

اس کے بعد ہم حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر گئے، حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں، ان ہی کے تربیت یافتہ ہیں اور ہمارے تصوف کے سلسلے میں یہ بھی آتے ہیں اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں ہوتے

ہیں، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بھانجے ہیں اور ان ہی کے خلیفہ ہیں اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ان ہی کے پاس تربیت پائی ہے اور ان دونوں کے مزار ایک ہی کمرے میں ساتھ ساتھ ہیں۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

اور پھر وہاں سے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری ہوئی، ان کا مزار وہاں سے قریب ہی ہے اور وہاں بڑا مشہور ہے اور صدام حسین نے وہاں ایک بہت بڑی مسجد بنائی ہے جو بہت شان دار اور بہت اونچائی کے اوپر ہے، اہل بغاد میں یہ مشہور تھا کہ اگر بارش نہ ہو اور حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے بارش کی دعا کی جاتی ہے تو ان کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ اس دعا کو قبول فرماتے ہیں اور ویسے بھی بعض اہل مصیبت وہاں جا کر دعا کرتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرماتے ہیں، اس لیے ان کا مزار قدیم زمانے سے خاص زیارت گاہ سمجھی جاتی ہے۔ الغرض! وہاں زیارت کے لیے گئے اور فاتحہ خوانی کی۔

نصرانیت سے اسلام کی طرف

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ پہلے عیسائی تھے، بعد میں اسلام لائے، بچپن میں ان کو ان کی والدہ نے ایک عیسائی راہب کے حوالے کیا تھا کہ ان کی تربیت کرے لیکن وہ وہاں جانے کے بجائے مسلم اساتذہ کے پاس جاتے تھے اور اسلام کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور اس کی وجہ سے ان کا عیسائی معلم ان کی پٹائی کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ

زیادہ پٹائی کی تو بھاگ گئے، ان کی والدہ کو ان سے بڑی محبت تھی، انھوں نے کہا کہ جب وہ آجائیں گے تو ان کو اختیار ہوگا کہ وہ جس مذہب کو چاہیں، اختیار کریں، میں ان کو نہیں روکوں گی۔

چنانچہ ایک مدت کے بعد جب آپ آئے تو والدہ نے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میرا مذہب تو اسلام ہے اور پھر ان کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے پورے خاندان کو اسلام کی دولت سے نوازا۔

حضرت شیخ عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب حضرت شیخ عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے جو عوارف المعارف کے مصنف اور سلسلۂ سہروردیہ کے بانی سمجھے جاتے ہیں، ان کے مزار پر جانا ہوا، یہ بھی بڑے بزرگ ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

پھر جمعہ کا وقت قریب تھا، اس لیے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق جامع ابوحنیفہ جانا ہوا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب ایک بہت بڑی مسجد ہے، ہم تو جمعہ کی نماز سے پہلے ہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچے، الحمد للہ! وہاں بہت سکون اور اطمینان محسوس ہوا اور جتنے لوگ بھی جاتے ہیں، وہ اس کو بیّن طور پر محسوس کرتے ہیں کہ وہاں حاضری پر ایک خاص سکینہ کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اور دوسرے مزارات پر جو بدعات نظر آتی ہیں، یہاں ایسی کوئی بدعت بھی نظر نہیں آئی، ویسے مزار تو

پختہ بنا ہوا ہے لیکن بغداد اور عراق کے دوسرے علاقوں میں جو مزارات دیکھے اور وہاں صاحب مزار کے ساتھ لوگ جو معاملہ کرتے ہیں، پیسے ڈالے جاتے ہیں، دوسری چیزیں چڑھائی جاتی ہیں، ایسی خرافات وہاں نظر نہیں آئیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہاں ایسی بدعات نہیں ہوتیں۔

جامع ابی حنیفہؒ میں بدعات کا زور

پھر جمعہ کا وقت قریب آیا تو وہاں جامع ابی حنیفہ ہی میں ہم نے نماز پڑھی، امام صاحبؒ کی قبر کا جو مجاور تھا، اس نے بتایا کہ جامع مسجد کے جو امام ہیں عبدالغفور قیسی، وہ بڑے عالم ہیں۔ مسجد میں پہنچے تو جمعہ کی اذان ہوئی اور جمعہ کی نماز کے بعد وہاں بہت زیادہ بدعات نظر آئیں، پہلے تو اذان کے بعد مؤذن صاحب نے ''الصلوٰۃ والسلام علیك یاحبیبی یارسولَ اللّٰه'' پڑھا پھر تھوڑی کے دیر کے بعد ایک صاحب کھڑے ہوئے اور تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھی اور عربی میں کہا کہ اس کا ثواب نبیٔ کریم صلی اللّٰه علیه وسلم کو اور تمام انبیاء کو اور پوری امت کو پہنچے اور پھر فاتحہ پڑھی، تھوڑی دیر کے بعد جمعہ کے خطبے کے لیے اذان ہوئی اور امام صاحب نے بڑا طویل خطبہ دیا، خطبے کے درمیان بیٹھے تو اس وقت بھی مؤذن صاحب کچھ دعائیہ کلمات زور زور سے پڑھنے لگے، حالاں کہ ہم احناف کے یہاں اس کی اجازت نہیں ہے۔

شیخ ابوالحسن النوری رحمۃ اللّٰہ علیہ کے مزار

چوں کہ دوپہر کا کھانا کھانا تھا، اس لیے جمعہ کی نماز سے فارغ ہوکر کھانے کے

لیے چلے، ایک ساتھی لے کر چل رہے تھے، اس دوران ایک جگہ تلاش کی شیخ ابوالحسن النوری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی، وہ بھی ایک بزرگ گذرے ہیں، ان کے مزار سے متصل ایک خالی کمرہ تھا، وہاں ہم نے کھانا تناول کیا۔

شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

وہاں سے فراغت کے بعد ہم حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچے جو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں اور بڑے بزرگ گذرے ہیں، یوں ہمارا وہ دن پورا ہوا۔

ویسے بغداد میں ہمارا قیام سات روز رہا، اس سات روزہ قیام کے دوران بغداد کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی آنا جانا ہوتا رہا۔

عراق میں مساجد کی قلت

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ہم بغداد میں جہاں مقیم تھے، وہاں قریب میں کوئی مسجد موجود نہیں تھی، اور جگہ بھی مسجدیں کم ہی نظر آئیں، اگر آپ ہمارے ملک میں مسلمانوں کے کسی شہر میں چل رہے ہوں تو وہاں آپ کو جگہ جگہ بڑی شان دار مینار والی مسجدیں نظر آتی ہیں، ایسی مساجد وہاں کم نظر آئیں، معلوم نہیں اس کی کیا وجہ تھی، چوں کہ وہاں شیعوں کی آبادی بھی ہے اور جہاں شیعہ ہوا کرتے ہیں، وہاں مسجدیں نہیں ہوا کرتیں، امام باڑہ ہوتا ہے، جس کو وہاں کے لوگ ''حسینیہ'' کہتے ہیں۔

میں نے وہاں خاص نوٹ کیا، جہاں ہم مقیم تھے، چوں کہ صبح صادق کے وقت

کا میں خاص منتظر رہتا تھا کہ کہیں سے اذان کی آواز آئے تو بہت توجہ سے سننے پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کہیں دور سے اذان کی آواز آرہی ہے، ایسا نہیں ہے، جیسا ہمارے یہاں مسلم علاقوں میں ہوتا ہے کہ دس، پندرہ منٹ تک اذانوں کا ایک سلسلہ جاری رہتا ہے، کیسا ہی اونگھنے والا ہو، اذانوں کی مسلسل آواز سن کر اس کی آنکھ کھل جاوے۔

بغداد: کبھی عروس البلاد تھا، اب شہرِ خموشاں ہے

اور وہاں لوگوں میں بھی نمازوں کا زیادہ اہتمام نہیں دیکھا، ایسا لگتا ہے کہ وہاں لوگوں کو دنیا ہی کی طرف ڈال دیا گیا ہے، دینی ذہنیت کم نظر آتی ہے، وہ بغداد جو علم کا مرکز سمجھا جاتا تھا اور ہمارے بڑے بڑے فقہاء، محدثین، نحات اور ہر علم کے ماہرین وہاں پیدا ہوئے اور اس کی ایک تاریخ ہے، خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے تو بغداد میں پیدا ہونے والے اہل علم کی تاریخ پر ایک مستقل ضخیم کتاب ''تاریخ بغداد'' کے نام سے لکھی ہے لیکن آج ہم وہاں دیکھیں تو ایک دم سناٹا نظر آتا ہے، کوئی علمی، روحانی اور دینی چہل پہل نظر نہیں آتی، ان کی نمازیں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مسائل سے بھی واقف نہیں ہیں، ایسی جہالت عام ہو چکی ہے۔

وہاں دینی تعلیم کے لیے باقاعدہ مدارس کا کوئی نظم نہیں ہے، بالکل آزاد مدارس ہیں، ہم اپنے یہاں جیسے اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے مکاتب قائم کرتے ہیں اور اعلیٰ تعلیم کے لیے بڑے مدارس اور دارالعلوم قائم کرتے ہیں، وہاں ایسا کوئی سلسلہ نہیں ہے، وہاں سرکاری اسکولیں ہیں جن میں دینی علوم ایک سبجیکٹ کی حیثیت سے پڑھائے جاتے ہیں لیکن آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔

کِسریٰ کا محل

دوسرے روز ہمارا طاقِ کِسریٰ جانا ہوا، جہاں کِسریٰ کا محل ہے، وہاں اس کا محراب بہت ہی اونچا ہے، اس سے اس محل کی شان وشوکت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، آج تک اس کا ایک نمونہ محراب کی شکل میں موجود ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللّٰہ تعالی عنہ کے مزار پر

اس کے قریب ہی حضرت سلمان فارسی رضی اللّٰہ تعالی عنہ کا مزار ہے، چوں کہ وہ اپنے زمانے میں مدائن کے امیر رہے ہیں اور وہیں ان کا انتقال ہوا، اس لیے وہیں پر ان کا مزار بنا۔

حضرت سلمان فارسیؓ تلاشِ حق میں

حضرت سلمان فارسی رضی اللّٰہ تعالی عنہ اصل فارِس کے رہنے والے تھے، بڑی عمر پائی، پہلے آپ مجوسی، آتش پرست تھے جس کو ہمارے یہاں پارسی اور ''اگنی پوجک'' کہتے ہیں لیکن آپ شروع ہی سے مذہب حق کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے، اسی کے نتیجے میں آپ نے نصرانیت اور عیسائیت قبول کی، اس کے بعد مختلف راہبوں اور عابدوں کی خدمت میں رہے، ایک کے پاس رہتے تھے، اس کی موت کا وقت آتا تھا تو اس سے پوچھتے تھے کہ آپ کے بعد میں کس کی خدمت میں رہوں، وہ کسی نیک آدمی کا نام بتادیا کرتا تھا، اس طرح آپ دو تین راہبوں کے پاس رہے، اخیر میں ایک راہب نے کہا کہ اب تو کوئی ایسا نیک نظر نہیں آتا کہ جس کا پتہ میں تمھیں بتاؤں لیکن ہماری آسمانی

کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیٔ آخر الزمان کے ظہور کا وقت اب قریب آچکا ہے اور وہ ایسے علاقے میں ظاہر ہوں گے، جہاں کھجور کے درخت بہت بڑی تعداد میں ہوتے ہیں اور کچھ علامتیں بتائیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک یہودی کی غلامی میں

ان ہی علامتوں کے بنیاد پر یہ سمجھ کر کہ شاید وہ مدینہ منورہ ہو، جو اس زمانے میں یثرب کے نام سے مشہور تھا، اس کے لیے روانہ ہوئے، آپ جس قافلے کے ساتھ سفر کر رہے تھے، اس پر راستے میں ڈاکہ پڑا، ڈاکوؤں نے آپ کو گرفتار کر کے غلام بنالیا اور ایک یہودی کے ہاتھوں فروخت کر دیا اور اتفاق کی بات کہ وہ یہودی مدینہ منورہ ہی کا رہنے والا تھا، وہاں رہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کی تین علامتیں

بعد میں جب نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آخری راہب نے آپ کو نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو علامتیں بتائی تھیں، وہ تین تھیں: (۱) صدقہ قبول نہیں کریں گے۔ (۲) ہدیہ قبول کریں گے، اس کو کھائیں گے۔ (۳) ان کی پشت پر نبوت کی مہر ہوگی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کی تین علامتوں کو معلوم کرنے کے سلسلے میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی چارہ جوئی

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ پہلے روز نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجوریں لے کر حاضر ہوئے اور آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ صدقہ ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تو صدقہ نہیں کھاتے، غرباء کو دے دو، چنانچہ آپ نے اس میں ہاتھ نہیں ڈالا اور دوسروں کو دے دیا گیا۔

دوسرے روز بھی کھجوریں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ ہدیہ ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرما کر خود بھی تناول فرمایا اور دوسرے حضرات کو بھی شریک کیا۔ جب یہ دونوں علامتیں متحقق ہوگئیں تو وہ اٹھے اور پیچھے کی طرف گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ وہ کیوں اٹھے ہیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے کی طرف سے چادر اٹھا دی اور انھوں نے مہر نبوت کو دیکھ لیا اور اس کو بوسہ دیا اور اسی وقت کلمہ پڑھ لیا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی آزادی کے لیے یہودی آقا کی شرطیں

چوں کہ یہ غلام تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی آزادی کے واسطے اپنے آقا سے گفتگو کرو۔ اس زمانے میں غلاموں کی آزادی کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ غلام اپنے آقا کے ساتھ مال کی ایک مقدار مقرر کرلیا کرتا تھا کہ میں تمھیں اتنا مال دوں گا، اس مال کی ادائیگی پر میں آزاد قرار پاؤں گا، اس کو عقد کتابت کہا جاتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ مشورہ دیا۔

مالک یہودی تھا، بڑا گھا گھ قسم کا آدمی تھا، اس نے عقد کتابت تو منظور کرلیا لیکن

بدلِ کتابت کے لیے بڑی کڑی شرط لگائی، وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ میں نے ایسی شرط لگائی ہے کہ وہ اس کو پوری کر ہی نہیں سکیں گے، وہ شرط یہ تھی کہ تین سو درخت کھجور کے لگائیں گے اور وہ بڑے ہوں، ان پر پھل آجائیں اور اتنا مثقال سونا دینا ہوگا، سونے کی بھی بہت بڑی مقدار تھی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرط بیان کردی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انتظام فرمادیں گے۔

حضرت سلمانؓ کی آزادی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ معجزے

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سونا آیا جو بظاہر کم تھا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ کو فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور تول کر آقا کو ادا کردو، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کو تولا تو اتنا ہی نکلا، جتنی کی آقا نے شرط لگائی تھی، اس طرح سونے والی شرط پوری ہوگئی۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود وہاں تشریف لے گئے، جہاں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ کو پودے لگانے کا ان کے آقا نے حکم دیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۹۹/ پودے خود اپنے دست مبارک سے لگائے اور ایک پودا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے لگادیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پودے اپنے دست مبارک سے لگائے تھے، اس میں تو اسی سال پھل آگئے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا لیکن ایک میں نہیں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس میں

پھل کیوں نہیں آئے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! یہ ایک پودا میں نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو نکال کر دوبارہ لگایا تو اسی وقت اس میں بھی پھل آ گیا۔ اس طرح شرط پوری ہوئی اور آزاد ہو گئے[1]۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی خدمات

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ کی بڑی خدمات ہیں، آگے چل کر عجم کا علاقہ اور خاص کر کے فارس کا علاقہ فتح ہوا تو اس علاقے میں ان کو باقاعدہ سپہ سالار کی حیثیت سے بھی بعض جنگوں میں بھیجا گیا اور مدائن کہ جہاں ہم گئے تھے، وہاں کے گورنر بھی رہے اور بڑی سادہ زندگی تھی۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی سادگی

ایک مرتبہ اپنی اسی گورنری کے زمانے میں راستے سے گذر رہے تھے، باہر کا کوئی تاجر سامان لے کر آیا ہوا تھا اور سامان اٹھانے کے لیے ان کو مزدور کی ضرورت تھی، وہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ کو مزدور سمجھ بیٹھا اور کہا کہ یہ سامان اٹھا، آپؓ نے وہ سامان اٹھالیا، اب راستے سے گذر رہے ہیں، جب بستی میں پہنچے تو لوگ ان کو سلام کر رہے ہیں، کسی نے کہا کہ یہ تو یہاں کے گورنر ہیں، یہ سن کر وہ تاجر ڈر گیا کہ

---

[1] الشمائل المحمدية، عَنْ أَبِي بُرَيْدَةَ رضی اللّٰه تعالی عنه، بَابُ مَا جَاءَ فِي خَاتَمِ النُّبُوَّةِ، رقم الحديث: ۲۱.

میں نے بڑی غلطی کردی، پتہ نہیں، اب میرا کیا حال ہوگا اور کہا کہ آپ میرا یہ سامان اتار دیجیے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک خاص نیت سے سامان اٹھایا تھا، تم مسافر تھے، میں نے اپنے دل میں یہ نیت کی تھی کہ اس مسافر کی میں مدد کروں، اس لیے یہ سامان جہاں تک پہنچانا ہے، وہاں تک نہ پہنچاؤں، وہاں تک میں سامان اتاروں گا نہیں، یہ آپ کی سادگی کا عالم تھا۔

مدائن میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں ان کا مزار بھی ہے، وہاں حاضری ہوئی۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے مزار

ان کے مزار کے قریب دوسرے حجرے میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار ہے۔

صاحب سر الرسول

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابہؓ میں سے ہیں، صاحب سرِّ الرسول یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار کے لقب سے جانے جاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کچھ منافقین کے نام بتائے تھے جو کسی اور کو بتائے نہیں گئے تھے، اس لیے ان کا یہ لقب تھا، ان کے اور بھی بڑے فضائل ہیں۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ اپنے والد کے ساتھ کفار کی قید میں

غزوۂ بدر کے موقع پر یہ اپنے والد کے ساتھ اسلام قبول کرنے کی نیت سے اپنے قبیلے سے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہے تھے، راستے

میں کفارِ مکہ کا لشکر مل گیا جو مدینہ منورہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے جا رہا تھا تو آپؓ ان کفار کے ہاتھ لگ گئے، انھوں نے ان کو پکڑ لیا اور پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ فرمایا کہ مدینہ منورہ جا رہے ہیں، یہ سن کر انھوں نے ان کو پکڑ لیا، انھوں نے کہا کہ ہم کو چھوڑ دو تو کفارِ مکہ نے کہا کہ اگر ہم تم کو چھوڑ دیں گے تو تم ان مسلمانوں کا ساتھ دو گے جو ہمارے مقابلے کے لیے آ رہے ہیں، اگر تم یہ وعدہ کرو کہ ان کے ساتھ رہ کر تم ہمارے ساتھ نہیں لڑو گے تو ہم چھوڑ دیں گے، انھوں نے وعدہ کر لیا تو کفار نے چھوڑ دیا۔

اسلام میں ایفائے وعدو عہد کی تاکید

پھر جب نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ بدر کے قریب پہنچ چکے تھے، انھوں نے اپنا سارا واقعہ سنایا اور درخواست کی کہ ہم کو بھی لشکر میں شریک ہونے کی اجازت دی جائے تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! ہم تو وعدہ پورا کرنے کی تعلیم دیتے ہیں، حالاں کہ اس موقع پر مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی اور ان کے مقابلے میں کافروں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ بھی ساز وسامان سے لیس تھی۔

دیکھیے! نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف سے وعدے کے ایفاء کا کتنا زیادہ اہتمام ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کے ساتھ جو وعدے کرتے ہیں، ان کو پورا کرنے کا اہتمام بھی نہیں کرتے۔

حضرت حذیفہؓ اور ان کے دوسرے ساتھیوں کے جسموں کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا ایمان افروز واقعہ

بہر حال! وہاں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالی عنہ کا مزار بھی تھا۔ ان کا واقعہ مشہور ہے کہ پہلے ان کا مزار کسی دوسری جگہ پر تھا، جہاں دجلہ کا کچھ پانی آرہا تھا، یہ آج سے کچھ سو، سوا سو سال پہلے کا واقعہ ہے، اس وقت کا جو بادشاہ تھا، اس نے خواب میں دیکھا کہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہماری نعش کو دجلہ کا پانی لگ رہا ہے تو ہماری نعشوں کو یہاں سے دوسری جگہ منتقل کیا جائے۔ بادشاہ نے خواب سمجھ کر اس پر عمل نہیں کیا اور کوئی تحقیق نہیں کروائی لیکن مسلسل دوسرے اور تیسرے روز بھی یہی خواب دیکھا۔

جب تیسرے روز بھی وہی خواب دیکھا تو بادشاہ نے اہل علم کو جمع کر کے مشورہ کیا، مشورے کے بعد یہ طے ہوا کہ ان کی قبروں کو کھود کر ان کے جسموں کو دوسری جگہ منتقل کیا جائے۔ چنانچہ اس کا باقاعدہ اعلان کیا گیا کہ فلاں تاریخ کو ان کے جسموں کو دوسری جگہ منتقل کیا جائے گا۔

چوں کہ حج کا زمانہ قریب تھا، عراق والوں کے ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہوا تو سب نے باقاعدہ درخواست کی کہ تاریخ ذرا مؤخر کر دی جائے، تاکہ حج سے فراغت کے بعد ہم بھی اس منظر کو دیکھ سکیں۔

چنانچہ حج سے فراغت کے بعد کی ایک تاریخ اس کے لیے طے کی گئی، عراق کے لوگ تو وہاں تھے ہی، دوسرے ملکوں کے بھی بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے اور ایک

بڑے مجمع کے سامنے ان کی قبروں کو کھولا گیا اور ان کے جسموں کو وہاں سے نکال کر اس جگہ جہاں اس وقت مدفون ہیں، منتقل کیا گیا۔

جب ان کے جسموں کو نکالا گیا تو ان کے جسم ایک دم تر و تازہ تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج ہی ان کی وفات ہوئی ہے بلکہ ایک ماہر چشم، آئی اسپشیالسٹ ڈاکٹر جو غیر مسلم تھا، اس نے ان کی آنکھیں دیکھ کر کہا کہ آدمی جب مرتا ہے تو اس وقت اس کی آنکھوں میں جو تھوڑی بہت چمک ہوتی ہے، اب بھی ویسی ہی چمک ان کی آنکھوں میں موجود ہے اور یہ دیکھ کر کے وہ ایمان لے آیا۔

شیعوں کی مسجد نہیں ہوتی

تو اس مزار پر بھی حاضری ہوئی، اس کے بعد شام کو مغرب کے وقت ہم واپس ہو رہے تھے، ہم نے اپنے گائیڈ سے کہا کہ اگر قریب کوئی مسجد ہو تو مغرب کی نماز کے لیے وہاں لے چلو تو وہ ہمیں قریب میں ایک چھوٹی سی بستی میں لے گیا، جہاں ایک مسجد تھی، مغرب کی نماز ختم ہونے کو تھی، ہم نے نماز پڑھ لی، ہمارے ساتھیوں میں سے کسی نے پوچھا کہ یہاں شیعہ بھی ہیں، سنی بھی ہیں تو یہ مسجد کہیں شیعوں کی تو نہیں ہے؟ تو اس نے کہا کہ دیکھو! مسجد ہے تو سنیوں ہی کی ہوگی، کیوں کہ شیعوں کی تو مسجد ہوتی ہی نہیں ہے، ان کے یہاں تو امام باڑہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں فرماتے

خیر! ہم مسجد میں گئے، اتفاق کی بات کہ امام صاحب بھی بڑے متشرع نظر آ

رہے تھے، چوں کہ ہم تاخیر سے پہنچے تھے، اس لیے ہم اپنی نماز پڑھنے لگےلیکن باہر انھوں نے انتظار کیا اور بڑے اخلاق سے پُر تپاک انداز میں ہم سے ملے، ہمارے ساتھیوں سے بھی ملے، ان کے ساتھ بھی کچھ نوجوان تھے، ان کے انداز سے معلوم ہوا کہ وہ وہاں نوجوانوں میں کچھ دینی کام کرتے ہیں، دوسرے نوجوانوں کو بھی دیکھا، ان میں بھی دینی جذبہ موجود تھا اور وہ ان کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، انھوں نے بہت اصرار کیا کہ کھانا کھا کر جائیں، ہم نے کہا کہ ہمارا کھانا اپنی قیام گاہ پر تیار ہے تو انھوں نے ٹھنڈا منگوایا اور اس سے ہماری مہمان نوازی کی۔ ہم نے اس سے یہ محسوس کیا کہ جگہ کیسی ہی کیوں نہ ہو، اگر اہل علم وہاں اپنے طور پر بھی محنت کریں، کوئی ایک آدمی بھی وہاں محنت شروع کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی محنت کو ضائع نہیں کرتے، ورنہ عراق میں کہیں بھی ہمیں ایسا منظر دیکھنے کو نہیں ملا، اس چھوٹی سی بستی میں جہاں ہم نے مغرب کی نماز پڑھی، وہاں یہ منظر دیکھا۔

میں نے محسوس کیا کہ یہ امام صاحب ان نوجوانوں پر محنت کر رہے ہیں، کیوں کہ سارے نوجوان ان کو گھیرے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ان کی ہر بات ماننے کے لیے تیار ہیں، اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ایک عالم دین اگر اللہ تعالیٰ کے واسطے اخلاص کے ساتھ محنت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی محنت کو ضائع نہیں کرتے۔

بصرہ کا سفر

بہر حال! وہاں مغرب کی نماز پڑھ کے ہم اپنی قیام گاہ پر پہنچے، اگلے روز ہمارا سفر بصرہ کا طے تھا، بغداد سے بصرہ ۵۶۰ رکیلومیٹر دور ہے، اس لیے صبح چار بجے ہی بس

میں سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور دو پہر کو تقریباً ایک بجے بصرہ پہنچے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

ہم سب سے پہلے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر پہنچے، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ دونوں کا مزار قریب قریب ہے، دونوں تابعین میں سے ہیں، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے سبھی واقف ہیں، تصوف کے سلسلے میں وہ بھی آتے ہیں، ہمارا جو چشتی سلسلہ ہے، اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے بعد ان ہی کا نام آتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی فصاحت وبلاغت کا سبب

بڑے فقیہ، محدث اور فصیح و بلیغ زبان استعمال کرنے والے بزرگ تھے، ان کی والدہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے یہاں خدمت کیا کرتی تھیں تو ان کو ان ہی کے گھر چھوڑے رکھتی تھیں، وہ کسی کام سے کہیں جاتیں اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ رونے لگتے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا ان کو اپنی چھاتی سے لگاتیں، جیسے بچوں کی تسلی کے لیے ماں ان کو اپنی چھاتی سے لگاتی ہیں، علماء کہتے ہیں کہ ان کی فصاحت وبلاغت اسی کا اثر تھا[1]۔

---

(۱) أخبار القضاة للإمام وكيع [الناشر: المكتبة التجارية الكبرى، بشارع محمد علي بمصر لصاحبها: مصطفى محمد]: ۲/۵.

حضرت امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

اور اس کے بعد امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر حاضری ہوئی جو کہ خواب کی تعبیر کے امام سمجھے جاتے ہیں اور ان دونوں حضرات کے نام کتب حدیث میں بار بار آتے ہیں، ان کی قبر پر فاتحہ خوانی کی۔

حضرت زبیر بن عوامؓ کے مزار پر

وہاں سے حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، جو صحابہؓ میں سے ہیں، عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، نبیؑ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بھتیجے کے بیٹے ہوتے ہیں، نیز حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ہم زلف بھی ہیں، کیوں کہ ان کے نکاح میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی صاحب زادی حضرت اسماء رضی اللہ تعالی عنہا تھیں، اس معنی کر کے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ''ساڑھو بھائی'' بھی ہوتے ہیں۔

حضرت زبیر بن عوامؓ کی جرأت و دلیری

آپ بڑے جری، شجاع اور بہادر سمجھے جاتے تھے، لڑائی کے موقع پر ان کی بہادری کے بڑے عجیب و غریب کارنامے ہیں، ایسے ایسے کام کہ کوئی دوسرا کرنے کی ہمت نہیں کرتا تھا، وہ انجام دیا کرتے تھے۔

دو خوش نصیب صحابی جن کو

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي'' فرمایا

غزوۂ خندق کے موقع پر ایک مرتبہ ضرورت پیش آئی کہ مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو جس قلعے میں رکھا گیا تھا، اس کے قریب یہودی قبیلہ بنوقریظہ آباد تھا جنھوں نے غداری کی تھی، ان کے حالات معلوم کرنے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا تو یہی تیار ہوئے، تین مرتبہ اعلان کیا تو تینوں مرتبہ یہی اٹھے اور وہاں جا کر وہاں کے حالات کی پڑتال کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی، اسی موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان سے کہا تھا: ''فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي'' کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں[①]۔

صحابہؓ میں سے دو ایسی شخصیتیں ہیں جن کو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد فرمایا ہے، ایک حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ اور دوسرے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ[②]، دونوں عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں یعنی ان دس خوش نصیب صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین میں سے کہ جن کو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی

---

① الاستيعاب في معرفة الأصحاب[الناشر: دار الجيل، بيروت]: ۵۱۳/۲، الزبير بن العوام بن خويلد بن أسد بن عبد العزى بن قصي القرشي الأسدي، رقم الترجمة: ۸۰۸.

② الاستيعاب في معرفة الأصحاب[الناشر: دار الجيل، بيروت]: ۶۰۷/۲، سعد بن أبي وقاص، رقم الترجمة: ۹۶۳.

علیہ وسلم نے جنت کی بشارت سنائی تھی اور یہ دونوں ایسے ہیں کہ جن کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ’’فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي‘‘ کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کو غزوۂ احد کے موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ کلمات کہے تھے۔

حواریٔ رسول

حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ حواریٔ رسول بھی کہلاتے ہیں، حواری خاص مددگار کو کہتے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ: ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے، خصوصی مددگار ہوتا ہے اور میرے خصوصی مددگار زبیر ہیں[1]۔

حضرت زبیرؓ کی بے مثال شجاعت

حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کی بہادری کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں رومیوں کے ساتھ جو فیصلہ کن جنگ ہوئی، جو جنگ یرموک کے نام سے مشہور ہے، اس میں رومیوں کی لاکھوں کی تعداد تھی، مسلمانوں کے لشکر میں سے بعض صحابہؓ نے ان سے کہا کہ آپ حملہ کریں، ہم آپ کے ساتھ ہیں، انھوں نے کہا کہ دیکھو! تم میرا ساتھ نہیں دے سکو گے، پیچھے رہ جاؤ گے تو صحابہؓ نے کہا کہ نہیں، ہم

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، بَابُ مَنَاقِبِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ، رقم الحديث: ۳۷۱۰.

آپ کے ساتھ ہی رہیں گے۔ آپ حملہ کیجیے۔

ایسے موقع پر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو جری اور بہادر ہوتا ہے، اس کو آگے کیا جاتا ہے کہ آپ حملہ کیجیے، ہم پیچھے آپ کے ساتھ ہی ہیں، جیسے تالاب میں نہانے کے لیے جاتے ہیں تو جو تیراکی میں زیادہ ماہر ہوتا ہے، اس کو دوسرے کہتے ہیں کہ تم چھلانگ لگاؤ، ہم بھی تمھارے پیچھے چھلانگ لگائیں گے، اس کی ہمت دیکھ کر دوسرے بھی کودتے ہیں۔

چنانچہ آپ آگے بڑھے تو روایتوں میں آتا ہے کہ پورے لشکر کو جو لاکھوں کی تعداد میں تھا، مارتے، کاٹتے، چیرتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے، دیکھا تو ساتھیوں میں سے تو کوئی بھی نہیں ہے، اکیلے ہی پہنچ گئے تھے پھر وہاں سے واپس لوٹے، دشمنوں نے ان کو گھیر لیا اور زخم بھی آئے لیکن شہید تو نہیں کر پائے①۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت

واقعۂ جمل میں شرکت کی لیکن ان کو یہ احساس ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو آپ وہاں سے واپس جارہے تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنه کے قاتلین میں سے کوئی پیچھے سے آیا اور آپ کو شہید کردیا، بصرہ ہی میں آپ رضی اللہ عنہ کا مزار ہے اور مزار ہی کے قریب مسجد ہے، ہم ان کی مزار پر گئے اور فاتحہ خوانی کی۔

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کے مزار پر

---

① صحیح البخاری، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ رضی اللہ تعالی عنهما، بَابُ مَنَاقِبِ الزُّبَيْرِ بْنِ العَوَّامِ، رقم الحدیث: ۳۷۲۱.

وہاں سے تھوڑے سے فاصلے پر، اسی مسجد کے دوسرے کونے میں حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالی عنہ کا مزار ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے جب بصرہ کو آباد کرنے کا ارادہ کیا تھا تو اس موقع پر ان ہی حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالی عنہ کو اس کا ذمہ دار بنایا تھا۔ یہ سابقین اولین میں سے ہیں، شروع میں جو لوگ اسلام لائے تھے، ان میں سے ہیں، مہاجرین اولین میں سے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کو بصرہ کا نقشہ تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی، گویا بصرہ شہر کے آرکیٹیک یہ ہیں، انھوں نے نقشہ بنایا اور اسی کے مطابق بصرہ شہر آباد کیا گیا تھا۔

خطوۂ علیؓ

وہاں سے ایک جگہ جانا ہوا جو خطوۂ علی کے نام سے جانی جاتی ہے، حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالی عنہ نے اس زمانے میں وہاں جامع مسجد بنائی تھی، اس وقت تو وہ مسجد چھوٹی اور معمولی سی ہے، گائیڈ نے بتایا کہ اسی کے قریب جنگ جمل پیش آئی تھی، وہاں بھی گئے۔

حضرت طلحہؓ کے مزار پر

وہاں سے نکل کر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار پر پہنچے، یہ بھی عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، قبیلۂ بنو زہرہ جو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ کا قبیلہ ہے، ان سے تعلق رکھتے ہیں اور غزوۂ احد کے موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے آپ نے جو قربانیاں دی ہیں، آپؐ پر جو تیر آتے تھے، یہ ان

کو اپنے ہاتھ پر روکتے تھے اور اس کے نتیجے میں آپ کا ایک ہاتھ بھی شل ہو گیا تھا۔

وہاں سے رات کو تقریباً ڈیڑھ بجے بغداد اپنی قیام گاہ پر واپسی ہوئی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے مغتسل پر

اگلے روز وہاں ایک جگہ گئے جہاں بتایا جاتا ہے کہ حضرت ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا مغتسل ہے کہ جہاں آپ نے غسل کیا تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے لیے وہاں ایک چشمہ نکالا تھا اور اس کے پانی سے غسل کر کے آپ تن درست اور صحت یاب ہوئے تھے، وہاں ایک کنواں بھی ہے، ہمارے ساتھ جو عوام تھے، انھوں نے تو وہاں خوب شوق سے پانی کے ڈبے بھر لیے اور بعضوں نے وہاں غسل بھی کیا، ہم نے اس کا اہتمام نہیں کیا تھا بلکہ میں تو قریب بھی نہیں گیا تھا۔

اس جگہ سے کچھ دوری پر حضرت ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا مزار بتایا جاتا ہے، وہاں پر حاضری دی۔

کوفہ میں حضرت علیؓ کے مکان پر

پھر ہم وہاں سے آگے بڑھے اور کوفہ کے راستے پر چلے، کوفہ پہنچے، وہاں جو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا مکان بتلایا جاتا ہے، اگر چہ بعد میں اس کی تعمیر بار بار ہوتی رہی لیکن اس کا انداز وہی پرانا ہے کہ فلاں جگہ یہ حجرہ ہے اور فلاں جگہ یہ حجرہ ہے، چوں کہ وہ محرم کا مہینہ تھا، شیعہ خوب کثرت سے آرہے تھے اور ایسے موقع پر زیارت کرنے والے جو اجرت لے کر زیارت کراتے ہیں، وہ بغیر کچھ کہے ہی آگے آ کر اپنی

خدمات پیش کرتے رہتے ہیں لیکن ہم ان کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔

جامع کوفہ میں

اس کے بعد ہم جامع کوفہ میں پہنچے، یہ کوفہ شہر جب آباد کیا گیا تھا، اسی وقت یہ مسجد بھی بنائی گئی تھی، اس کا چھت والا حصہ تو زیادہ چوڑا نہیں تھا، البتہ اس کا صحن بہت بڑا ہے جس میں قدیم زمانے کے موٹے پتھر لگے ہوئے ہیں، جیسے ہمارے یہاں سڑکوں پر لگے ہوئے ہوتے ہیں، وہاں صحن میں لوگ جوتوں کے ساتھ پھرتے ہیں اور جو مسقّف حصہ ہے، وہاں قالین وغیرہ ہیں لیکن اس پر گردوغبار اتنا پڑا ہوا تھا کہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ یہاں نماز بھی ہوتی ہے یا نہیں، ہم جس وقت پہنچے تھے، وہ نماز کا وقت نہیں تھا اور وہ محراب بھی ہے جہاں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا۔

جامع کوفہ کی ویرانی

یہ وہی جامع کوفہ ہے کہ جہاں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جیسے بڑے بڑے فقیہ اور محدثین پیدا ہوئے، آج وہاں ایک بھی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو چھوٹا موٹا مسئلہ بھی بتا سکتا ہو، بالکل غیر آباد بنجر سی معلوم ہوتی ہے، وہاں علمی حلقے لگے ہوئے ہوں، اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہاں جہالت بہت زیادہ عام ہے اور شیعوں کی کثرت سے آمد ہوتی رہتی ہے۔

حضرت مسلم بن عقیلؓ کے مزار پر

حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ جو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے بڑے بھائی ہیں، ان کے صاحب زادے ہیں حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ نے کوفہ جانے سے پہلے ان کو اپنا نمائندہ بنا کر کوفہ بھیجا تھا اور ان کو وہاں شہید کر دیا گیا تھا، وہاں ان کا مزار ہے، لوگ وہاں کثرت سے آتے ہیں، ہم بھی گئے۔

حضرت علیؓ کی قبر کے متعلق اختلاف

پھر وہاں سے نجف گئے جو وہاں سے دور ہے، وہاں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی قبر بتلائی جاتی ہے، اگر چہ تاریخی اعتبار سے وہ اتنی پختہ بات نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی مزار کے متعلق کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی۔ پانچ چھ جگہیں ایسی ہیں کہ جن کے متعلق کچھ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہاں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ مدفون ہیں۔

کوفہ کا قبرستان

وہاں سے ہم کربلا جانے لگے تو راستے میں کوفہ کا قبرستان آیا جو بہت بڑا ہے، ہم جس سڑک پر چل رہے تھے، وہاں سے تاحدِّ نظر قبریں ہی قبریں نظر آتی تھیں، دائیں طرف دیکھ رہے ہیں تو دور تاحدِّ نظر قبریں ہی قبریں اور کئی کیلومیٹر تک ہم چلے، وہاں تک نظر آتا رہا، ہمارے ٹور کے جو آرگنائزر تھے، انھوں نے بتایا کہ دنیا کا سب سے بڑا

قبرستان یہ ہے، اور قبرستانوں کے بارے میں تو نہیں کہہ سکتے لیکن اس قبرستان کی ہیئت کذائی دیکھ کر اس کی بات درست کہی جا سکتی ہے۔

لیکن وہاں ایک بات اور دیکھی کہ قبریں تو وہاں انتہائی پختہ بنی ہوئی ہیں ہی، مزید براں اس پر صرف نام کا کتبہ ہی نہیں بلکہ اصحابِ قبور کے فوٹو بھی لگے ہوئے ہیں۔

کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مزار پر

اس کے بعد کربلا گئے، وہاں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا مزار ہے، ان کا جسم وہیں دفن کیا گیا تھا اور تاریخی اعتبار سے بھی اس کی تصدیق کی جاتی ہے، وہاں حاضری دی۔ ان کے قریب ان کے بھائی حضرت عباس بن علی رضی اللہ تعالی عنہ مدفون ہیں، وہ بھی ان کے قافلے میں تھے اور شہید کیے گئے تھے، اب کا بھی وہاں قریب میں مزار ہے اور عجیب شان دار انداز میں بنایا گیا ہے۔

جس وقت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا قصہ پیش آیا تھا، اس وقت تو ایک صحراء تھا لیکن اب تو وہاں باقاعدہ بڑی آبادی ہے اور بازار لگے ہوئے ہیں اور اس نے ایک مستقل شہر کی شکل اختیار کر لی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مزعومہ مزار پر

اس کے بعد ہم شام کو بغداد اپنی قیام گاہ پر لوٹے اور اگلے دن ہم امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گئے تھے، اگرچہ تاریخی اعتبار سے اس کی تصدیق نہیں کی جاتی، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح میں عام طور پر یہ لکھا ملتا ہے کہ ان کی وفات طوس میں ہوئی تھی اور

وہیں پر ان کا مزار ہے لیکن یہاں پر بھی بتلایا جاتا ہے۔

بابل میں

پھر بابل جانا ہوا جس کا تذکرہ قرآنِ کریم میں بھی ہے، ایک زمانے میں وہ بڑا شہر رہا ہے اور ایک بڑی سلطنت کا مرکز رہا ہے، وہاں اس زمانے کے آثار ہیں، وہاں جانا ہوا لیکن میں تو ایک جگہ بیٹھا رہا، اس لیے وہاں کی جگہیں دیکھنے کی نوبت نہیں آئی تو وہاں کی تفصیل بھی بیان نہیں کر سکتا۔

موصل میں حضرت یونس علیہ السلام کے مزار پر

اس کے بعد اگلے روز ہم موصل گئے، موصل بغداد سے سوا چار سو کیلو میٹر دور ہے اور حضرت یونس علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام جو نینوا نامی آبادی میں مبعوث ہوئے تھے، اسی جگہ یہ شہر آباد ہے، ویسے یہ پوری بستی اہل سنت والجماعت کی ہے، ماشاء اللہ! بہت عمدہ طریقے سے بنا ہوا یہ شہر ہے اور وہاں عجیب سبزہ زار دیکھنے کو ملا، مساجد بھی جگہ جگہ پر ہیں۔ وہاں ہم حضرت یونس علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے مزار پر حاضر ہوئے اور وہاں بھی سکون کی ایک عجیب کیفیت محسوس ہوئی۔

وہاں جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی، اس دن سب ساتھی کہنے لگے کہ کتنے دنوں کے بعد ہم نے مسجد میں باقاعدہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، اپنے طور پر تو اپنی اپنی نماز پڑھ لیتے تھے، اس لیے کئی دنوں سے ہم نے چار رکعت پڑھی ہی نہیں تھی، آج پڑھنے کی نوبت آئی، اس لیے سب خوش تھے۔

سامرہ میں

موصل جاتے ہوئے راستے میں سامرہ آتا ہے، شیعوں کے دو امام اور ہیں: سید علی نقی اور سید حسن عسکری، ان کے مزارات ہیں اور جن کو یہ مہدیٔ منتظر قرار دیتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ وہ امام مہدی جو غائب ہیں تو وہاں غار ہے، ان کے دعوے کے مطابق یہ اس غار میں چھپے ہوئے ہیں، قربِ قیامت میں قرآن لے کر کے نکلیں گے، ان کے پاس قرآن کے مزید دس پارے ہیں، میں جہاں ان دونوں حضرات کے مزارات تھے، وہاں تو گیا لیکن جو غار بتلایا جاتا ہے، وہاں نہیں گیا۔

موصل میں کچھ اور حضراتِ انبیائے کرامؑ کے مزارات پر حاضری

اس کے بعد موصل پہنچے اور حضرت یونس علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے مزار پر حاضری دی، اس کے علاوہ وہاں اور انبیاء: حضرت شیث، حضرت جرجیس، حضرت دانیال علیہم الصلوۃ والسلام وغیرہ کے مزارات ہیں، یہ سب انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں، ان کے مزارات پر حاضری ہوئی اور پھر شام کو واپس بغداد لوٹے۔

بغداد سے دمشق کے لیے روانگی

پھر ہم بدھ کے روز بغداد سے دمشق کے لیے روانہ ہوئے، دمشق میں ڈھائی تین روز قیام کا پروگرام تھا، بدھ کے روز اپنی ظہر ایک بجے پڑھی اور بغداد سے نکلے اور عراق کی سرحد پار کر کے شام میں داخل ہوئے، وہاں کے تقریباً سبھی راستے تو ماشاء اللہ! بہت اچھے ہیں۔

موجودہ بغداد کے متعلق ایک چیز بیان کرنا رہ گئی کہ وہاں امریکہ کی طرف سے جو بمباری ہوئی، شاید کسی کا یہ خیال ہو کہ وہ تو بالکل ویران، بنجر ہو گیا ہوگا۔ نہیں! آپ تصور نہیں کر سکتے، پورے بغداد میں راستے بڑے شان دار، عمارتیں بڑی عالی شان، باغات کی کثرت، کسی ایک عمارت پر بھی آپ معمولی سا نشان بھی نہیں دیکھ سکتے، کوئی یہ کہہ نہیں سکتا کہ اس پر کبھی بمباری بھی ہوئی ہوگی، پورا بغداد دوبارہ پوری شان وشوکت کے ساتھ بنا دیا گیا ہے۔

خطرناک بمباری کا ایک عبرت ناک نظارہ

البتہ بغداد میں ایک جگہ جانا ہوا، وہاں ایک بنکر بنا ہوا تھا، اس پر اس زمانے میں جو بم گرا تھا، اس کو حکومت نے باقی رکھا ہے، وہ بہت بڑا بنکر تھا، اس کی چھت چار پانچ فٹ چوڑی ہوگی، موٹی موٹی سلاخوں سے بنی ہوئی ہے اور اس چھت کے نیچے بھی سمجھتا ہوں کہ چار انچ کی اسٹیل کی پلیٹ تھی، ایسا مضبوط بنکر تھا، بمباری کے زمانے میں اس میں ڈھائی سو بچے اور کچھ عورتیں حفاظت کی غرض سے رکھے ہوئے تھے؛ تاکہ وہ محفوظ رہیں لیکن اس پر جو بم گرایا گیا تھا، اس نے اس پوری چھت میں بہت بڑا سوراخ کر دیا تھا، اس کے نتیجے میں اس میں ایسی سخت گرمی پھیلی کہ بچے اس کی گرمی کی وجہ سے اڑ کر دیواروں سے چپک گئے، وہاں نشانات بھی ہیں جو لوگوں کو دکھانے کے لیے باقی رکھے گئے ہیں، دیکھنے کے لیے آنے والے اس کو دیکھتے ہیں، ہم بھی گئے اور دیکھا، اور کوئی نشانی بمباری کی وہاں نہیں ہے۔

ویسے بمباری کا سلسلہ تو اب بھی جاری ہے، ہم بصرہ جا رہے تھے، بصرہ سے

چالیس کیلومیٹر کی دوری پر تھے، ہم ہائیوے سے گذر رہے تھے، وہاں سے ہم نے دھواں اٹھتے ہوئے دیکھا، بس یہ دیکھنے کے لیے ٹھہری کہ دھواں کس چیز کا اٹھ رہا ہے تو پتہ چلا کہ ابھی ابھی ہوائی جہاز یہاں بم گرا کر گیا ہے، اس کا یہ دھواں ہے تو یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے، اتنے زمانے سے وہاں اقتصادی پابندیاں لگی ہوئی ہیں اور ظالمانہ سلوک ان کے ساتھ کیا جارہا ہے۔

ہماری بدنصیبی

یہ ہماری بڑی بدنصیبی ہے کہ مسلم ممالک کے ساتھ اس طرح کے ناانصافی کے معاملے بین الاقوامی طور پر کیے جاتے ہیں اور ممالک اسلامیہ کی اتنی بڑی تعداد ہونے کے باوجود کوئی عملی طور پر تعاون تو کیا کرتا، ہم دردی کا ایک لفظ بھی زبان سے نکالنے کی ہمت نہیں کرتا، امریکہ کے تیور دیکھے جاتے ہیں کہ وہ راضی ہے یا ناراض اور اس کے مطابق گفتگو کی جاتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ ہم لوگوں کے لیے بھی بڑی عبرت کی چیز ہے۔

عراق میں صدام حسین کی مقبولیت

یہ بھی دیکھا کہ اقتصادی پابندی کی وجہ سے وہاں کی عوام میں کوئی پریشانی نہیں ہے، کھانے پینے اور دوسری اشیاء ان کو آسانی سے میسر آجاتی ہیں، تنہائیوں میں بھی جن لوگوں سے گفتگو ہوئی، ان میں سے ایک آدمی کو بھی ہم نے صدام حسین کی برائی کرتے ہوئے نہیں سنا، یہ ایک عجیب بات ہے اور یہ بھی دیکھا کہ وہاں جگہ جگہ صدام حسین کے فوٹو لگے ہوئے ہیں، چوراہوں، سڑکوں، گلی کوچوں ہر جگہ اس کی تصویر نظر آتی

ہے، کوئی شہر، کوئی آبادی، کوئی بازار، کسی فیکٹری کا مین گیٹ، کوئی عام جگہ ایسی نہیں کہ جہاں اس کا فوٹو مختلف شکلوں میں نہ لگا ہو، کہیں وہ انگریزی لباس میں ہے، کہیں عربی لباس میں ہے، کہیں نماز پڑھنے کی حالت میں ہے، کہیں قرآن پڑھنے کی صورت میں ہے، کہیں خطاب اور تقریر کرنے کے انداز میں ہے۔

عراق میں پردے کا اہتمام

یہ عراق کے حالات ہیں، ہم بصرہ جارہے تھے تو بصرہ کے آس پاس اکثر آبادیاں شیعوں کی ہیں لیکن وہاں پردے کا اہتمام بہت زیادہ دیکھا، کسی عورت کا منہ یا آنکھ تک کھلی نظر نہیں آتی تھی، ہم نے دیکھا کہ جو عورتیں کھیتوں میں کام کر رہی ہیں، وہ بھی پوری طرح برقعے میں لپٹی ہوئی ہوتی ہیں۔ بغداد سے ہم بابل جارہے تھے تو حلّہ سے ہمارا گذر ہوا تو وہاں اسکول کی لڑکیاں اسکرٹ وغیرہ پہنے ہوئے نظر آئیں، ورنہ دیہاتی علاقوں میں تمام عورتیں برقعہ کا بڑا اہتمام کرتی ہیں، ویسے شیعوں میں اس کا اہتمام کیا بھی جاتا ہے لیکن دوسروں میں بھی وہاں زیادہ بے پردگی نظر نہیں آئی، البتہ شہر میں جو پڑھا لکھا طبقہ ہے، ان میں بے پردگی ہے لیکن اتنی عام نہیں ہے۔

دمشق کی عام بے پردگی

اس کے برخلاف شام جانا ہوا تو دمشق کی آبادی تو بہت زیادہ ہے لیکن پورے دمشق میں ایک عورت بھی برقعہ والی نظر نہیں آئی، نوجوان لڑکیاں شرٹ پینٹ میں نظر آئیں اور دوسری عورتیں اسکرٹ پہنے ہوئی نظر آئیں، ادھیڑ عمر کی عورتوں میں سے دو

چار عورتیں ایسی ملیں گی جنھوں نے چھوٹا سا اسکارف، رومال سر پر باندھ رکھا ہو، ورنہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ یورپ کے کسی شہر میں گھوم رہے ہوں اور پورے دمشق میں مردوں کا لباس بھی شرٹ پینٹ ہے یعنی انگریزی لباس والا انداز ہے، عربی لباس میں تو بس دو چار آدمیوں کو دیکھا اور ڈاڑھی والے تو پورے دمشق میں ایک دو ہی دیکھے۔

حافظ الاسد کی اسلام دشمنی کی انتہا

اور یہ جو حافظ الاسد ہے، وہ تو روافض کے ایک بڑے کٹر فرقے نصیریہ سے تعلق رکھتا ہے، وہ جب سے برسرِ اقتدار آیا ہے، اہل سنت والجماعت کے ساتھ عداوت کا وہ معاملہ کیا کہ بڑے بڑے علماءِ دمشق وحلب وغیرہ میں سینکڑوں کی تعداد میں سولی پر چڑھا دیے، قتل کرا دیے، آج بھی شام کے اہل علم کی بڑی تعداد سعودیہ میں مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آ کر پڑی ہوئی ہے، دمشق میں تو اہل علم نظر نہیں آئے، ہاں! البتہ سنتے ہیں کہ حلب کے علاقے میں کچھ ہیں، ورنہ دمشق کا حال یہ ہے کہ وہاں رہتے ہوئے یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ آپ کسی مسلمان ملک کے دارالسلطنت میں گھوم رہے ہیں یعنی اسلامی خصوصیات اور امتیازات بالکل نظر نہیں آتیں۔

بغداد سے دمشق

ہمیں بغداد سے دمشق پہنچنے میں کئی گھنٹے لگ گئے، صبح ایک بجے کے نکلے تھے اور دوسرے دن صبح آٹھ بجے پہنچے، اس لیے سب تھکے ماندے تھے اور دقت و پریشانی زیادہ رہی، اس لیے سب نے کہا کہ آج کہیں جانا ہی نہیں ہے، بس آرام کرنا ہے لیکن

ہم لوگ عصر کی نماز پڑھ کر نکل گئے اور اپنے طور پر ٹیکسی کر کے بازار میں پہنچے اور پھر وہاں سے جامع اموی میں پہنچے اور اپنے طور پر جامع اموی کی زیارت کی۔

جامع اموی میں

یہ مسجد ولید بن عبد الملک کے زمانے میں تعمیر ہوئی تھی، ویسے یہ مسجد تو دورِ صحابہ کی ہے ۱۵ ہجری میں جب دمشق فتح ہوا تھا، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالی عنہ سپہ سالار تھے، ان ہی کے زمانے کی بنی ہوئی ہے لیکن اس وقت آدھا حصہ ایک کلیسا تھا اور آدھا حصہ مسجد تھا یعنی آدھا حصہ مسلمانوں کے پاس تھا اور آدھا حصہ عیسائیوں کے پاس تھا، اس کے بعد ولید نے اپنے زمانے میں باقی آدھا حصہ عیسائیوں سے خرید کر پوری مسجد بنائی اور اسی زمانے کے آثار ہیں، بہت اونچی اور بڑی شان دار ہے۔

قدیم زمانے میں جامع اموی کی آبادی

ایک وقت وہ تھا کہ دنیا کی تمام مساجد میں یہ سب سے عمدہ اور شان دار مسجد سمجھی جاتی تھی اور یہاں علم کا بڑا چرچا تھا، علمی اعتبار سے اس کو بڑا اونچا مرتبہ حاصل تھا، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک وقت وہ تھا کہ جمعہ کے روز اگر کوئی صبح آٹھ بجے پہنچ جائے تو بھی اس کو مسجد میں جگہ نہیں ملتی تھی۔

اور ہمارا دوسرا جمعہ یہاں دمشق میں ہوا تو جمعہ کے روز ہم بابِ صغیر کے قبرستان کی زیارت کے لیے جانے والے تھے کہ وہاں حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ اور کچھ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی قبریں ہیں، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بھی وہیں مدفون ہیں لیکن اتفاق ایسا

ہوا کہ بس والا کچھ دیر سے آیا، اس لیے ہم دیر سے نکلے، میں جلدی کر رہا تھا کہ نماز جامع اموی میں ادا کرنی ہے، جلدی پہنچو تو ہم زوال سے آدھا گھنٹہ پہلے وہاں پہنچے، میں تو ڈر رہا تھا کہ جگہ ملے گی یا نہیں۔

جیسے ہمارے یہاں ممبئی میں کوئی گیا ہو تو جمعہ کے روز ہم کو مسجد میں جلدی پہنچنا پڑتا ہے، ذرا دیر سے پہنچے تو اندر جگہ ملنے سے رہی، باہر پڑھنی پڑتی ہے اور اگر کچھ اور تاخیر ہو جائے تو سڑک پر بھی پڑنی پڑتی ہے۔

دورِ حاضر میں جامع اموی کی ویرانی

میں دمشق میں بھی اسی طرح ڈر رہا تھا کہ معلوم نہیں کہ جگہ ملتی ہے یا نہیں لیکن جب زوال سے آدھا گھنٹہ پہلے پہنچا تو مسجد خالی تھی، یہ دیکھ کر شبہ ہونے لگا کہ یہاں جمعہ بھی ہوتا ہے کہ نہیں، کوئی نہیں، محراب کے پاس بھی صرف ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا، پہلی صف میں مشکل سے چار یا پانچ آدمی ہوں گے اور پیچھے تو کوئی تھا ہی نہیں، اس لیے مجھے شبہ ہو گیا کہ یہاں جمعہ بھی ہوتا ہے کہ نہیں پھر معلوم ہوا کہ جمعہ ہوتا ہے۔

میں محراب کے قریب ذرا پیچھے ہٹ کر کے بیٹھا، محراب کے بالکل قریب اس لیے نہیں بیٹھا کہ بعض حضرات ایسے ہوتے ہیں جو اس جگہ آ جاتے ہیں تو وہاں سے کبھی ہٹنے کی نوبت آتی ہے، اس لیے دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے سے ایسی جگہ لی جائے کہ وہاں سے ہٹنا نہ پڑے، اس لیے میں نے محراب سے ذرا ہٹ کر جگہ لی۔

جامع اموی میں بھی بدعات

پھر میں اپنی تلاوت میں مشغول ہوا پھر جب اذان کا وقت ہوا تو ایک صاحب محلوق اللحیہ کھڑے ہوئے جن کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی، انھوں نے اذان دی، اذان کے بعد یہاں بھی وہی کیفیت نظر آئی کہ اذان کے بعد ''الصلوٰۃ والسلام علیک یاحبیبی یارسول اللہ'' پڑھا پھر سورۂ اخلاص اور اس کا ایصالِ ثواب اور پھر الفاتحہ اور پھر ہم نے سنتیں پڑھیں۔

امام ومؤذن کی وضع وقطع

سنتوں سے فارغ ہوئے تو تین چار آدمی محراب کے قریب حلقہ بنا کر بیٹھ گئے اور ایک صاحب زور زور سے درود شریف پڑھ رہے ہیں اور دوسرے ان کا ساتھ دے رہے ہیں، درود شریف ختم ہوا تو خطبے کی اذان ہوئی، اس دوران سب آچکے تھے اور مؤذن صاحب بھی ڈاڑھی منڈے، سوٹ بوٹ میں ملبوس، ٹائی لگائے ہوئے کہ ایسوں کو ہمارے یہاں کوئی محراب کے قریب بیٹھنے بھی نہ دیں پھر امام صاحب نے خطبہ کہا، وہ بھی معمولی درجے کا تھا اور ان کی بھی ڈاڑھی نہیں تھی، جامع اموی کے امام ہیں اور ڈاڑھی نہیں ہے، عمامہ پہنا ہوا تھا اور جبہ تھا لیکن ساتھیوں نے دیکھ کر بتایا کہ اندر ٹائی تھی اور جنس پہنے ہوئے تھے اور نماز پڑھائی، نماز میں بھی قرأت اس انداز کے ساتھ نہیں تھی، صحت اور تجوید کی کوئی رعایت نہیں تھی، ہمارے یہاں ابتدائی درجے کا تجوید نہ پڑھا ہوا طالب علم جیسی پڑھتا ہے، ویسی قرأت تھی۔

جمعہ کے بعد احتیاط والی ظہر

نماز سے فارغ ہوئے، میں سنتیں پڑھ رہا تھا، ابھی دو پڑھ کے تیسری کے لیے کھڑا ہوا ہی تھا کہ اتنے میں اقامت ہوگئی، تکبیر کہی جانے لگی، میں سوچنے لگا کہ یہ دوسری جماعت کیسی کھڑی ہو رہی ہے، میں نے جلدی جلدی اپنی سنتیں پوری کیں اور پیچھے ہٹ گیا تو دیکھا کہ پہلی صف میں چند لوگ تھے پھر کچھ بڑھتے گئے، ہم ایک دیوار کے قریب بیٹھ گئے، میرے دوسرے ساتھی بھی آئے اور پوچھنے لگے کہ یہ کون سی نماز ہے، میں نے کہا کہ پہلے دیکھوں کہ کیا کرتے ہیں پھر بتاتا ہوں۔

میں نے دیکھا کہ چار رکعت پڑھائی، میں سمجھ گیا کہ یہ احتیاطی ظہر ہے، جو پڑھے ہوئے لوگ ہیں، اہل فتویٰ ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ایسی جگہ کہ جہاں جمعہ کی نماز ہو اور اس کے متعلق یہ خیال ہو کہ شاید یہاں جمعہ نہیں ہوتا تو ایسی جگہ یہ حکم ہے کہ آدمی جمعہ پڑھ کر ظہر کی نیت سے چار رکعت پڑھ لے، یہ ایک مسئلہ ہے، یہاں جامع اموی میں احتیاط کی یہ ظہر پڑھی جا رہی ہے۔

سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

نماز سے فارغ ہو کر ہم باہر نکلے اور پوچھا کہ سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کہاں ہے؟ یہ بہت بڑے اور معروف سلطان ہوئے ہیں اور مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کی سلطنت اور حکومت کا زمانہ خلافتِ راشدہ کی یاد تازہ کر دیتا تھا، ان کا عدل وانصاف، ان کی علم پروری، عدل گستری معروف ومشہور تھی۔

سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بے مثال سعادت

ان کا قصہ مشہور ہے، آپ نے بھی پڑھا یا سنا ہوگا کہ ان کے زمانے میں عیسائیوں نے سازش کر کے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جسد مبارک کو قبرِ اطہر سے نکالنے کے لیے اپنے دو آدمی مدینہ منورہ بھیجے تھے جو بہت ہی نیک مسلمانوں کی شکل میں وہاں پہنچے اور مسجد نبوی علی صاحبها الصلوۃ والسلام کے قریب کمرہ لے کر رہنے لگے اور اس کمرے کے اندر سے قبر اطہر جانے کے لیے سرنگ کھودنا شروع کیا تھا، اس موقع پر خواب میں آ کر نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جس بادشاہ کو اطلاع دی تھی کہ یہ دو آدمی مجھے تکلیف پہنچا رہے ہیں، وہ یہی سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

تو ہم نے ان کی مزار کے متعلق لوگوں سے پوچھا تو کوئی بتانے والا نہیں تھا، حالاں کہ وہاں سے قریب ہی تھا، زیادہ دور نہیں تھا، بڑی مشکل سے ایک آدمی نے بتایا کہ ان کا مزار فلاں جگہ ہے، ہم وہاں گئے تو وہاں بھی بڑی مشکل سے ملا، ہم وہاں گئے اور فاتحہ خوانی کی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

وہاں سے فارغ ہو کر ہم نے پوچھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار کہاں ہے؟، اب اتفاق کی بات کہ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار تو جامع اموی کے بالکل احاطے ہی میں تھا لیکن ہم جس دروازے سے داخل ہوئے، اس جانب نہیں تھا، دوسرے دروازے کے قریب تھا لیکن ہمیں معلوم نہیں تھا اور نہ ہمیں کسی نے

بتایا تھا، اس لیے ہم اسی دروازے سے باہر نکل کر بازارِ حمیدیہ چلے گئے، اس کو بازار سلطان صلاح الدین ایوبی بھی کہتے ہیں، وہاں نوجوانوں سے پوچھا تو وہ تو جانتے ہی نہیں تھے پھر بڑے آدمیوں نے بتایا کہ وہ تو جامع اموی ہی میں ہے تو ہم دوبارہ اندر آئے، مزار پر حاضری دی۔

اپنے آباء کی تاریخ سے مسلمانوں کی مجرمانہ غفلت

دیکھیے! اپنی تاریخ سے کیسی سخت مجرمانہ غفلت ہے، کیسی لاپرواہی ہے کہ مسلم بچوں کو کچھ پتہ ہی نہیں کہ یہ ہمارے سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ وہ شخصیت ہیں کہ دشمن بھی ان کی شخصیت سے واقف اور ان کی صلاحیتوں کے معترف ہیں اور ہم ان سے ناواقف ہیں، دعا تو آج کل سبھی کرتے ہیں، کیوں کہ یروشلم دوسروں کے قبضے میں ہے؛ اس لیے یوں دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! کوئی دوسرا سلطان صلاح الدین ایوبی پیدا فرما لیکن سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی قبر کہاں ہے، یہ بھی معلوم نہیں ہے۔

عبرت کی جگہیں کھیل کود کے میدان بنادی گئیں

وہاں گئے تو قریب میں بچے فٹ بال کھیل رہے تھے۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ہم بدر گئے تھے، مدینہ منورہ میں ہمارے مولانا محمد صاحب کے ایک خاص دوست ہیں، انھوں نے ہمارا تعارف کرایا، ہم نے ان سے کہا کہ کسی طرح بدر لے جاؤ تو انھوں نے کہا کہ ٹھیک ہے، چلئے، جانے دیں گے تو ٹھیک ہے، ورنہ کوئی بات نہیں۔ ہم وہاں گئے تو وہاں بھی ہم نے دیکھا کہ اس کے قریب بچے فٹ بال کھیل رہے ہیں تو

وہ بھی بے چارے افسوس کرنے لگے کہ یہاں بدر کا اتنا مشہور و معروف واقعہ پیش آیا ہے جو ہمارے لیے عبرت کی جگہ ہے اور یہاں بچے فٹ بال کھیل رہے ہیں۔

تاریخی جگہیں اور غیر مسلم

اور اس کے بالمقابل جب یروشلم جانا ہوا، جب ہم مسجد اقصیٰ سے یعنی یروشلم سے بیت لحم جا رہے تھے اور بیت لحم جہاں حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی پیدائش ہوئی ہے اور وہاں عیسائیوں کا ایک کلیسا بھی ہے تو وہاں ہم جا رہے تھے تو راستے میں ایک چوراہہ آیا، وہاں چوراہے پر ہماری بس کھڑی رہی اور گائیڈ نے کہا کہ یہاں بس دو منٹ کھڑی رہے گی، ہم نے پوچھا کہ کاہے کے لیے؟ تو جواب دیا کہ یہاں اس چوراہے پر سے کوئی بھی سواری گذرے، چاہے بس ہو یا کار ہو یا کوئی اور ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ یہاں دو منٹ ٹھہرائے، کیوں کہ ہٹلر نے دو لاکھ یہودیوں کو قتل کیا تھا، اس کی یاد باقی رکھنے کے لیے ایسا کیا جاتا ہے تو ہر اسرائیلی یہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے بچے کو یہ واقعہ یاد رہے اور اس کے لیے ایسی تدبیریں آزمائی جاتی ہیں اور ہم اپنے آباء واجداد کی اور اپنے اسلاف کی ایسی روشن تاریخ سے بھی غفلت میں ڈالے گئے ہیں، یہ ہمارے اور ان کے درمیان فرق ہے۔

بہر حال! ہم نے سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بھی حاضری دی اور فاتحہ خوانی کی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے مزارات پر

جمعہ کے روز علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر گئے تھے، وہاں ان کے صاحب زادے اور صاحب درمختار علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات ہیں، وہاں بھی حاضری دی، ہم مفتیوں کو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے بہت زیادہ واسطہ پڑتا ہے، یہ ایک حقیقت بھی ہے، وہاں جا کر بڑی مسرت ہوئی۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مزار پر

اسی قبرستان میں ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا کی قبر بھی ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی بہن اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالی عنہ کی بیٹی ہیں، وہاں حاضری ہوئی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار پر

وہاں حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کا مزار ہے۔ دمشق کے قریب ایک بستی ہے داریہ، وہاں بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کا مزار بتایا جاتا ہے لیکن اس قبرستان میں قبر ہونے کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے مزار پر

اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالی عنہا جو حضرت جعفر رضی اللہ تعالی عنہ کے نکاح میں تھیں، ان ہی کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حبشہ پھر وہیں سے

ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئی تھیں اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کے نکاح میں آئی تھیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے نکاح میں آئی تھیں، بڑی مشہور صحابیات میں سے ہیں اور مہاجراتِ اولین میں سے ہیں، ان کا مزار وہیں ہے، وہاں پر بھی حاضری ہوئی۔ اس کے علاوہ اہل بیت کے مزارات ہیں، وہاں بھی حاضری ہوئی۔

جبل قاسیون

اور سنیچر کے روز ہم لوگ جبل قاسیون پر گئے، جیسے مدینہ منورہ میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ اُدھر کا رُخ کرتے ہیں تو جبل اُحُد نظر آتا ہے، اسی طرح دمشق میں بھی یہ پہاڑ ہے اور اس کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ اس پر بے شمار انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام آئے ہیں اور ان کا مسکن رہا ہے۔

ہابیل کی قبر پر

ویسے وہاں ہابیل کی قبر بھی بتائی جاتی ہے، حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا، یہ مقتول ہابیل کی قبر وہاں بتائی جاتی ہے، اس پر لکھا ہے کہ نبی ہابیل مگر ان کا نبی ہونا کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذرا، وہاں اونچائی پر ایک جگہ ان کی قبر بتلائی جاتی ہے۔

ایک قول کے مطابق اصحابِ کہف کا غار

وہاں ایک غار ہے، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ اصحابِ کہف کا غار ہے مگر

محققین کی تحقیق کے مطابق اُردُن میں عمان کے قریب ایک غار دریافت ہوا ہے، اس کے متعلق زیادہ وثوق سے بتایا جاتا ہے کہ قرآنِ پاک میں جو علامتیں اور قرائن بتلائے گئے ہیں، وہ اُردُن میں عمان کے قریب موجود غار میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔

موتہ میں

پھر ہم دو روز اور تین راتیں قیام کر کے اتوار کے روز صبح کے وقت وہاں سے عمان کے لیے بس میں روانہ ہوئے، شام کی سرحد پار کر کے اُردُن میں داخل ہوئے اور عمان میں اپنے ہوٹل میں آ کر قیام کیا، دوپہر کو کھانا کھایا اور دوپہر کے بعد ہم وہاں سے موتہ کے لیے نکلے۔

سریۂ موتہ اور اس کا پس منظر

غزوۂ موتہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے زمانے میں ۸ رہجری میں پیش آیا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ایک صحابی حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ کو حاکم بُصریٰ کے نام ایک خط دے کر بھیجا تھا، شرحبیل بن عمرو غسّانی بھی ایک جگہ کا حاکم تھا، اس نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اس صحابی کو قتل کر دیا اس پر تنبیہ کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم أجمعین کا تین ہزار کا ایک لشکر بھیجا۔

اس لشکر کا پہلا امیر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ کو مقرر کیا اور فرمایا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں حضرت جعفر رضی اللہ تعالی عنہ کو امیر بنایا جائے اور وہ بھی شہید

ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالی عنہ کو امیر بنایا جائے اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان جس کو امیر مقرر کریں، وہ امیر ہوگا۔

یہ لشکر روانہ ہوا، یہ جگہ مدینہ منورہ سے بہت دوری پر واقع ہے، ہم عمان سے وہاں پہنچے تو کافی طویل راستہ ہے جو اونچی پہاڑیوں سے ہو کر جاتا ہے، اگر چہ وہ جگہ ہموار ہے اور کافی سرسبز وشاداب ہے، وہاں قریب میں ایک شہر ''کرک'' نامی آباد ہے، اس کے قریب یہ بستی ہے جو مزار کہلاتی ہے اور وہاں میدانِ موتہ کے پاس سیٹی بھی ہے اور میدانِ موتہ کا بھی مستقل احاطہ کیا گیا ہے، وہاں حضرت جعفر رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کہاں ہوئی، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کہاں ہوئی، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کہاں ہوئی، وہ جگہ بھی بتائی جاتی ہے۔

موتہ کے شہدائے ثلاثہ کے مزاروں پر حاضری

حضرت جعفر رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ کا مزار قریب ہی ہے اور وہاں اُردُن حکومت نے ایک بڑی جامع مسجد تعمیر کروائی ہے، شاہ حسین نے بنائی تھی اور بڑی عمدہ ہے اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالی عنہ کا مزار اس سے کچھ دوری پر ہے، وہاں بھی ایک نئی چھوٹی مسجد بن رہی تھی، ان کے مزار پر بھی حاضری ہوئی۔

یہ جو جنگ ہوئی تھی، اس میں بڑی عبرت ہے کہ یہ تین ہزار حضرات جب موتہ کے قریب پہنچے تو ان کو پتہ چلا کہ شرحبیل بن عمرو غسّانی نے آس پاس کے علاقے

کے جنگجوؤں کو اکٹھا کیا ہے اور چوں کہ وہ قیصر کا باز گزار تھا، اس کو خراج دیا کرتا تھا تو اس کو اپنی مدد کے لیے لکھا تو خود قیصر روم ہرقل ایک لاکھ کا لشکر لے کر آیا تھا، دشمن کا لشکر دو لاکھ ہے اور مسلمانوں کا لشکر فقط تین ہزار نفوس پر مشتمل تھا۔

جب یہ معلوم ہوا کہ دشمن اتنی بڑی تعداد میں آیا ہے تو انھوں نے سوچا اور مشورہ کیا لیکن طے یہی ہوا کہ مقابلہ کیا جائے اور اس کے بعد اس جنگ میں تینوں اسلامی سالار کام آئے اور پھر حضرت خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اسلامی لشکر کو اپنے جنگی داؤ پیچ سے بچایا۔

سفر کا سبق

یہاں ایک بات خاص طور پر اہل علم سے عرض کرنی ہے کہ شام کے علاقے میں بھی دیکھا، وہاں دین سے متعلق کوئی محنت نہیں ہے اور وہاں اہل علم کا طبقہ بھی نہیں ہے اور نہ مدارس کا کوئی سلسلہ ہے، ان ساری جگہوں کو دیکھ کر آنے کے بعد میں اپنے یہاں دیکھتا ہوں کہ دین کی جو محنتیں اور اس کے سلسلے ہیں، اسلام کی ساری نشانیاں ہیں، جگہ جگہ ڈاڑھی والے مسلمان نظر آتے ہیں، اسلامی وضع قطع اور لباس نظر آتا ہے، مدارس ہیں، مکاتب ہیں، مساجد میں نمازوں کا اہتمام ہے، فضا میں اذانوں کی آوازیں وقفے وقفے سے گونجتی ہیں، وہاں تو بعض جگہیں ایسی بھی دیکھیں کہ جہاں اذان کی آواز سننے کو ہم ترس جاتے تھے، اس لیے یوں سمجھیے کہ یہ تو ہمارے لیے دار الاسلام ہے، ہمارا یہ علاقہ تو جنت کا نمونہ ہے۔

ہندوستان میں اسلامی شعار کی حفاظت کے لیے محنتوں کی ضرورت

تو اب یہ ہماری محنتیں جو ہمارے بڑوں نے شروع کی تھیں اور الحمدللہ! چل رہی ہیں اِن محنتوں کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے، دین کا یہ سلسلہ باقی رہے، ہماری طرف سے جو کوتاہیاں ہوتی ہیں، ان ہی کوتاہیوں کے نتیجے میں قدرتی طور پر کچھ رکاوٹیں حکومتی لائن سے اور دوسری طرف سے آتی ہیں لیکن ہم اگر اپنی ان کوتاہیوں کو درست کر لیں اور خود احتسابی کرتے ہوئے اپنی ان کمزوریوں کا ازالہ کر لیں تو ان شاء اللہ! سارے معاملات ٹھیک ہو جائیں گے۔ نوجوان طبقے پر بھی محنت ہو، مسلمانوں میں یہ مدارس اور مکاتب اور تبلیغی جماعت کا سلسلہ جاری رہے، اس کی کوششیں ہوں تو یہ چیزیں باقی رہیں گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور ہمارے یہ مراکز جو ایک زمانے میں اسلام کی جان سمجھے جاتے تھے، آج دشمنوں نے محنتیں کر کے ان کو غفلت میں ڈال رکھا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ دوبارہ وہ دور واپس لاوے اور اسلام کی سربلندی کی شکلیں پیدا ہوں، اس کی ہم دعا بھی کرتے رہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔